الصلوۃ و السلام علیک یا نور اللہ

معاشیات نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

تصنیف

شیخ القرآن

ڈاکٹر مفتی غلام سرور قادری

عمدۃ البیان پبلشرز (رجسٹرڈ) لاہور

معاشیاتِ نظامِ مصطفیٰ ﷺ

تالیف

مفتی غلام سرور قادری ایم اے ایل ایل بی
ایم اے عربی علوم اسلامیہ و مشیر وفاقی شرعی عدالت پاکستان

ناشر

مکتبہ رضویہ، جامعہ رضویہ (ٹرسٹ)
سنٹرل کمرشل مارکیٹ
ماڈل ٹاؤن لاہور

نام کتاب	معاشیات نظام مصطفیٰ
مؤلف	مفتی غلام سرور قادری ایم اے اسلامک لاء، مشیر وفاقی شرعی عدالت پاکستان
صفحات وسائز	۳۲۲ ، ۲۳×۳۶/۱۶
ایڈیشن	سوم ۲۰۰۷ء
تعداد اشاعت	گیارہ سو (۱۱۰۰)
قیمت	160 روپے
مطبع	مکی مدنی پرنٹرز ۴۰ بی اردو بازار لاہور
ناشر	مکتبہ رضویہ جامعہ رضویہ (ٹرسٹ) سنٹرل کمرشل مارکیٹ ماڈل ٹاؤن لاہور فون: ۵۸۳۶۲۶۵/۵۸۳۶۲۶۴ فون فیکس: ۵۸۳۶۲۶۱
کتابت	محمد حسین خاور جامعہ رضویہ

فہرست مضامین

تعارف مصنف

پیر طریقت ڈاکٹر مفتی غلام سرور قادری صاحب تو ایسی شخصیت ہیں۔ جو کہ کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ لیکن میری سوچ میں جناب کی زندگی سے متعلق کچھ اہم معلومات موجود ہیں جن پر روشنی ڈالنا ضروری سمجھتا ہوں۔ اکثر و بیشتر عام انسان کے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ اس بین الاقوامی شہرت یافتہ شخصیت کی بنیادی تعلیم کون سی خوش نصیب درسگاہ میں ہوئی کہ جس نے ایسے عظیم انسان تخلیق کیے۔ ہر انسان کی سب سے پہلی درسگاہ اس کی ماں کی گود ہی ہوتی ہے۔ جتنی وہ گود مقدس و مکرم ہوگی اُتنی ہی اُس کی اولاد کی تربیت اعلیٰ ہوگی آپ آج کسی بھی تاریخ کا مطالعہ کریں تو یقیناً آپ کی نظر سے بڑی بڑی شخصیات کے تذکرے ضرور گذرتے ہوں گے۔ وہاں ان شخصیات کی تربیت کی پہلی بنیادی چیز اور عظیم درسگاہ ''ماں کی گود'' کے ہی ثمرات ملتے ہیں جو کہ ایک عام انسان کو عظیم انسان بنانے میں ممد و معاون ثابت ہوتے ہیں۔ حضرت قبلہ ڈاکٹر مفتی غلام سرور قادری دامت برکاتہم العالیہ کی شخصیت میں اُس پہلی درسگاہ کی تربیت کے ہی اثرات ہیں کہ آپ بہترین عالم دین باعمل، بہترین مفتی، بہترین مدرس، بہترین محقق و مصنف، بہترین شیخ الطریقت و شیخ التفسیر اور بہترین شیخ الحدیث ہیں آپ کی طبع شریف میں انتہائی نرمی، حلم بردباری برداشت اور انکساری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے آپ سابق صوبائی وزیر برائے مذہبی امور و اوقاف پنجاب اور بانی و مہتمم جامعہ رضویہ (ٹرسٹ) سنٹرل کمرشل مارکیٹ ماڈل ٹاؤن لاہور ہیں۔ کئی کتابوں کے مصنف اور قرآن مجید کے مترجم بھی ہیں اب جناب

حضرت صاحب کی بنیادی تعلیم کے متعلق تفصیلی معلومات پیش کرتا ہوں تا کہ قارئین کو علم ہو جائے کہ آپ نے تعلیم و تربیت اور روحانی تربیت کہاں سے حاصل کی۔

ولادت:۔ آپ کے آباؤ اجداد سادات و شرفاء بخارا سے ہیں جو حضرت سید جلال الدین بخاری علیہ الرحمۃ کے ہمراہ بخاری سے کشمیر آئے پھر اوچ شریف ضلع بہاولپور آ کر آباد ہوئے۔ آپ کی ولادت موضع کچی لعل نزد اُوچ شریف تحصیل علی پور ضلع مظفر گڑھ میں بروز جمعرات مورخہ ۱۲۔ اکتوبر ۱۹۳۹ء کو خدا بخش علیہ الرحمہ کے گھر میں ہوئی۔ آپ کے دادا بزرگوار محمد موسیٰ علیہ الرحمہ اور پردادا محمد جوہر علیہ الرحمہ تھے۔

ابتدائی تعلیم:۔ آپ نے سب سے پہلے ناظرہ قرآن مجید اپنے پڑوسی بزرگ عالم مولانا غلام نبی خورشیدی علیہ الرحمہ سے عرصہ تین چار ماہ میں پڑھ کر مکمل کیا۔ اس کے بعد آپ نے ابتدائی تعلیم گورنمنٹ پرائمری سکول موضع بن والا میں حاصل کی اور مڈل تک کی تعلیم کے لئے موضع لکس کے گورنمنٹ سکول میں داخلہ لیا وہاں سے مڈل کا امتحان انتہائی اعلیٰ پوزیشن میں پاس کیا بعد ازاں دیگر دینی تعلیم کے لئے مخدوم حسن محمود بن غلام میراں شاہ کے گاؤں جمال الدین والی علاقہ صادق آباد ضلع رحیم یار خان میں استاذ العلماء والفضلاء حضرت علامہ حکیم غلام رسول علیہ الرحمہ سے اکتساب فیض کیا اور ان سے آپ نے درس نظامی کی ابتدائی کتب کے ساتھ شرح تہذیب قطبی کے اوائل شرح وقایہ اولین، اصول الشاشی، نور الانوار اور علم طب کی میزان طب، طب اکبر و موجز وغیرہ پڑھیں۔

1958ء میں ڈیرہ غازی خان میں استاذ العلماء علامہ مولانا غلام جہانیاںؒ صاحب سے نور الانوار، شرح جامی، مولانا عبدالغفور صاحب سے قطبی، میر قطبی، مُلا جلال، حمد اللہ شرح وقایہ اخیرین، مبیذی التصریح، اقلیدس، مشکوٰۃ شریف،

جلالین ہدایہ اولین، حسامی، مقامات حریری، حماسہ، متنبی، تصوف، لوائح جامی، لوامع جامی اور مثنوی شریف پڑھیں۔

1961ء ملتان میں غزالی زماں رازی دوراں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے مدرسہ انوار العلوم میں داخلہ لیا۔ استاذ العلماء جناب مولانا عبدالکریم " سے تفسیرات احمدیہ پڑھی اور حضرت مفتی امید علی خاں صاحب سے توضیح وتلویح، مسلم الثبوت وہدایہ اخیرین پڑھیں۔

پھر مفتی اعظم حضرت مفتی سید مسعود علی قادری سے جلالین وعلم میراث پڑھا اور فتویٰ نویسی سیکھی۔ آخر میں حضرت علامہ قبلہ کاظمی شاہ صاحب سے مناظرہ رشیدیہ، شرح عقائد، خیالی اور دورہ حدیث شریف پڑھ کر سند فراغت علم حاصل کی۔

عملی زندگی کا آغاز:۔ علوم وفنون اور فتویٰ نویسی کے علم سے فراغت کے بعد قبلہ کاظمی شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی نظر عنایت والتفات نے بطور نائب مفتی آپ ہی کا انتخاب فرمایا۔ کچھ عرصہ کے بعد ہی حکومت پاکستان نے قبلہ کاظمی شاہ صاحب علیہ الرحمہ کو بہاولپور یونیورسٹی میں بطور پروفیسر حدیث مقرر فرمایا تو قبلہ کاظمی شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے جن قابل ترین تلامذہ کو بہاولپور ساتھ لے جانے کے لئے منتخب فرمایا اُن میں آپ بھی شامل تھے۔ حضرت قبلہ مفتی صاحب نے بہاولپور یونیورسٹی سے **1965-1966**ء میں ایم اے اسلامک لاء یعنی تخصص فی الفقہ والقانون الاسلامی کی سند حاصل کی اور حضرت قبلہ کاظمی شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے فرمان پر اپنی مادر علمی مدرسہ انوار العلوم واپس آکر استاذ الحدیث، مفتی وصدر شعبہ افتاء کے فرائض سنبھالے۔ **1977**ء میں حضرت علامہ مفتی عبدالقیوم ہزاروی علیہ الرحمہ کی خواہش پر قبلہ مفتی صاحب جامعہ نظامیہ اندرون لوہاری گیٹ لاہور شیخ الحدیث وشیخ الادب

العربی مقرر ہوئے اسی دوران صدر انجمن تہذیب الاسلام مین مارکیٹ گلبرگ آپ کو جامعہ مسجد غوثیہ گلبرگ لے آئے۔ جہاں عرصہ 12 سال تک جامع مسجد غوثیہ کے خطیب رہے اور یہاں جامعہ غوثیہ کے نام سے مدرسہ قائم کیا اور 1990ء تک اسی درسگاہ کے ناظم اعلیٰ وشیخ الحدیث رہے اور انتہائی خوش اسلوبی محنت خلوص اور لگن سے کامیابیوں اور کامرانیوں سے ہم کنار ہوئے۔ بعد ازاں جناب پروفیسر ظہیر الدین احمد بابر نقشبندی قادری نے ماڈل ٹاؤن سوسائٹی سے چار کنال کا رقبہ حاصل کر کے قبلہ مفتی صاحب کے سپرد کیا اور اُن کے پُر خلوص تعاون کے ساتھ آپ نے ماڈل ٹاؤن سنٹرل کمرشل مارکیٹ میں اپنی ذاتی دینی درسگاہ کا آغاز فرمایا جو کہ تقریباً عرصہ 17 سال سے انتہائی کامیابی کے ساتھ اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہیں۔ جامعہ رضویہ ٹرسٹ سنٹرل کمرشل مارکیٹ ماڈل ٹاؤن میں درج ذیل شعبہ جات کی انتہائی کامیابی کے ساتھ سرپرستی فرمارہے ہیں۔ یہ جامعہ رضویہ ایک ٹرسٹ کے زیر اہتمام چل رہا ہے۔ جس کے مینجنگ ٹرسٹی حضرت قبلہ ڈاکٹر مفتی غلام سرور قادری صاحب آپکے بڑے بیٹے ڈاکٹر احمد سعید قادری ڈپٹی مینجنگ ٹرسٹی اور جناب پروفیسر ظہیر الدین احمد بابر سیکرٹری جنرل ہیں حضرت قبلہ مفتی صاحب کے دوسرے صاحبزادے جناب علامہ محمد وحید قادری جامعہ کے ناظم اعلیٰ، تعلیمات و مالیات ہیں۔ **شعبہ جات:۔** شعبۂ تحفیظ القرآن، شعبۂ تجوید وقراءت، شعبۂ درس نظامی، شعبۂ کمپیوٹر لیب، شعبۂ تخصص فی الفقہ والحدیث والقانون الاسلامی اور شعبۂ نشرواشاعت شامل ہیں حضرت قبلہ مفتی ڈاکٹر غلام سرور قادری کی جتنی بھی تصانیف ہونگی ان کی اشاعت کے لیے مستقلاً عمدہ البیان پبلشرز (رجسٹرڈ) لاہور کے نام سے ادارہ معرض وجود میں لایا گیا ہے۔ جس کے زیر اہتمام آپ کی تمام تصانیف اشاعت

ہوگی اور وہی ادارہ آپ کی تمام مطبوعات کے حقوق کا تحفظ کرے گا۔ آپ کی تصانیف تقریباً 55 کے قریب ہیں جن میں خاص اہمیت کا حامل ترجمۂ قرآن مجید، عمدۃ البیان فی ترجمۃ القرآن'' ہے جو کہ اس صدی کا ایک عظیم الشان تجدیدی کارنامہ ہے جلد چھپ کر منظر عام پر آرہا ہے۔ انشاء اللہ ایمان افروز اور تحقیقی شاہکار و تصانیف خود مطالعہ کریں اور عزیز و اقارب میں تحفۃً پیش کریں یہ آپ کی سعادت ہو گی اور اس سے خیر و برکت کا وافر حصہ نصیب میں آئے گا انشاء اللہ۔

آپ کی تصانیف درج ذیل ہیں!

(1)۔ درود و سلام و شانِ خیر الانام ﷺ (2)۔ رد امکان کذب باری تعالیٰ

(3)۔ مقام علم و علماء (4)۔ شرح ''الفضل الموہبی''

(5)۔ خلافت اسلامیہ اور مغربی جمہوریت (6)۔ معجزۂ شق القمر

(7)۔ قاضی اور سربراہ مملکت (8)۔ بیعت کی اہمیت و ضرورت

(9)۔ مسئلہ ایصالِ ثواب (10)۔ مسئلہ تصویر (تصویر کا جواز)

(11)۔ ندائے یا محمد یا رسول اللہ ﷺ (12)۔ نماز سے متعلق تین اہم مسئلے

(13)۔ پروفیسر طاہر القادری کا علمی و تحقیقی جائزہ (14)۔ تفسیر اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

(15)۔ شدید غصہ میں دی گئی طلاق کا شرعی حکم (16)۔ تفسیر بسم اللہ الرحمن الرحیم

(17)۔ مسئلہ صلوۃ و سلام قبل اذان (18)۔ اسلام میں ٹیکسوں کی شرعی حیثیت

(19)۔ سورۂ یٰسٓ مع اردو ترجمہ و تفسیر (20)۔ حج اور قربانی

(21)۔ عیدِ اسلام (22)۔ نجاۃ الوالدین الکریمین

(23)۔معرفت خداوندی

(24)۔پردہ کی شرعی حیثیت

(25)۔سورہ ملک مع ترجمہ وتفسیر

(26)۔ذکر ووسیلہ

(27)۔الشاہ احمد رضا بریلوی

(28)۔عالم برزخ

(29)۔مسئلہ علم غیب ووسیلہ

(30)۔الوظائف القادریہ

(31)۔قرآن کیسے جمع ہوا؟

(32)۔فضائل اہل بیت

(33)۔مجموعہ حیات اولیاء

(34)۔عمدۃ البیان فی ترجمۃ القرآن

(35)۔شرح جامی کا اردو ترجمہ

(36)۔حالات امام بخاری علیہ الرحمۃ

(37)۔مسئلہ رفع یدین

(38)۔جہاد اسلامی (اردو۔انگلش)

(39)۔معجزات مصطفیٰ ﷺ

(40)۔مسائل وفضائل زکوٰۃ وصدقات (اردو۔انگلش)

(41)۔افضلیت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(42)۔اسلام کا قانون شہادت

(43)۔معاشیات نظام مصطفیٰ ﷺ

(44)۔لباس مسنون

(45)۔الیکشن یا سلیکشن

(46)۔علماء اور حکمرانوں کے درمیان تعلق کی اہمیت

(47)۔اسلام میں داڑھی کی شرعی حیثیت

(48)۔تحفہ مکیہ

(49)۔تہتر اسلامی فرقے اور ان کی تاریخ وعقائد

(50)۔تین اہم مسئلے (حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا نمازی کے آگے سے گزرنا۔نماز کے بعد دعا)

(51)۔تحفۂ مومن

(52)۔شدید غصہ کی طلاق

(53) قیام تعظیم

(54) "تنزیہ الغفار عن تکذیب الاشرار"
(رد امکان کذب)

(55) شہادت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ان درج بالا کُتب کے علاوہ حضرت کا ماہانہ مجلہ ماہنامہ البرلاہور کے نام سے عرصہ ۱۷ سال مکمل اور اٹھارویں سال کا آغاز ہو چکا ہے جو کہ اُمت مسلمہ کے لئے بالخصوص شائع ہو رہا ہے انتہائی اہم موضوعات پر مضامین، تبصرے اور حالات حاضرہ پر اداریے اور لوگوں کے بزنس کی تشہیر اس کے حسن و قدر میں اضافے کا باعث ہو رہی ہے آج ہی اخبار ہاکر یا بک اسٹالز سے نام لے کر ماہنامہ البرلاہور طلب فرمائیں تا کہ آپ اپنے گھریلو ماحول کو دینی، روحانی اور اصلاحی پہلو میں خود کفیل بنائیں۔ یوں تو آپ کی ہر کتاب علم کا ایک خزانہ ہے مگر وہ کتابیں جو آپ نے کسی کے جواب میں ''علمی و تحقیقی جائزہ'' کے نام سے لکھیں یا کسی کی علمی و تحقیقی اغلاط کی نشاندہی میں لکھیں خصوصی طور پر قابل ذکر ہیں مثلاً '' درود وسلام شان خیر الانام'' جناب جسٹس تقی عثمانی دیوبندی عالم کے جواب میں لکھی گئی اور ''ڈاکٹر غلام مرتضےٰ ملک کی کتاب توحید اور وجود باری تعالیٰ کا علمی و تحقیقی جائزہ'' بھی خاص طور پر قابل ذکر ہے آپکی کتب ایک بحرِ بے کراں ہیں دینی روحانی اصلاحی علم حق کے متلاشی ان کتب کا ضرور مطالعہ فرمائیں۔ ۱۹۹۸ء میں آپ نے علم نحو کی مشہور کتاب الکافیہ کی عربی شرح الوافیہ پر چار جلدوں پر مشتمل عربی میں تحقیق و تخریج لکھی الکافیہ جو کہ پورے عالم اسلام کے دینی مدارس میں پڑھائی جاتی ہے۔ اس کی عربی زبان میں شرح فرما کر پنجاب یونیورسٹی سے پی۔ ایچ۔ ڈی (دکتورہ) کی ڈگری حاصل کی

۔ نیز طبیہ کالج لاہور میں چار سالہ طب کا کورس کر کے گورنمنٹ سے طبیب کی ڈگری بھی حاصل کی۔

علمی و دینی ذوق:۔ آپ کے علمی و دینی ذوق کا یہ حال ہے کہ اپنی آبائی زمینیں اور مکانات جو آپ کے ورثے میں آئی تھیں سب بیچ کر مدرسہ اور لائبریری پر خرچ کر دیا اور سارا دن لائبریری میں بیٹھ کر مطالعہ اور تحریر و تدریس میں مصروف رہتے ہیں اور اپنے صاحبزادوں کو بھی اسی لائن پر چلایا آپ کے بڑے صاحبزادے احمد سعید قادری ہومیو ڈاکٹر اور بہترین عالم ہیں جامعہ کے وائس پرنسپل اور درس نظامی پڑھاتے ہیں اور دوسرے صاحبزادے علامہ محمد وحید قادری درس نظامی کے فاضل اور یونیورسٹی سے ایم۔اے ہیں وہ بھی جامعہ کے استاذ و ناظم اعلیٰ و تعلیمات ہیں اور تیسرے صاحبزادے علامہ محمود عبید قادری درس نظامی سے فارغ و انٹرنیشنل یونیورسٹی اسلام آباد سے ایل ایل بی لاء اینڈ شریعہ ہیں چوتھے بیٹے محمد حماد قادری نے ایف۔اے کے بعد درس نظامی شروع کیا جو درس نظامی کے دوسرے سال میں زیر تعلیم ہیں اور پانچویں سب سے چھوٹے بیٹے محمد باذل قادری قرآن پاک حفظ کر رہے ہیں۔

تفصیل غیر ملکی تبلیغی دورے، مناظرے:۔ قبلہ ڈاکٹر مفتی غلام سرور قادری صاحب مصنف کتب کثیرہ، دینی خدمات کے جذبے سے اکثر تبلیغی دورے فرماتے رہتے ہیں۔ صدر جنرل ضیاء الحق شہید کے زمانہ میں آپ نے چین کا انتہائی کامیاب سرکاری دورہ کیا۔ جنوبی افریقہ کے مسلمانوں کی درخواست پر آپ جنوبی افریقہ کے

کئی دورے کر چکے ہیں بلکہ ۱۹۸۶ء میں جنوبی افریقہ کے دورے کے دوران (شہر کیپ ٹاؤن) مرزائیوں کے ساتھ تین دن تک مناظرہ ہوتا رہا آخر میں مرزائی لیڈر سلیمان ابراہیم لاجواب ہوکر مرزائیت سے تائب ہوکر مسلمان ہوگیا اور اس نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس طرح کے کئی مناظروں میں حضرت کاظمی علیہ الرحمۃ نے آپ کو بھیجا تو اُن کی دعا سے ہمیشہ آپ کامیاب وفتحیاب رہے۔

(لیڈی سمتھ) میں دیوبندی مولانا عبدالرزاق سے علماء دیوبند کی گستاخانہ عبارات پر مناظرہ ہوا جس پر انہوں نے اقرار کیا کہ واقعی یہ عبارات گستاخانہ وکفریہ ہیں اس مناظرہ کی بھی کیسٹ موجود ہے آپ برطانیہ کا بھی چار دفعہ تبلیغی دورہ کر چکے ہیں ایک موقع پر آپ سلطان باہو ٹرسٹ یو۔ کے ٹھہرے ہوئے تھے کہ مرزا طاہر احمد نے (جنگ) لندن میں ختم نبوت کے حوالے سے ایک بیان دیا جس پر گرفت کرتے ہوئے حضرت مفتی صاحب نے اسے بھی مناظرہ کا چیلنج کیا جو کہ برطانیہ (جنگ) اخبار کی شہہ سرخی سے یہ خبر شائع ہوئی جس پر مرزا طاہر احمد نے مناظرہ کرنے اور گفتگو کرنے سے انکار کردیا اسی طرح آپ متحدہ عرب امارات کئی مرتبہ تبلیغی دورے فرما چکے ہیں۔ یورپین ممالک جرمنی، بالجیم، ہالینڈ، انگلینڈ، ساؤتھ افریقہ اور متحدہ عرب امارات کے بھی دورے کر چکے ہیں اُن ممالک کے علاوہ تقریباً اکثر ممالک میں آپ کے کثیر تعداد میں مریدین ہیں علاوہ ازیں پاکستان میں بھی ارادتمندوں کا ایک وسیع حلقہ موجود ہے چونکہ کویت میں حلقہ ارادت ہے وہاں ایک مرتبہ تشریف لے گئے تو دورہ کویت کے دوران کویت کے سابق وزیر برائے مذہبی امور شش

طریقت علامہ سید یوسف ہاشم الرفاعی جو دین اسلام اور خصوصا مسلک اہل سنت کی مثالی خدمات سرانجام دے رہے ہیں اُن کی موجودگی میں قبلہ مفتی صاحب نے عربی میں خطاب فرمایا اور اعلیحضرت کے کچھ نعتیہ کلام حدائق بخشش کا بھی عربی میں ترجمہ کر کے اس کی تشریح فرمائی۔ جس پر قبلہ رفائی صاحب بے حد متاثر ہوئے اور فرمایا کہ اعلیٰ حضرت کے نعتیہ کلام حدائق بخشش کا عربی ترجمہ فرمادیں۔ جو کہ مسلک حق اہل سنت کی بہت بڑی خدمت ہوگی اور اہل عرب اس سے خوب استفادہ کرسکیں گے آپ نے پاکستان میں بھی کئی مناظرے کیے جبکہ چیچہ وطنی میں ایک مشہور عیسائی پادری سعید المسیح سے ۵ دن مناظرہ کیا آخر میں وہ بھی آپ کے علمی دلائل کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہوگیا اور توبہ کر کے مشرف با اسلام ہوگیا جو عیسائی پادری تائب ہوا اُس کا نام احمد سعید رکھا گیا آج کل وہ کراچی میں ایک مبلغ اسلام کی حیثیت سے خدمات سرانجام دے رہا ہے علاوہ ازیں موضع کمیر میں دربار شریف حضرت پناہ سے ملحقہ مسجد میں ایک قابض دیوبندی خطیب نے مناظرے کا چیلنج کیا جب حضرت مفتی صاحب علماء اہل سنت کی معیت میں وہاں پہنچے تو مذکورہ مولوی صاحب میدان سے بھاگ گئے۔ آخر میں ۱۲ ان بزرگوں کے اسماء گرامی جن سے آپکو خلافت ملی ہے۔

شریعت و طریقت کی سندیں وخلافتیں

۱۔حضرت قبلہ سید احمد سعید کاظمی ملتانی رحمۃ اللہ علیہ سے علوم شریعت کی سند کے ساتھ سلسلہ عالیہ چشتیہ صابریہ وقادریہ ونقشبندیہ وسہروردیہ کی خلافت۔

۲۔استاذ العلماء، وشیخ طریقت حضرت غلام جہانیاں علیہ الرحمہ (ڈیروی) سے علوم شریعت کے ساتھ سلسلہ چشتیہ معینیہ، فریدیہ کی خلافت۔

۳۔مفتی اعظم ہند شاہ مصطفےٰ رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ سے علوم شریعت کی سند کے ساتھ سلسلہ عالیہ قادریہ نوریہ کی خلافت۔

۴۔شاہ ابوالحسن زید فاروقی دہلوی علیہ الرحمہ سے علوم شریعت کی سند کے ساتھ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مظہریہ مجددیہ کی خلافت۔

۵۔مفتی عرب وعجم قطب مدینہ منورہ ضیاء الامۃ حضرت مولانا ضیاء الدین مدنی علیہ الرحمہ سے علوم شریعت کے ساتھ سلسلہ عالیہ قادریہ کی وسلسلہ اشرفیہ کچھوچھہ شریف وسلسلہ نبہانیہ کی اور حضرت قطب مدینہ کو حضرت سیدنا علی حسین اشرفی کچھوچھہ شریف علیہ الرحمہ اور امام یوسف بن اسماعیل نبہانی علیہ الرحمہ سے براہ راست خلافت حاصل تھی۔

۶۔استاذ العلماء، فقیہ امت حضرت مفتی محمد اعجاز ولی خاں علیہ الرحمہ (لاہوری) سے علوم شریعت کے ساتھ سلسلہ عالیہ قادریہ وحنفیہ (شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ) کی خلافت۔

۷۔حضرت سیدنا طاہر علاؤ الدین بغدادی علیہ الرحمہ سے سلسلہ عالیہ قادریہ کی خلافت۔

۸۔ شیخ الاسلام حضرت امام محمد بن زکریا مدنی انصاری (مدینہ منورہ) سے علوم شریعت کے ساتھ چاروں سلسلوں کی خلافت۔

۹۔ شیخ الاسلام حضرت امام سید محمد بن سید علوی مالکی مکی (مکہ مکرمہ) سے چاروں سلسلوں کے علاوہ جملہ بلاد عرب وعجم کے مشائخ کبار کے جملہ سلاسل شریفہ کی اجازت وخلافت۔

۱۰۔ محدث اعظم پاکستان حضرت مولانا سردار احمد علیہ الرحمہ (فیصل آبادی) سے خلافت۔

۱۱۔ حضرت مفتی اعظم پاکستان سیدی ابو برکات سید احمد الوری رحمۃ اللہ علیہ لاہور سے خلافت۔

۱۲۔ سلطان الفقراء والصوفیہ حضرت غلام رسول ریاض آبادی (ملتانی) خلیفہ حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی علیہ الرحمہ سے خلافت۔ یہ تھیں آپ سے متعلق معلوماتی گزارشات جو کہ ضبط تحریر میں لائی گئی ہیں۔

اللہ رب العزت ایسے پاکان امت کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق ارزانی فرمائے آمین

دعا گو

مینیجنگ ڈائریکٹر

عمدۃ البیان پبلشرز (رجسٹرڈ) لاہور

اظہارِ خیال

استاذ الارشاد، رئیس الخطابۃ، حضرت
علامہ مولانا سید **عبدالقادر شاہ** صاحب
گیلانی ایم اے، ایل ایل بی و فاضل مصکمہ
یونیورسٹی، راولپنڈی۔

باسمہٖ تعالیٰ

ناچیز نے کتاب کے جستہ جستہ عنوانات اور زیر بحث مسائل کا مطالعہ کیا۔ قلتِ وقت کے پیش نظر بالاستیعاب دیکھنے کی سعادت تو حاصل نہ ہو سکی، تاہم جس جس مسئلہ پر غور کیا، اس میں حضرت مصنف کو تحقیق کا دریا تے موجزن پایا۔ حضرت مفتی صاحب قدیم و جدید علوم سے بہ تمام و کمال خبر رکھتے ہیں۔ آپ جہاں دینی علوم میں ایک استاذ الحدیث و استاذ الادب العربی اور ایک مفتیٔ اسلام کا مقام رکھتے ہیں، وہاں معاشی و اقتصادی علوم میں ایک بلند پایہ مفکر اور چوٹی کے محقق کا درجہ بھی رکھتے ہیں، زیر مطالعہ کتاب کی بے بہا تحقیقات اس حقیقت کی دلیل وافی ہیں۔ معاشیات جیسے خشک مضمون کو حضرت مصنف نے اپنے طرز نگارش اور حسنِ ادا سے بڑا انگبین و

حسین اور دلچسپ اور دلربا بنا دیا ہے۔ دورِ حاضر میں جس قدر کتب اسلامی معاشیات کے موضوع پر لکھی گئی ہیں، انہیں سے اس کتاب کا امتیاز اس کی حسین زبان، فقہی تحقیق اور شرعی مؤقف و شرعی اصولوں کے میزان پر دورِ حاضر کی معاشیات کو پرکھنا ہے۔

اللہ کریم حضرت مصنف کو توفیقِ رفیق فرمائے کہ وہ آئندہ بھی اسی طرح کی دینی خدمات اور اپنی بلند پایہ تحقیقات سے متلاشیانِ علم و آگہی کو فیض یاب فرماتے رہیں۔ آمین۔

فقط

عاجز سید عبدالقادر علاقُ ایم اے ایل
ایل بی فاضل مکہ یونیورسٹی خیب
(راولپنڈی چھاؤنی)

تقدیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عزیزانِ گرامی! کیا یہ حقیقت بھی محلِ شک ہو سکتی ہے کہ آپ کے دکھوں کا علاج کارل مارکس اور لینن کے نظریات نہیں، کتابِ الٰہی اور سنتِ سید المرسلین ہے آپ کے زخموں کا مرہم ماسکو، پیکنگ اور واشنگٹن میں نہیں۔ گنبدِ خضرا کے سایۂ رحمت میں ہے

آپ کی غربت و افلاس اور فاقہ کی دوا دشمنانِ اسلام کے ساختہ کیپٹل ازم، نیشنل ازم اور کمیونزم نہیں، خالقِ حقیقی کا دیا ہوا نظام "نظامِ مصطفٰے" صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

اور کیا یہ حقیقت مسلمہ نہیں کہ یہ نظام ہمہ گیر بھی ہے اور فطری بھی جو ہر دور میں ہر انسان کے لئے مکمل ضابطۂ حیات ہے۔

ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے اپنے دل کی کہیے کہ جب یہ حقیقت شک و شبہ سے بالا اور مسلّمہ ہے، تو مغرب کی تہذیب اور دشمنانِ اسلام کے بین الاقوامی وسیع پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر اسلامی تعلیمات سے ہمارے دور ہونے کا کوئی جواز باقی رہ جاتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

اگر ہم میں عقل و شعور کے نام کی کوئی چیز موجود ہے، تو ہمیں اس حقیقت کا اعتراف و یقین کرنا پڑے گا کہ جو ہم اقوامِ عالم میں اپنا مقام جہانبانی و جہانگیری کھو کر مسلسل آلام و مصائب سے دوچار ہوتے جا رہے ہیں' اس کا واحد سبب یہ ہے کہ ہم نظامِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے روگردانی کر کے یورپ کے باطل اور بیہودہ نظریۂ حیات کے تابع ہو چکے ہیں۔

یورپ کی غلامی پہ رضامند ہوا تو!!
مجھ کو تو گلہ تجھ سے ہے یورپ سے نہیں

نظامِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مطالعہ

آیئے! نظامِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالعہ کیجیے کہ آپ کو از خود محسوس ہوتا چلا جائے گا کہ نظامِ مصطفےٰ کا شفقت بھرا ہاتھ آپ کی مشکلات و مصائب کی نبض کی رفتار پر پوری طرح حاوی ہے۔

جب نظامِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا عادلانہ طرزِ عمل اور مساواتِ محمدی کا منصفانہ طور و طریقہ جاری و نافذ ہو گا' تو ہمارا چمنِ حیات جو مطلق العنان آمروں کی ذاتی اغراض اور ہوس پرستی سے پژمردہ ہو چکا ہے کھل اٹھے گا اور پُربہار ہو جائے گا۔

ظلم و ستم اور افلاس و فاقہ کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں بلبلا اٹھنے والو!

نظامِ مصطفےٰ کے دامنِ رحمت کو مضبوطی سے تھامو۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ پر عمل کرتے ہوئے اس کی پناہ میں آ جاؤ جہاں آپ روشنی ہی روشنی دیکھیں گے۔

انصاف کی روشنی' تحفظِ حقوقِ انسانی کی روشنی' امن و اخوت' باہمی انس و اُلفت اور محمود و ایاز کو ایک صف میں لا کر کھڑا کرنے والی مساواتِ حقیقی کی روشنی سے

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

برادرانِ محترم! حالاتِ حاضرہ کا مطالعہ تو کرو، آنکھیں کھول کر تو دیکھو روس میں انسانیت دم توڑ رہی ہے۔ محنت کشوں، کسانوں اور کاشت کاروں سے کولہو کے بیل کی طرح سلوک کیا جا رہا ہے۔ تنقید و احتجاج کی زبان پر مہرِ سکوت لگا دی گئی ہے، وہاں کے باسیوں کا حال تو معلوم کرو کہ ڈکٹیٹروں کی ڈکٹیٹرشپ نے انہیں دل کی بات کہنے کے فطری حق سے محروم کر دیا ہے۔ وہ انسان نما جانور بنا دیئے گئے ہیں۔

خدارا! آیئے اپنے خالقِ حقیقی کو پہچانیں۔ اس کے دیئے ہوئے ضابطۂ حیات یعنی نظامِ مصطفےٰ کو اپنا کر ظاہری و معنوی جہانگیری کا لطف اٹھائیں اور یقین جانیں کہ اس نظام کو اپنائے بغیر ہماری معاشی اور معاشرتی زندگی کبھی نہیں سدھر سکتی۔ البتہ اس کے برعکس بے دینوں کا پنجۂ استبداد اپنی ظالم گرفت میں لے کر ہمیں در در کا محتاج کر کے رکھ دے گا ؎

اپنے رازق کو نہ پہچانے تو محتاجِ ملوک
اور پہچانے تو ہیں تیرے گدا دارا و جم

کفر ملتِ واحدہ ایک حقیقتِ مسلمہ

آج بمطابق الکفر ملۃ واحدۃ غیر مسلم اقوام باہمی گٹھ جوڑ کر کے بڑے منظم طریقے سے اسلام کے خلاف سازشوں میں مصروف ہیں۔ یہ طاغوتی طاقتیں نظامِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو روکنے اور اسے مٹانے کے لئے ہر طرح کے حربے استعمال کر رہی ہیں اہلِ کفر کو نظامِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے زبردست خطرہ ہے، وہ آپس میں مشورے کرتے ہیں اور کہتے ہیں ؎

اَلحذر آئینِ پیغمبر سے سو بار الحذر — حافظِ ناموسِ زن، مرد آزما، مرد آفریں
چشمِ عالم سے رہے پوشیدہ یہ آئیں تو خوب — یہ غنیمت ہے کہ خود مومن ہے محرومِ یقیں
توڑ ڈالیں جس کی تکبیریں طلسمِ شش جہات — ہو نہ روشن اس خدا اندیش کی تاریک رات
تم اسے بیگانہ رکھو عالمِ کردار سے — تا بساطِ زندگی میں اس کے سب مہرے ہوں مات

مست رکھو ذکر و فکرِ صبحگاہی میں اسے
پختہ تر کردو مزاجِ خانقاہی میں اسے
(اقبالؒ)

گذشتہ دنوں سرزمین پاکستان میں غیر مسلم اقوام کے ایجنٹوں کا سوشلزم کا نعرہ لگانا اور نظامِ مصطفےٰ پر کھلی تنقید کرنا اسی سازش کی ایک کڑی تھی اور بلاشبہ روٹی کپڑے مکان کی پُرفریب اور مکارانہ صدا نظامِ مصطفےٰ کو روکنے کی ایک مکروہ کوشش تھی۔

آج روحِ سید الشہداء وادیٔ کربلا سے پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ یزید صفت سراپا ظلم و ستم اور دین دشمن اور لادین عناصر کا ساتھ دینے کی بجائے ان کا ساتھ دیجئے جو امام اعظم حضرت ابوحنیفہ، شاہ عبدالحق محدث دہلوی و حضرت مجدد الف ثانی اور امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے نظامِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے تحفظ کے لئے تن من دھن کی بازی لگا کر میدانِ عمل میں اترے ہوئے ہیں۔ ایسی کٹھن گھڑی میں خانقاہوں اور حجروں میں بیٹھ جانے کی بجائے اسلام اور وطن کی حفاظت کے لئے سراپا سعی عمل بن کر سُنّتِ شبیری کو زندہ کیجئے۔

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیری — کہ فقرِ خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری

اتحاد و امداد اسلام کے سنہری نظام کی ترویج و تنفیذ کے لئے کوششیں کی جا رہی ہیں اس سلسلے میں باہمی اتحاد و اخلاص کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کوششوں میں شریکِ عمل ہو جایئے۔

خدا تعالیٰ صدرِ پاکستان جناب جنرل محمد ضیاء الحق صاحب کو اسلام کے نظام کو مکمل اور بلا تاخیر نافذ کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

نہ از ساقی نہ از پیمانہ گفتم — حدیثِ عشق بے باکانہ گفتم
شنیدم آنچہ از پاکانِ امت — ترا با شوخیِ رندانہ گفتم

وقتِ فرصت کہاں کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

فقط
مفتی غلام سرور قادری، ایم اے اسلامک لاء، ایم اے عربی، ایم اے علومِ اسلامیہ، پرنسپل جامعہ غوثیہ مین مارکیٹ گلبرگ، لاہور

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

آغاز

کبھی اے نوجواں مُسلم تدبّر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا

غرض میں کیا کہوں تجھ سے وہ صحرانشین کیا تھے
جہانگیر و، جہاندار و جہان بان و جہان آرا

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریّا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

نظامِ مصطفےٰ اور مسئلہ اقتصاد و معاش

آج جبکہ اقوام عالم اقتصاد و معاش کے مسائل کا حل تلاش کرنے کے درپے ہیں بلکہ ان کے حل کے لئے تمام ممکنہ مساعی بروئے کار لائے ہوئے ہیں۔ لیکن ع "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی" کے مصداق اقتصاد و معاش کے مسائل کا بحران روز بروز بڑھتا جا رہا ہے۔

اس امر کی ضرورت ہے کہ پیغمبر آخر زمان حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے نظام کی روشنی میں اقتصادیات و معاشیات کے بحران کا حل تلاش کیا جائے ہمیں یقین ہے کہ زندگی کے باقی مسائل کی طرح اقتصاد و معاش کے مسائل کا حل بھی نظامِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہی موجود ہے۔ بشرطیکہ طلب صادق اور جذبہ عمل شامل حال ہو ۔

تجھ سے میری زندگی سوز و تب و درد و داغ
تو ہی میری آرزو' تو ہی میری جستجو

اقتصاد و معاش کا مفہوم

اقتصاد، قصد سے ماخوذ ہے اور قصد کے معنی ارادہ کرنے اور میانہ روی اپنانے کے ہیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے اَلْقَصْدُ فِی الْفَقْرِ وَالْغِنٰی یعنی تنگ دستی اور خوشحالی دونوں حالتوں میں میانہ روی اختیار کرنا پریشانیوں سے نجات دلاتا ہے

اقتصاد (ECONOMY) اور معاش و معیشت (LIVELIHOOD) اگرچہ دو مختلف لفظ ہیں اور ان کے معنی بھی لغوی طور پر الگ الگ ہیں تاہم علم الاقتصاد (ECONOMICS) کی رو سے دونوں "میانہ روی" اور اچھی گذر بسر کے ساتھ زندگی گذارنے کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ ہمیں چونکہ اس کی لفظی بحث کی بجائے اس کی عملی صورت پیش کرنا ہے اور ساتھ ہی اس کے نفاذ میں جو برکتیں مضمر ہیں ہمیں ان کی نشاندہی کرنا اس لئے اس کے مقصودِ بحث کا آغاز کرتے ہیں۔

مقصودِ بحث

یہ ہے کہ نظام مصطفٰے جسے دوسرے لفظوں میں اسلامی نظام بھی کہا جاتا ہے وہ بے مثال نظام ہے جو بلاشبہ خوشحالی اور خوش عیشی کی مکمل ضمانت (SURETY) دیتا ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ نظام مصطفٰے کے سوا کوئی نظام ایسا نہیں جس کے ماننے والے اپنی دولت ہاتھوں پر لئے پھرتے ہوں لیکن پوری ریاست میں کوئی لینے والا ہی نہ ملتا ہو

نظام مصطفٰے کی معاشی اساس

نظام مصطفٰے کی معاشی اساس یہ ہے کہ ہر فرد کو جملہ معاشی ضرورتیں میسّر ہوں اور کوئی فرد کسی بھی معاشی ضرورت سے محروم نہ رہے۔

اس لئے یہ نظام ایسے اسبابِ علل کا قلع قمع کرتا ہے جو معاشرہ کے افراد کے باہمی

ظلم واستبداد اور لوٹ کھسوٹ کا موجب بنیں یا جن کے ذریعے کوئی فرد یا جماعت دولت کے ذرائع و وسائل پر قابو پا کر اسے اپنے ہاتھوں میں سمیٹ سکنے کے قابل ہو جس کے نتیجے میں لوگوں کے اندر معاشی توازن قائم نہ رہ سکے۔

موجودہ معاشی ناہمواری اسلام کی نظر میں

انسانوں کے درمیان اس قدر معاشی ناہمواری جو آج موجود ہے اسلام کی نظر میں لائق برداشت نہیں، البتہ لوگوں میں اس حد تک معاشی فرق ایک فطری بات ہے کہ کسی طرح بھی اجتماعی زندگی انفرادیت کی تیغ سے گھائل نہ ہونے پائے اور عوام کی فلاح و بہبود کسی صورت میں بھی چند افراد یا ایک خاص طبقے کی اغراض کے تابع ہو کر نہ رہ جائے۔

رزق کی وسعت و تنگی بلاشبہ خدا تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے۔ مالی اور معاشی اعتبار سے اس قدر تفاوت کہ کوئی محروم معیشت نہ ہو، مگر کوئی اعلیٰ اور کوئی ادنیٰ ہو یہ از کرشمۂ قدرت ہے ؎

ہر ایک چیز سے پیدا خدا کی قدرت ہے
کوئی بڑا، کوئی چھوٹا یہ اس کی حکمت ہے

اس سلسلے میں ارشادات الٰہیہ ملاحظہ ہوں۔

اللہ یبسط الرزق لمن یشاء ویقدر ط — اور اللہ جس کے لیے چاہے روزی کشادہ اور تنگ کرتا ہے۔

واللہ فضل بعضکم علیٰ بعض فی الرزق (رعد) — اور اللہ نے تمہیں رزق میں ایک دوسرے پر فضیلت دی ہے۔

مندرجہ بالا ارشادات الٰہیہ سے اس بات پر پوری طرح روشنی پڑتی ہے کہ مالُ و دولت میں معمولی تفاوت ایک فطری اور قدرتی بات ہے اور یہ خدا تعالیٰ کی تکوینی مصلحتوں پر مبنی ہے۔

بے تحاشا معاشی خوشحالی

سب کیلئے بے تحاشا معاشی خوشحالی خدا تعالیٰ کی مصلحت تکوینیہ کیخلاف ہے۔

چنانچہ ارشاد ہے:

وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ ۭ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ۔ (شوریٰ)	اور اللہ اگر اپنے بندوں کے لئے رزق فراخ کر دیتا تو وہ روئے زمین پر سرکشی کرنے لگتے، لیکن وہ جتنا چاہتا ہے مناسب اندازہ سے اتارتا ہے، وہ اپنے بندوں سے باخبر اور انہیں دیکھتا ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مصلحتوں، صلاحیتوں اور استعدادوں کو جانتا ہے ان کے احوال و اعمال پر نظر رکھتا ہے اور ہر بندے کو اس کے ظرف و ضرورت اور مصلحت کی مناسبت سے رزق دیتا ہے اور اگر سب کو بے تحاشہ خوشحال کر دے تو وہ کفر و نافرمانی میں مبتلا ہو جائیں اور ان میں ایسا تصادم ہو کر کسی کے کسی سے دبنے کی کوئی اُمید باقی نہ رہے۔

یہ امتیاز رفعت و پستی اسی سے ہے! گل میں مہک شراب میں مستی اسی سے ہے

غرضیکہ بندوں کے درمیان ظلم و استیصال کے بغیر رزق و معاش کا معمولی تفاوت جمیں حکمت ازدی پر مبنی ہے اسے دنیا کی کوئی طاقت ختم نہیں کرسکتی ،میاں

تک کہ اشتراکی و کمیونسٹ بھی اسی فطری تفاوت کو مٹانے میں ناکام ہو چکے ہیں
لیکن ان کا نعرہ مساوات محض فریب اور حصول اقتدار کے لئے ہوتا ہے تاکہ
بے چارے بے شعور لوگ ان کے دام فریب میں آکر ہمیشہ کے لیے ان کی غلامی میں آ
جائیں اور یہ حقیقت ہر اس شخص پر روز روشن کی طرح واضح ہے جسے خدا تعالیٰ
نے ضیاء شعور بخشی ہے ؎

خداوند ہم کو ضیائے شعور دے
چشم خرد کو اپنی تجلی سے نور دے

موجودہ معاشی ناہمواری کا ذمہ دار کون

(۱) ملکی نظام حکومت جو سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کے ہاتھ رہا ہے جس کے نتیجے میں امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہوتا چلا گیا۔
(ب) عدم مساوات یعنی موجودہ معاشی ناہمواری کا ذمہ دار غیر اسلامی معاشرہ ہے یہ ناہمواری رسوائے زمانہ سرمایہ داری نظام کا شاخسانہ ہے جو اس وقت برطانیہ فرانس اور امریکہ وغیرہ میں رائج ہے۔ اس آمرانہ نظام کے کل پرزوں نے معاشی نظام اور باقی ساری آبادی کو معاشی بدحالی کے عمیق گڑھے میں پھینک دیا ہے۔ اس طرح سے اسی فیصد آبادی کا ہر فرد افلاس و غربت کے جال میں پھنسا ہوا ہے ؎

قیدی ہوں اور قفس کو چمن جانتا ہوں میں
غربت کے غمکدے کو وطن جانتا ہوں میں

ایک طرف تو بڑے زمیندار اور جاگیردار ہیں جن کے پاس اتنی اراضی ہے کہ ان سے سنبھالی نہیں جاتی۔ ان کے کتے دودھ پیتے اور مرغ و بیر تک کے گوشت سے پلتے ہیں اور

دوسری طرف ایسے مزارعین، کسان اور کاشت کار ہیں، ان کے بچوں کو دودھ اور گوشت تو کجا ٹھنڈا پانی اور تازہ روٹی بھی نصیب نہیں ہوتی اسی طرح ایک طرف تو بڑے بڑے کارخانہ دار، صنعت کار اور سیٹھ صاحبان ہیں جن کی ماہانہ آمدنی لاکھوں روپوں سے متجاوز ہے اور دوسری طرف وہ بدقسمت مزدور کم آمدنی والے لوگ ہیں جنہیں ضروریاتِ زندگی تک میسّر نہیں اور وہ معاشی الجھن کے بھنور میں ایسے پھنسے ہوتے ہیں کہ خوشحالی کی منزل کا کوئی نشان نہیں دیکھ پاتے

منزل کا اشتیاق ہے گم کردہ راہ ہوں
اے شمع ! میں اسیرِ فریب نگاہ ہوں

ایک طرف تو ایسے افسران حکام عالی مقام ہیں جو ماہانہ تنخواہوں، الاؤنسوں اور رہائش گاہوں کی صورت میں قومی خزانے سے ہزاروں روپے پا رہے ہیں اور دوسری طرف وہ ادنیٰ ملازمین ہیں جن کی ماہانہ تنخواہیں ان کی روزمرہ کی ضروریات تک کے لئے ناکافی ہیں۔!

مزید برآں سیاسی رشوتوں، رٹ پرمٹوں، امپورٹ لائسنسوں، اراضی کے عطیات یعنی جاگیر بخشیوں، صنعتی اجارہ داریوں اور مصنوعی تحفظات نے سرمایہ داروں کی سرمایہ داری اور دولت مندوں کی دولت میں مزید اضافہ کیا ہے اور دوسری طرف ناجائز گرانیوں اور رشوت ستانیوں نے ملک بھر کے عوام کی کمر ہمت توڑ کر ان کی آرزوؤں کا خون کر کے رکھ دیا ہے

آرزوؤں کے خون سے رنگیں ہے دل کی داستاں
انساں سراپا اضطراب انتشار و پُرفغاں

سرمایہ دارانہ نظام کے مخالف ـــــ ـوں کی حکومت نے بھی ملک و عوام کو جس طرح مصیبت سے دوچار کیا، اس سے ملک کے غریب عوام ایک اور خطرناک معاشی بحران میں

پھنس کر رہ گئے، بلکہ ان کی زندگی جانوروں کی سی ہو کر رہ گئی ؎

بھٹکنے والے مسافر عجب یہ بستی ہے

جو اوج ایک کا ہے، دوسرے کی پستی ہے

آخر عوام کو اس بات کا شدت سے احساس ہو گیا ہے کہ یہ معاشی ناہمواری یعنی یہ فرعون سامانی اور فاقہ کشی، خدا تعالیٰ کی مرضی و پسند پر ہرگز مبنی نہیں ہے، بلکہ یہ غیر اسلامی معاشرہ کا نتیجہ ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُم بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝ (روم)

خشکی اور تری میں فساد پھیل گیا۔ لوگوں کے اپنے کرتوت سے ان کو اپنے کرتوت کا مزا چکھنا چاہیئے تاکہ وہ حق کی طرف لوٹیں۔

غرضیکہ اسلام کے معاشی نظام میں زمیندار اور مزارع اور صنعت کار و مزدور کی طبقاتی جنگ کی کوئی گنجائش نہیں اور نہ ہی اسلام کے معاشی نظام میں اس غیر فطری اونچ نیچ کا کوئی تصور ہے کہ ایک طبقہ بے پناہ سرمایہ و دولت کا مالک ہو جائے اور دوسرا ملک کی آبادی کا اسی فیصد طبقہ، فقر و فاقہ کا شکار ہو کر ذلت و رسوائی کی زندگی گذارنے پر مجبور ہو بلکہ اسلام کا معاشی نظام لوگوں کو معاش کے سلسلے میں مساوی حقوق دے کر انہیں طبقاتیت کی کش مکش سے بالاتر کر کے ان میں اخوت و محبت کی فضا پیدا کرتا ہے نتیجۃً وہ صرف خوشحالی ہی نہیں، بلکہ نفسی نفسی اور ہوس پرستی سے بھی پاک ہو کر آپس میں بھائی بھائی ہو جاتے ہیں۔

ہوس نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوعِ انساں کو
اخوت کا بیاں ہو جا، محبت کی زباں ہو جا

اسلام کے معاشی نظام کی خوبیوں کا ایک اجمالی خاکہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی

فَوَاللّٰهِ لَيُوْشِكَنَّ الْمَالُ اَنْ يَّفِيْضَ فِيْهِمْ حَتّٰى لَا يُوْجَدُ مَنْ يَّاْخُذُهٗ (البدایہ والنہایہ ج ۵ ص۲۶۵)

کہ قسم بخدا ایک وقت آجائیگا کہ بہت مانگنے والوں میں مال اس قدر پانی کی طرح کثرت کے ساتھ بہیگا کہ اسے لینے والا کوئی نہیں ملے گا۔

کے مطابق خلافت راشدہ کے ادوار سراپا انوار میں عام خوش حالی کا یہ عالم تھا کہ مسلم و کافر مومن، مشرک، مرد و عورت چھوٹے اور بڑے کو امتیاز کیے بغیر امن و سکون کی ایسی زندگی میسر تھی کہ لوگ صدقات کے مال کو لیے لیے پھرتے، مگر اسے قبول کرنے والا کوئی نہیں ہوتا تھا

یمن میں ایک بھی مفلس نہ رہا

عمرو بن شعیب سے روایت ہے کہ حسب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا وہ چند میں رہے، حتیٰ کہ خلافت صدیقیہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تخت خلافت پر متمکن ہونے کے بعد واپس آئے، تو حضرت عمر نے بھی انہیں واپس سابقہ خدمات پر بھیج دیا، تو ایک مرتبہ حضرت معاذ نے حضرت عمر کے پاس امرکز کا یمن کی زکوٰۃ کا تیسرا حصہ بھیجا۔ حضرت عمر نے اعتراض کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے تمہیں مال جمع کرنے یا زکوٰۃ و جزیہ وصول کرنے کو نہیں بھیجا تھا، بلکہ اس لئے کہ وہاں کے امیروں سے لے کر امرکز کو بھیجنے کی بجائے، وہاں کے ہی ضرورت مندوں میں بانٹو۔

اس پر حضرت معاذ نے جواب دیا کہ میں نے آپ کے ہاں کوئی ایسی چیز نہیں بھیجی جسے وصول کرنے والا یہاں موجود ہو، پھر اگلے سال آدھی زکوٰۃ بھیجی، پھر حضرت عمر اور حضرت معاذ میں حسب سابق گفتگو ہوئی اور تیسرے سال کے بعد یمن کی ساری زکوٰۃ مدینہ آگئی۔ حضرت عمر نے وہی بات کہی، تو حضرت معاذ نے جواب دیا کہ یہاں یمن میں ایک ضرورت مند بھی نہیں ملتا جو مجھ سے صدقہ و زکوٰۃ لینے والا ہو۔ (کتاب الاموال صفحہ ۳۷ ج ۲)

یعنی سب خوش حال تھے کیونکہ اسلام کا معاشی نظام ایک ایسا فطری اور بہتر نظام ہے جس میں قدیم و جدید اور مذہبی و عقلی نظاموں کے تمام محاسن و خوبیاں بہ تمام و کمال موجود ہیں اور ہر طرح کے نقص و عیب سے بالکل خالی بلکہ ہر طرح کے معاشی مسموم اثرات کا بے نظیر علاج ہے کہ یہ نظام کسی انسان کے فکر و عمل کی اختراع نہیں جو اس میں باہمی انتقام یا طبقاتی منافرت جیسی کمزوریوں کا عنصر ملحوظ رکھا گیا ہو، بلکہ یہ نظام خالقِ کائنات کی حسین و جمیل تخلیق و ترتیب ہے جو ہمہ گیر اور ہر طرح کی موجودہ و متوقع ارتقائیت پر حاوی ہے اور ہوگا جس کے بارے میں دنیا کے اہل انصاف فیصلہ دے چکے ہیں کہ اگر معاشی مسائل کا کوئی صحیح حل ہے تو وہ صرف اور صرف اسلام ہے جسے دشمنانِ اسلام کی طرف سے رجعت پسندی کے طعنے کے ڈر سے مسلمانوں نے چھوڑا ہوا ہے ؎

جنہیں حقیر سمجھ کر بجھا دیا تو نے
وہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہوگی

اسلام کے معاشی اصول قرآن کی روشنی میں

قرآن کریم نے اپنی روش کے مطابق عبادات، معاملات، سیاسیات اور زندگی کے دوسرے شعبوں سے متعلقہ مسائل کی

طرح معاشی مسائل کو بھی اصولی اور کلیاتی انداز میں معجزانہ اختصار و جامعیت کے ساتھ بیان کرکے ان کی تفسیر و تشریح لتبیّنہ للنّاس اور الذی یستنبطونہ کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان اور فقہائے کرام کے اجتہاد و استنباط کے سپرد کردیا گیا۔

معاشی حقوق میں سب برابر ہیں

معاشیات سے متعلق قرآن کریم نے جن بنیادی اصولوں پر روشنی ڈالی ہے، وہ یہ ہیں:

۱۔ رزق و معاش حقیقت میں صرف اللہ تعالیٰ کے دستِ قدرت میں ہے، وہ ہر فرد کے رزق و معاش کا ذمہ دار ہے، البتہ درجاتِ رزق میں تفاوت ایک امر مسلّم ہے۔ قرآن کریم کے حسب ہدایت کوئی فرد بھی رزق و معاش سے محروم نہ ہو کیونکہ حقوقِ معاش میں سب کے سب برابر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کسی کو بھی کسی کے حقِ معاش میں دخل انداز ہونے کا حق نہیں دیا۔ اس سلسلہ میں چند آیاتِ الٰہیہ ملاحظہ فرمائیں:

(۱) وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ (ذاریات)	تمہارا رزق اور جس چیز کا تم سے وعدہ کیا گیا آسمان میں خدا کے ذمہ ہے۔
(۲) هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (بقرہ)	اللہ وہ ذات ہے جس نے تمہارے لیے وہ سب کچھ بنایا جو زمین میں ہے۔
(۳) وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِّنْ إِمْلَاقٍ نَّحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ (انعام)	افلاس اور تنگی کی وجہ سے اپنی اولاد کو نہ مار ڈالا کرو، ہم ہی تمہیں اور انہیں روزی دیتے ہیں۔

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا۔ (ھود)	زمین پر چلنے والے ہر جاندار کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔
وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهُ بِرَازِقِينَ (حجر)	اور تمہارے لئے اور ان کیلئے جنہیں تم روزی نہیں دیتے ہم نے زمین میں معیشت کے سامان بنا رکھے ہیں
(۶) وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَاءً لِّلسَّائِلِينَ۔ (حٰم سجدہ)	اور اللہ نے زمین میں اہل زمین کی روزیاں چار دن کے اندر مقرر فرمائیں سب حاجت مندوں کے لئے برابر۔

۶ کا ترجمہ اس احتمال کی بناء پر ہے کہ سواءً بمعنی مستویۃ ضمیر سے حال ہو اور للسائلین اس سے متعلق ہو یا سواءٌ بمعنی مستو مبتدائے محذوف کی خبر ہو، چنانچہ رُوح المعانی میں ہے:

وَقِيلَ مُتَعَلِّقٌ بِسَوَاءٍ عَلَى أَنَّهُ حَالٌ مِنَ الضَّمِيرِ وَالْمَعْنَى مُسْتَوِيَةً مُهَيَّاةً لِلْمُحْتَاجِينَ إِلَيْهِ وَنَفْعُهُمْ مُسْتَوٍ مُهَيَّا لِلْمُحْتَاجِينَ إِلَيْهِ مِنَ الْبَشَرِ۔ (ج ۲۴ ص ۹۲)	اور کہا گیا ہے کہ للسائلین کا تعلق سواء کے ساتھ ہے، بنا بریں کہ یہ ضمیر سے حال ہو اور معنی ہوگا کہ روزیاں حاجت مندوں کے لئے برابر تیار کی گئی ہیں اور ان کا نفع سب حاجت مند انسانوں کے لئے برابر مہیا (تیار) کیا گیا ہے۔

فائدہ واضح ہو کہ یہاں برابر سے مراد نفسِ حقوقِ معاش میں برابری ہے درجات میں نہیں تاکہ تفاضل فی الرزق والی آیات سے تعارض نہ ہو۔

غرضیکہ آیاتِ بالا سطورہ میں تمام لوگوں کے درمیان خواہ مسلمان ہوں یا کافر حق

معیشت میں مساوات کا جس قدر صاف اور صریح بیان ہے وہ کسی عقل مند اور اہلِ علم سے پوشیدہ نہیں ؎

اے کریمے کہ از خزانۂ غیب　　گبر و ترسا وظیفہ خور داری
دوستاں را کجا کنی محروم　　تو کہ با دشمناں نظر داری

عالمِ تشریع میں خدا

سب کو برابر حقوقِ معاش فراہم کرنا سربراہِ مملکت کی ذمہ داری ہے

تعالیٰ کے اس مقصدِ عظیم کی تکمیل کا ذمہ دار خلیفۂ وقت اور سربراہِ مملکت ہے، سربراہِ مملکت اور خلیفۂ وقت کی قلمرو میں ایک فرد بھی ایسا نہ ہو جو معیشت کے خداداد حقوق سے محروم ہو اور جو سربراہِ مملکت اس ذمہ داری کو پورا کرنے اور عامۃ الناس کو معاشی حقوق فراہم کرنے سے قاصر ہو، وہ نیابتِ الٰہیہ یعنی اقتدار کا اہل نہیں ہے: چنانچہ جناب سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے کہ اگر میری حدودِ سلطنت میں ایک اونٹ بھی بھوک سے مر گیا تو میں روزِ قیامت خدا کے حضور اپنے آپ کو اس کا جواب دہ سمجھتا ہوں۔

غرضیکہ بندہ و مولا حقوقِ معاش میں برابر کے مستحق ہیں، کسی کو کسی پر تفضّل و تفوق نہیں، یہی قرآنِ کریم کے معاشی اصول کا مقتضیٰ و مدّعیٰ ہے ؎

پیشِ قرآں بندہ و مولا یکے است
بوریا و مسند و دیبا یکے است

مشکوٰۃ شریف میں مسلم شریف کے حوالہ سے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرورت سے زائد مال کو حاجت مندوں میں تقسیم کرنے کا حکم فرمایا

کہ ہم سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے ہمراہ تھے۔ ایک شخص اونٹ پر سوار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، وُہ اپنے اونٹ کو دائیں بائیں کدا رہا تھا مگر اونٹ تھکاوٹ کی وجہ سے چل نہیں سکتا تھا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کے پاس ضرورت سے زیادہ سواری ہو وہ اُسے دیدے جس کے پاس زادِ سفر ضرورت سے زائد ہو وہ اسے دے دے جس کے پاس زادِ سفر نہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف ضروریات میں کام آنے والے اموال کا ذکر کیا، یہاں تک کہ ہم سمجھے کہ زائد از ضرورت (یعنی فاضل) اموال میں ہم میں سے کسی کا حق نہیں (مشکوٰۃ ج ۲ صہ ۳۳۸/۳۳۹)

ضرورت اور سہولت کے مختلف احکام

اسلام میں ضرورت کے احکام اور ہیں اور سہولت کے اور، احکام ضرورت میں تو کسی حد تک مساوات و برابری ہے، مگر احکام سہولت میں مواسات یعنی ہمدردی ہے، مثلاً کفر و اسلام میں جنگ چھڑ جاتی ہے، اسلام کو ایک ایک مجاہد کی ضرورت درپیش ہو اور ایک مجاہد کے پاس سامانِ جنگ ضرورت سے زیادہ ہو، لیکن دوسرے کے پاس کچھ نہ ہو اور اس دوسرے کا میدانِ جہاد میں شریک ہونا بھی ازحد ضروری ہو، تو اس صورت میں نادار کے لئے اوّل الذکر سے زائد از ضرورت سامان زبردستی لیا جائے گا، کیونکہ یہاں ضرورت ہے، لہٰذا یہاں کسی حد تک مساوات کا اہتمام ہے؛ چنانچہ امام شمس الائمہ سرخی المبسوط میں فرماتے ہیں:

لَوِ احْتَاجُوْ اِلٰی سِلَاحِ اَهْلِ الْعَدْلِ كَانَ لَهُمْ اَنْ يَاخُذُوْهُ لِلْحَاجَةِ وَالضَّرُوْرَةِ وَقَدْ اَخَذَ

اور ضرورت پڑ جائے تو وہ ان سے بہرصورت لے سکتے ہیں (وہ راضی ہو یا نہ ہو) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ صَفْوَانَ دُرُوْعًا فِیْ حَرْبِ ھَوَازِنَ وَکَانَ ذَالِکَ بِغَیْرِ رِضَاہُ۔

سے اس کی رضامندی کے بغیر زرہیں پکڑلی تھیں اور یہ جنگ بنی ہوازن میں ہوا۔

(ج ۱۰ ، ص ۱۳۶)

لیکن ضرورت پوری ہونے کے بعد وہ سامانِ جنگ مالک کو واپس کرنا ہوگا اور دوسری صورت میں کہ ایک آدمی بھوک وپیاس سے مر رہا ہے یا ننگا پھر رہا ہے، اس کے پاس جان بچانے اور تن ڈھانپنے کو کچھ نہیں اور بیت المال بھی خالی ہے، تو اغنیاء سے اس قدر مال زبردستی لیا جائے گا جس سے ان فاقہ کشوں کی جان بچ جائے اور تن ڈھپ جائے۔ اسلام کے معاشی نظام میں اس حد تک مساوات کا اہتمام کرنا ضروری ہے یعنی اس بات کی اجازت نہ ہوگی کہ غریب وفاقہ کش تو فاقہ وتنگی کے باعث جاں بلب ہو رہے ہوں اور غنی لوگ تماشائی بنے رہیں۔

دوسری صورت سہولت کی ہوتی ہے مثلاً ایک شخص پیدل سفر کرتا ہے اور دوسرے کے پاس سواریاں ہیں، ایسی صورت میں دوسرے کی سہولت کے لئے مساوات وہمدردی کی ترغیبات سے کام لیا جائے گا اکراہ سے نہیں۔

اور مذکورہ بالا حدیثِ ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ بھی صرف مواسات وہمدردی کی تعلیم پر مبنی ہے، چنانچہ امام المحدثین رئیس المحققین مولانا علی القاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وَفِیْہِ حَثٌّ عَلَی الصَّدَقَۃِ وَالْمُوَاسَاۃِ وَالْاِحْسَانِ اِلَی الرُّفْقَۃِ

اور اس احادیث میں رفقاء واہل اسلام احباب کے ساتھ ہمدردی اور احسان کرنے

وَالْاَصْحَابِ الخ

کی ترغیب ہے۔

غرضیکہ ہمدردی و احسان کی ترغیب پر مبنی بہت سی آیات و احادیث ہیں جنہیں اشتراکی لوگ نافہمی سے مواسات کی بجائے غیر فطری مساوات پر محمول کرتے ہیں۔

مساوات اور ہمدردی کے مواقع

مساوات اور ہمدردی کے مواقع الگ الگ ہیں۔ حقوقِ واجبہ و ضروریہ میں مساوات ضروری ہے مثلاً کسی کی دو بیویاں ہیں، تو اس پر فرض ہے کہ انہیں مساوات و برابری سے رکھے، لیکن باہمی ہمدردی و صلہ رحمی اور سلوک و احسان میں مساوات و برابری ضروری نہیں۔ مثلاً ایک شخص خیرات و صدقہ میں ایک درویش و فقیر کو دس روپے دیتا ہے اور دوسرے کو بیس روپے اس میں حرج نہیں، ایسا کرنے سے وہ گنہ گار نہ ہوگا۔ مگر حقوقِ واجبہ کی صورت میں برابری نہ کرنے سے گنہ گار ہوگا

یہ فرق ذہن نشین رکھنا چاہیئے، لیکن اشتراکی اس حقیقت سے اغماض کر کے خود بھی ٹھوکر کھاتے ہیں اور دوسرے ناواقف لوگوں کو بھی فریب دیتے ہیں ؎

از فریبِ عصرِ نو ہشیار باش\
رہ فتد راہرو ہشیار باش

اسلامی نظامِ معیشت میں کوئی بھوکا نہیں رہ سکتا

سوہاروی صاحب نے علامہ ابن حزم ظاہری کے حوالے سے لکھا ہے کہ تمام ائمہ مجتہدین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب اسلام کے بیت المال میں اس قدر گنجائش نہ ہو کہ محتاجوں کی کفالت ہو سکے، تو خلیفۂ وقت یعنی سربراہ مملکت اربابِ دولت کو اس بات پر مجبور کر سکتا ہے کہ وہ ان محتاجوں کے لیئے

اپنے فاضل مال سے اس قدر دے دیں جس سے انہیں ضرورت کے مطابق کھانا، گرمی و سردی کا الگ الگ لباس اور رہنے کے لیے بارش و دھوپ اور سیلاب ایسے حوادث سے محفوظ مکان فراہم کیا جا سکے۔

اُلٹ جائیں گی تدبیریں۔ بدل جائیں گی تقدیریں
حقیقت ہے، نہیں میرے تخیل کی یہ خلاقی

کیا فقر و فاقہ خدا کی تقدیر سے ہے؟

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ فقر و فاقہ اور افلاس خدا کی تقدیر امرضی سے ہے اگر وہ چاہتا تو ان کو بھی دولت عطا کرتا تو جنہیں خدا تعالیٰ نے اپنی تقدیر میں بھی محتاج و فقیر رکھا ہے۔ اسلام کا نظام معیشت انہیں کیونکر فارغ البال کر سکتا ہے۔ اور یہ تقدیر الٰہی پہ موقوف ہے ہم تقدیر الٰہی کو کیسے پھیر سکتے ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بعینہٖ وہی سوال ہے جو کفار نے کیا تھا۔ قرآن مجید میں ہے:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗٓ۔

یعنی جب کافروں سے کہا جاتا ہے کہ تم خدا کے دیے ہوئے سے خرچ کرو، تو کافر مسلمانوں سے کہتے ہیں کیا ہم انہیں کھانے کو دیں جنہیں اگر خدا چاہے تو بہت کچھ کھانے کو دے

یہ سوال اسلام کی ایک اہم بات کو فراموش کر دینے سے پیدا ہوتا ہے، اگر اسے یاد رکھیں تو کوئی الجھن نہ ہو اور تقدیر الٰہی کو بہانہ بنا کر معاشی بدحالی میں مبتلا افراد کی امداد و اعانت ایسے بہترین عمل صالح سے حرماں نصیبی بھی نہ ہو۔

خبر نہیں کیا ہے نام اس کا، خدا فریبی یا خود فریبی؟
عمل سے فارغ ہوا مسلماں بنا کے تقدیر کا بہانہ

عالمِ تکوین و عالمِ تشریع

اور یہ بات عالم تکوین و عالم تشریع میں فرق کرتا ہے فقر و افلاس خدا کی تقدیر و تکوین سے عزد ہے، مگر اس کی تشریعی ہدایات یہ ہیں کہ ہم افلاس و فقر کے مارے ہوئے لوگوں کی امداد و اعانت کریں جیسے ایک بیمار کی بیماری خدا تعالیٰ کی تکوین و تقدیر سے ہے۔ لیکن ہمیں اس کا تشریعی حکم ہے کہ ہم دوا کے ذریعے اس کی بیماری کو دور کرنے کی کوشش کریں جیسے ترکِ دوا اس بیمار کے ساتھ جذبۂ ہمدردی کے منافی، بلکہ اس بیمار کے ساتھ ظلم ہے ایسے ہی مفلسوں کے افلاس کو ختم نہ کرنا ان کے ساتھ زیادتی ہے جس کی اجازت اسلام کا نظامِ معیشت ہرگز نہیں دے سکتا کہ اسلام معیشتِ انسانی کے رموز سے صحیح واقفیت رکھتا ہے۔

جانتا ہوں آہ! میں آلامِ انسانی کا راز!!
ہے نوائے شکوہ سے خالی میری فطرت کا ساز

غرضیکہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے نظامِ تکوینی پر ایمان اور نظامِ تشریعی پر نظر رکھنی چاہیئے۔ ہم نظامِ تشریعی کے مکلف ہیں تکوینی کے نہیں، تو جس کے ہم مکلف ہی نہیں، اسے موضوعِ سوال بھی نہیں بنایا جا سکتا۔

فلسفہ تفاوتِ درجاتِ رزق

اسلام کے معاشی نظام سے متعلق قرآن کریم نے جن بنیادی اصولوں پر روشنی ڈالی ہے ان میں سے دوسرا یہ ہے کہ اگرچہ حقِ معیشت میں انسان برابر ہیں تاہم درجاتِ معاش و مراتبِ رزق میں فرق ایک فطری بات ہے اور یہ بھی اس حد تک کہ بالا طبقہ زیریں طبقہ کا استحصال نہ کرسکے جس سے امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہوتے چلے جائیں اور یہ تفاوت

معمول، فریقین کے حق میں ابتلاء و امتحان ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔

وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ (انعام)

کہ تمہیں خدا نے ایک دوسرے پر درجوں بلند کیا تاکہ جو کچھ اس نے دیا اس میں تمہیں آزمائے۔

اس آیت میں جس تفاوت درجات کا بیان ہے، اس سے رزق میں تفاوت درجات مراد ہے، چنانچہ تفسیر امام ابن جریر میں ہے۔

وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ يَقُوْلُ فِي الرِّزْقِ (ج ۸ صد ۸۲)

یعنی خدا نے تمہیں ایک دوسرے پر درجوں بلند کیا، یعنی رزق میں۔

علامہ مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ ترجمہ اعلیٰ حضرت بریلوی رضی اللہ عنہ پر اپنی تفسیر خزائن العرفان میں فرماتے ہیں۔

یعنی (خدا نے رزق میں مختلف درجے اس لئے رکھے کہ تمہیں) آزمائش میں ڈالے کہ تم نعمت و جاہ و جلال پاکر شکر گزار رہتے ہو اور باہم ایک دوسرے کے ساتھ کس قسم کے سلوک کرتے ہو (حمائل تاج کمپنی صد ۲۴۲)

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا۔ (زخرف)

اور ہم نے لوگوں کے درمیان دنیا کی زندگی میں ان کا معاش بانٹا اور ہم نے انہیں درجات رزق میں ایک دوسرے پر اونچا کیا تاکہ وہ ایک دوسرے سے خدمات لے سکیں۔

یعنی ہم نے مال و دولت میں لوگوں کو مختلف بنایا تاکہ وہ اس مال کے ذریعے ایک دوسرے سے خدمت لے سکیں، یعنی اگر ایک غریب و بے مال ہے یعنی مال کا محتاج ہے تو امیر خدمت کا

محتاج ہے اُسے خادم کی محتاجی ہے' اس طرح باہمی تعاون سے دُنیا کا نظام درست ہو کر غریب کو ذریعۂ معاش ہاتھ آتے اور مال دار کو کام کرنے والے بہم پہنچیں تو اس پر کون اعتراض کر سکتا ہے کہ فلاں کو کیوں غنی کیا اور فلاں کو اس کے برابر کا امیر کیوں نہ کیا۔ دنیا میں معاشی تقسیم یوں ہی اٹکل پچو سے نہیں' بلکہ ایک خاص نظام تکوینی سے چل رہی ہے' اسلام غریبوں اور محنت کشوں پر امیروں اور بالادست لوگوں کے جور و جبر اور استیصال کو روکتا ہے' لیکن معمول کی حد تک چھوٹے بڑے کا فرق تو ایک فطری امر ہے۔ اسلام کے نظامِ معیشت کا یہ اعجاز ہے کہ اس نے معاشی مسائل میں نہایت ہی روشن اور مستحکم اصولوں سے انسانیت کی ایسی رہبری کی ہے جس سے ہر وقت و ہر زمانے کی پرواز کا رُخ صحیح سمت کی طرف بدل جاتا ہے ؎

حیرتی ہوں میں تیری تصویر کے اعجاز کا!
رُخ بدل ڈالا ہے جس نے وقت کی پرواز کا

اپنا اپنا فرض

اس قدرتی اور فطری فرقِ مراتب کے پیشِ نظر اسلام نے امیر و غریب پر الگ الگ فرض عائد کیا ہے جن کی رو سے غنی اور امیر کا فرض ہے کہ دولت کو محض انفرادی اور شخصی مفادات کے حصول کا ذریعہ بنا کر نہ رکھے' بلکہ اسلام کی ہدایت کے مطابق حاجت مندوں پر زکوٰۃ و صدقات اور عطیات کی مد سے صرف کر کے معاشرہ کی ترقی کا باعث بنے اور غریب کا فرض ہے کہ وہ مال دار کے مال کو حسد کی نظر سے نہ دیکھے' بلکہ اس فقر و تنگ دستی کو برکاتِ اخروی کا ذریعہ تصور کرے' حقیقت یہ ہے کہ جب سے مسلمانوں میں فقر و تنگ دستی کے خلاف نفرت اور مالی فراوانی کا جذبہ پیدا ہوا ہے' اُن کے دلوں سے سکون و طمانیت کی روحانی دولت چھن گئی ہے ؎

یہ فقرِ مردِ مسلماں نے کھو دیا جب سے
رہی نہ دولتِ سلمانی و سلیمانی

قرآن کریم میں ہے :

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ (النساء)

اور اس کی آرزو نہ کرو جس سے اللہ نے تم میں ایک دوسرے پر فضیلت دی ہے

بہر صورت شکار ان فقر و افلاس و اہل عزت کو اپنی ایمانی دولت کی بقاء اور اخروی کامرانی کی آرزو ہونی چاہیئے اور ذل و نگاہ میں غیروں کے مال و متاع کا کوئی طمع و لالچ نہ ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ کہ مجھے اپنے اختیاری فقر و فاقہ پر ناز ہے کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے اسلاف کی طرح اپنے فقر اضطراری پر غیور و مقتنع ہونا چاہیئے ؎

سماں الفقر فخری کا رہا شان امارت میں
گدائی میں بھی وہ اللہ والے تھے غیور اتنے

باٰبِ رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبا را
کہ منعم کو گدا کے ڈر سے بخشش کا نہ تھا یارا

فقیرم ساز و ساماں نم نگاہ ہیست!!
بچشم کوہ یاراں برگ کاہ ہیست

تنگدستی اور اسلام

جیسا کہ پہلے گذرا ہے اسلام تنگدستی کو اچھا تصور نہیں کرتا۔ حدیث شریف میں ہے کَادَ الْفَقْرُ اَنْ يَّكُوْنَ كُفْرًا (رواہ ابو نعیم فی الحلیۃ عن انس بسند ضعیف) کہ ضروریاتِ زندگی میں تنگدستی قریب ہے کہ کفر پر منتج ہو جائیگا۔ تاہم اس پر صبر و شکر کرتے ہوئے خدا تعالیٰ کی تکوین و تقدیر پر راضی رہنا اور مالداروں کا مال پر نگاہ حسد ڈالنے کی بجائے بمطابق

ارشادِ باری تعالیٰ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی کہ ہر انسان اپنی کوشش کا ہی پھل پاتا ہے
اپنے لیے خود معاشی وسائل کا انتظام کرنا گناہوں کا کفارہ اور بلندیٔ درجات کا باعث ہے
جیسے بیماری اسلام کے نزدیک اچھی نہیں، تاہم بیمار کا واویلا کرنے کی بجائے صبر و شکر
کے ساتھ شفاء کے حصول کے لئے دوا استعمال کرنا ضروری ہے اور بیماری میں صبر و شکر
کرتے ہوئے حصولِ شفا کے لئے عالمِ اسباب کے تحت کوشش کرنے والا خدا کا محبوب قرار پاتا
ہے، اس کے گناہ جھڑتے اور درجے بلند ہوتے ہیں۔ اس طرح فقر و افلاس پر صبر و شکر کرنے
والے کی جزا بھی جنت ہے۔ حدیث میں ہے کہ فقر و افلاس والے اکثر جنت میں اور
غنی و مالدار اکثر دوزخ میں دیکھے گئے۔ فقر و افلاس والوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ
اپنے سے اوپر والوں کو نہیں، نیچے والوں کو دیکھیں جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث ہے:

اُنْظُرُوْا اِلٰی مَنْ ھُوَ اَسْفَلُ مِنْکُمْ وَلَا تَنْظُرُوْا اِلٰی مَنْ ھُوَ فَوْقَکُمْ (مسلم)

کہ تم اس کی طرف دیکھو جو معاشی حالت میں تم سے کمتر ہو، اس کی طرف نہ دیکھو جو تم سے اوپر ہو۔

یعنی آنکھ کو نگاہِ حسد اور زبان کو حرفِ بے صبری سے پاک رکھنا ایمان و اسلام کا تقاضا ہے ؎

پاک رکھ اپنی زبان تلمیذِ رحمانی ہے تو
ہو نہ جائے دیکھنا تیری صدا بے آبرو

اور حدیث میں ہے کہ میری امت کے تنگدست صبر و شکر کرنے والے لوگ اہلِ دولت سے
پانچ صد سال پہلے جنت میں جائیں گے اور یہ پانچ صد سال دنیا کے ہیں جو آخرت کے نصف
یوم کے برابر ہوں گے۔ گویا غریب لوگ امیروں کی نسبت خدا کے دیدار سے پہلے ہی مشرف

ہوں گے ؎

آنکھ کو بیدار کر دے وعدۂ دیدار سے!
زندہ کر دے دل کو سوزِ جوہرِ گفتار سے!

زیادہ سے زیادہ دولت جمع کرنے کی ممانعت

اسلام کے اصولِ معاشیات میں سے تیسری اصل یہ ہے کہ اسلام کسی ایسے طریق کو برداشت نہیں کرتا جس سے ملک کی دولت چند ہاتھوں میں مرتکز و مجتمع ہو کر رہ جائے اور اسی وجہ سے اسلام نے احتکار و اکتناز کو جائز قرار نہیں دیا۔ چنانچہ سورۂ توبہ میں تنبیہ کی گئی ہے کہ جو لوگ سونے اور چاندی کو جمع کر کے رکھتے ہیں اور اسے راہِ خدا میں صرف نہیں کرتے، اے نبی انہیں دردناک عذاب کی اطلاع کر دیجیے اور سورۂ حشر میں فرمایا کہ فقرا اور مساکین و قرابت داروں اور یتیموں وغیرہم پر اللہ تعالیٰ نے تمہیں خرچ کرنے کا جو یہ طریقہ بتایا ہے، وہ اس لیے ہے کہ مال صرف دولت مندوں میں محدود ہو کر نہ رہ جائے۔

اسی طرح بہت سی آیات ہیں جنہیں مفلسوں اور حاجت مندوں پر فی سبیل اللہ مال خرچ کرنے کی ترغیبات دی گئی ہیں تاکہ مال کے وہ حقوق ادا ہوں جو اجتماعی مفادات کے لئے اس سے متعلق کیے گئے ہیں۔

ضرورت سے زائد مال کا رکھنا

اگرچہ علمائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس مال سے زکوٰۃ وغیرہ ایسے حقوق ادا نہ کیے جائیں، وہ اکتناز کی تعریف میں آتا ہے، ورنہ نہیں اور یہ کہ مال و سرمایہ سے زکوٰۃ وغیرہ ایسے فریضے کی ادائیگی کے بعد اپنی اور اپنے اہل و عیال کی ضرورت سے

زائد مال رکھنا جائز ہے۔ چنانچہ امام بدر الدین فرماتے ہیں۔ جمعُ المال غیرُ محرّمٍ ولکن الاستکثار منہ والخروج عن حدِّ الاقتصاد فیہ ضارٌ (عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ج ۹ ص۲) یعنی مال کا اس کا حق ادا کر کے جمع کرنا حرام نہیں تاہم حدِ اقتصاد (درمیانہ درجہ کی دولت) سے زیادہ جمع کرنا نقصان دہ ہے۔ حدِ اقتصاد کا یہی مطلب یہ ہے کہ معمولی حد تک جمع کرنا جائز ہے اور غیر معمولی حد تک جس سے دولت چند ہاتھوں میں سمٹ کر رہ جائے جمع کرنا معاشرہ کے لئے نقصان دہ ہے۔ لیکن افضل و لائق تحسین یہ ہے کہ اپنی ضرورت سے زائد مال کو ذخیرہ کرنے کی بجائے اسے ضرورت مندوں میں بانٹ دیا جائے، بلکہ ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ ایسے زاہد ترین حضرات تو اسے ناجائز قرار دیتے ہیں، چنانچہ آیت " وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ الخ " کی تفسیر میں مفسرین کرام تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ ضرورت سے زائد مال گھر یا بنکوں میں جمع کر کے رکھ دینے کو ناجائز قرار دیتے ہوئے اسے ضرورت مندوں میں تقسیم کر دینے کو فرض سمجھتے تھے ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر وغیرہ زیر آیت وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ (الآیۃ)

احتکار کی ممانعت کا فلسفہ

احتکار کی ممانعت کا فلسفہ بھی یہی ہے کہ کہیں ارتکازِ دولت نہ ہو، بلکہ اس میں تحریک گردش رہنے تاکہ اس سے معاشرے کے دوسرے لوگ بھی استفادہ کریں

احتکار کی تعریف

اور احتکار یہ ہے کہ کسی چیز کی کمیابی و مہنگائی کے زمانہ میں اسے خرید کر جمع کر کے رکھ دیا جائے تاکہ وہ مزید نایاب و مہنگی ہو، تو اس وقت اسے منہ مانگے داموں بیچا جائے، ایسا کرنا ممنوع و ناجائز ہے جیسے

اسلام کے معاشی نظام میں ممنوع ٹھہرایا گیا ہے اور اس میں ضرورت کی ہر چیز شامل ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

مَنِ احْتَكَرَ طَعَامًا اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً فَقَدْ بَرِئَ مِنَ اللّٰهِ وَ بَرِئَ مِنْهُ
(جوہرہ نیرہ شرح قدوری ج ۲ صہ ۳۲۲)

کہ جس نے کھانے پینے کی ضرورت کی چیز کو مزید مہنگائی اور کمیابی کی نیت سے چالیس رات تک روک رکھا، وہ اللہ سے اور اللہ اس سے بری ہے۔

اسلام میں جانوروں کے چارہ تک کا احتکار بھی ممنوع ہے

اسلام کے اقتصادی نظام کی شفقت عامہ اور رحمت تامہ کا یہ عالم ہے کہ اس جانوروں کے چارہ تک کی ذخیرہ اندوزی سے منع کیا گیا ہے اور اس بات کو گوارا نہیں کیا گیا کہ جانوروں کے حقوق کا ضیاع و استیصال ہو۔ چنانچہ دُرِ مختار میں ہے:

وَ يُكْرَهُ اِحْتِكَارُ قُوْتِ الْبَهَائِمِ
صہ ۴۰۳

یعنی جانوروں کی خوراک کا احتکار ممنوع ہے۔

اس سے اندازہ لگائیں کہ جو نظام جانوروں کا استیصال برداشت نہ کرتا ہو، وہ انسانوں کا استیصال کیسے گوارا کر سکتا ہے۔ بہر صورت اسلام کے اقتصادی نظام نے انسانوں اور جانوروں کی ضرورت کی ہر چیز میں احتکار سے منع فرمایا ہے اور اس کے مرتکب کو گنہگار قرار دیا ہے۔ نیز حدیث شریف میں ہے کہ احتکار و ذخیرہ اندوزی کرنے والا گنہگار ہے۔ البتہ سال بھر کا گھر یلو خرچ گھر والوں کو سپرد کر دینا یعنی ایک سال تک ضروریات جمع کر کے رکھنا اس سے مستثنیٰ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ وسلم

ازواجِ مطہرات کو سال بھر کا خرچہ جمع کر کے دیتے تھے (بخاری کتاب التفسیر ج ۲ صہ ۲۷۵)

لہٰذا گھریلو ضرورت کے لئے جمع کر کے رکھنا منع نہیں ہے اور نہ ہی ضرورت کی اشیاء کو اپنی گھریلو ضرورت کے لئے جمع کر کے رکھنا خلاف توکّل ہے۔ البتہ کسی تاجر کا مہنگائی کے زمانہ میں مزید مہنگائی کی نیت سے مال ذخیرہ کر کے رکھنا منع ہے جیسا کہ بعض تاجر کرتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ جس نے اس بات کا ارادہ کیا کہ میری امّت پر ایک رات کے لئے مہنگائی آجائے اللہ تعالیٰ اس کی چالیس سال کی نیکیاں ضائع کر دیگا۔ امداد الامام

(ابن عساکر فی تاریخہ)

احتکار کے جواز کی ایک صورت

ہاں اگر ایک چیز عام دستیاب ہو رہی ہے اور اس کے ذخیرہ کرنے سے لوگوں کو کوئی نقصان نہیں ہوگا، تو اس کا ذخیرہ کر سکتے ہیں، چنانچہ درِّ مختار میں ہے۔

فَاِنْ لَمْ یَضُرَّ لَمْ یُکْرَہْ

(صہ ۲۰۳ مطبع احمدی دہلی)

یعنی اگر ذخیرہ کرنے سے لوگوں کو تکلیف و پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے، تو ناجائز نہیں ہے

یہ صورت کے اعتبار سے احتکار ہے، مگر درحقیقت نہیں ہے اور اس صورت میں بھی اس بات کا خیال رکھنا ہوگا کہ جوں ہی وہ چیز کمیاب ہونے لگے، اسے فوراً مارکیٹ میں لایا جائے، ورنہ گناہ ہوگا۔

بوقتِ ضرورت ذخیرہ اندوز تاجروں کے ذخیروں کو زبردستی فروخت و تقسیم کیا جائے

جب عام لوگ غلہ کی ضرورت محسوس کر رہے ہوں اور تاجروں نے اسے ذخیرہ کر رکھا ہو یا بلیک میلنگ کر رہے ہوں، تو حاکمِ وقت انہیں حکم دے کر وہ اپنے گھر والوں کی ضرورت کے

سے زائد کو باقی کو فروخت کر دیں، اگر وہ قاضی وحاکم وقت کے حکم کی پرواہ نہ کریں، تو قانون اسلام یہ ہے۔

حَتَّى وَلَوْ امْتَنَعُوا مِنْ بَيْعِهِ بَاعَ الْقَاضِي عَلَيْهِ طَعَامَهُ وِفَاقًا عَلَى الصَّحِيحِ وَفِي السِّرَاجِ لَوْ خَافَ الْإِمَامُ عَلَى أَهْلِ بَلَدٍ الْهَلَاكَ أَخَذَ الطَّعَامَ مِنَ الْمُحْتَكِرِينَ وَفَرَّقَ عَلَيْهِمْ فَإِذَا وَجَدُوا سَعَةً رَدُّوا مِثْلَهُ وَهَذَا لَيْسَ بِحَجْرٍ بَلْ لِلضَّرُورَةِ وَمَنِ اضْطُرَّ إِلَى مَالِ غَيْرِهِ وَخَافَ الْهَلَاكَ تَنَاوَلَهُ بِلَا رِضَاهُ۔

حاکم ان ذخیرہ اندوزوں کو مناسب سزا اور ان کی ضرورت سے زائد کو فروخت کر دے کیونکہ عوام کو نقصان سے بچانے کا یہی واحد طریقہ رہ جاتا ہے اور جن عوام کے پاس قوت خرید نہیں انہیں ویسے ہی دیدے پھر جب ان کے پاس غلہ آئے تو وہ جتنا جتنا لیا ہے، واپس کر دیں اور یہ حجر نہیں بلکہ ضرورت و مجبوری کی بنا ہے، یہ ایسے ہے جیسے ایک شخص جاں بلب ہو رہا ہو اور اس کے پاس اپنا کچھ نہ ہو تو وہ غیر کا مال اس کی مرضی کے بغیر اس قدر کھالے جس سے اس کی جان بچ جائے

رد المختار ص ۳۰۲ والفتاوی ج ۳ ص ۲۳۶ والہدایہ ج ۴ ص ۳۶۹-۳۷۰ طبع انڈیا

قارئین! غور فرمائیں کہ اسلام کا معاشی نظام، معاشی بدحالی میں مبتلا عوام سے کس درجہ ہمدردی رکھتا اور انہیں ہر طرح کے استیصال سے کس خوبی سے بچاتا ہے، الغرض اسلام کے معاشی نظام نے سرمایہ و دولت کے حصول کے لیے کسی ایسے طریقے کو اپنانے کی اجازت نہیں دی جس میں ایک فرد کے نفع کا دارومدار دوسرے کے نقصان یا مجبوری پر ہو یا وہ دوسرے کی معاشی بدحالی کا باعث بنے جس سے عوام مفلس سے مفلس تر اور امیر، امیر تر ہوتا چلا جائے اس لیے سود و غصب، چوری، ڈاکہ، رشوت، سٹہ، جوا، ناپ تول میں کمی اور لاٹری لیے حصول

سرمایہ کے تمام ذرائع ناجائز قرار پائے' اس طرح کے طریقے اپنا کر دولت کمانے والے ممکن ہے نفس وشیطان کے اغوا سے سب کچھ جائز سمجھتے ہوں مگر ایک کلمہ گو کا ایسا کرنا یا سب کچھ جائز ہے کہہ کر سب کچھ کر گزرنا زیب نہیں دیتا' یہ اسلام وایمان کے تقاضوں کے سراسر منافی ہے

ممکن ہے کہ تو جس کو سمجھتا ہے بہاراں
اوروں کی نگاہوں میں وہ موسم ہو خزاں کا

انفرادی معیشت

اسلام انفرادی معیشت پر بہت زور دیتا ہے اور ہر تندرست وتوانا، صحیح العقل لائق محنت مرد کو اس بات کی ذمہ داری سونپتا ہے کہ وہ اپنے ہاتھ پاؤں کی قوتوں اور دیگر جسمانی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر نہ صرف اپنے معاش ورزق کی جستجو کرے' بلکہ اپنے آپ کو معاشرے کے ضعیف' ناتواں اور معذور لوگوں کی معاونت کا بھی اہل بنائے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

اَلْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلٰى (صحیح بخاری ج ۱ صہ ۱۹۲) یعنی اوپر والا (دینے والا) ہاتھ نیچے والے (لینے والے) سے بہتر ہے۔

اور بہتر اس لئے ہے کہ انفرادی معیشت کے استحکام پر ہی اجتماعی معیشت کا استحکام موقوف ہے۔

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارا

اور دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے اس وقت بہتر ہے' جب کہ وہ اپنی ذات کے لئے لیتا ہو اور اگر وہ دین کے لئے یا دوسرے مستحق کے لئے لیتا ہو' تو اس کے برعکس بھی ہو سکتا ہے۔

جیسا کہ علمار کرام مالداروں سے دین کے لیے لے کر خرچ کرتے ہیں۔ بہر حال انفرادی معیشت کو اہمیت حاصل ہے۔ سورۃ جمعہ میں ہے۔

وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ ، کہ زمین میں پھیل جاؤ اور رزق کی تلاش کرو۔

اور حدیث شریف میں ہے۔

۱۔ طَلَبُ الْحَلَالِ فَرِيْضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيْضَةِ (طبرانی) یعنی رزق حلال کی تلاش کرنا فریضہ کے بعد فریضہ ہے۔

۲۔ طَلَبُ الْحَلَالِ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ (دیلمی) کہ ہر مسلمان پر طلب رزق حلال واجب ہے۔

۳۔ طَلَبُ الْحَلَالِ جِهَادٌ (القضاعی و ابو نعیم) طلب حلال جہاد ہے۔

اَوْرَدَ الثَّلَاثَةَ فِی الجامع الصغیر (ج ۲ صـ۵۳) ان کی شرح میں امام علامہ علی عزیزی (م ۱۰۷۰ھ) علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

طَلَبُ الْكَسْبِ الْحَلَالِ لِمُؤْنَةِ النَّفْسِ وَالْعِيَالِ فَرِيْضَةٌ بعد الایمان والصلوٰۃ او بعد جمیع ما فرض اللّٰہ فطلب ما یحتاجہ لنفسہ وعیالہ واجب وما زاد علی الکفایۃ ثوابہ کثواب الجہاد (السراج المنیر ج ۲ صـ۳۱) یعنی اپنے اور کنبے کے لیے حلال کمائی کی تلاش کرنا، ایمان اور نماز یا جمیع فرائض الٰہیہ کے بعد ایک فریضہ ہے: لہذا اپنی اور اپنے کنبے کی ضرورت کی حد تک تلاش رزق فرض عین اور اس سے زائد فرض کفایہ اور اس کا ثواب جہاد کے برابر ہے

اسی فتاویٰ میں ہے جو لوگ مساجد و خانقاہوں میں پیر و فقیر بن کر بیٹھ جاتے ہیں اور گزر اوقات کے لئے کچھ نہیں کرتے اور اپنے آپ کو متوکل بتاتے ہیں (ان سے رزق حلال کمانے والے بدرجہا بہتر ہیں) یہ کیسے متوکل ہیں حالانکہ ان کی نگاہیں منتظر رہتی ہیں کہ کوئی ہمیں دے جائے، وہ متوکل نہیں۔ اس سے اچھا یہ تھا کہ کچھ کماتے جس سے گزر اوقات کرتے (فتاویٰ عالمگیری، ج ۶، صہ ۳۴۹)

تیرے دین و ادب سے آ رہی ہے بوئے رہبانی
یہی ہے مرنے والی امتوں کا عالم پیری

حدیث میں ہے لا رھبانیۃ فی الاسلام کہ اسلام میں (اس طرح کی) گوشہ نشینی کی کوئی گنجائش نہیں۔

پیری مریدی کو پیشہ بنانا جائز نہیں

اسی طرح آج کل بہت سے لوگوں نے پیری مریدی کو پیشہ بنا لیا ہے۔ مریدوں میں دورے کرتے اور ان سے رقمیں بٹورتے ہیں جسے نذرانے وغیرہ کا نام دیتے ہیں اور ان ہی سے بہت سے ایسے ہیں جو جھوٹ اور فریب سے بھی کام لیتے ہیں، یہ ناجائز ہے (بہار شریعت ج ۱۶، صہ ۲۱۸) بہ استثناء "مخلصین لہ الدین" "وھم اقل قلیل وقلیل من عبادی الشکور"

مسئلہ بھیک

حدیث شریف میں ہے کچھ انصار کے لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ مانگا آپ نے عطا کیا انہوں نے پھر مانگا آپ نے عطا کیا حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو تھا سب ختم ہو گیا پھر آپ نے فرمایا کہ میرے پاس جو مال ہوتا ہے میں اسے تم لوگوں سے چھپا کر نہیں رکھتا اور جو شخص

سوال کرنے سے گریز کرے اسے اللہ سوال کرنے سے بچائے گا اور جو سوال کرنے سے بے نیاز رہے گا خدا تعالےٰ اسے بے نیاز کر دیگا اور جو سوال کرنے سے اپنے آپ کو روکے گا اور صبر کریگا خدا اسے صبر دے گا۔ صبر سے بڑھ کر وسیع اور بہتر کوئی چیز نہیں ہے جو کسی کو خدا سے عطا کی جائے (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۹۹)

اس حدیث سے کئی ایک مسائل معلوم ہوتے ایک یہ کہ ایک ہی سائل کو بار بار دینا جائز ہے دوسرا یہ کہ جب دینے کو کچھ نہ ہو تو اچھے الفاظ میں معذرت کی جائے تیرا سوال سے گریز کی تلقین چوتھا تنگدستی کے عالم میں صبر کرنے کی ترغیب پانچواں ضرورت کے وقت مانگنے کا جواز مگر اس سے پرہیز بہتر۔ چھٹا یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ کا ظہور کہ سائل پر بار بار کرم فرماتے تھے اور سائل کہتا تھا۔

واہ کیا جود و کرم ہے شہِ بطحا تیرا
نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

دوسری حدیث میں ہے حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے تم میں سے کسی شخص کی رسی لے کر اپنی پیٹھ پر لکڑیوں کا گٹھا اٹھا لانا اس سے بہتر ہے کہ وہ کسی کے پاس جا کر بھیک مانگے آگے وہ اسے دے یا نہ دے

ایک اور حدیث میں حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

تم میں سے کسی ایک کا رسی لیکر اپنی پیٹھ پر لکڑیوں کا گٹھا لا کر اسے بیچنا پھر اس کے ذریعے اللہ کا اس کی آبرو بچا لینا اس سے بہتر ہے کہ وہ

لوگوں سے مانگتا پھرے وُہ اسے دیں یا نہ دیں (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۹۹)

امام بدرالدین عینی علیہ الرحمتہ لکھتے ہیں کہ سوال کرنے یا مانگنے کی چار صورتیں ' جن میں سے ایک حرام ' دوسری مکروہ ' تیسری جائز ہے اور چوتھی واجب ' حرام اس وقت ہے جب کوئی شخص غنی ہونے کے باوجود سوال کرے یا تنگدستی کی صورت میں ضرورت سے زیادہ مانگے اور مکروہ اس وقت ہے جب مانگنے والے کے پاس اس قدر مال ہو کہ اس کے ہوتے ہوئے اس کا کام چل سکتا ہو اور وُہ اپنی تنگ دستی کا بھی اظہار نہ کرے اور جائز اس صورت میں ہے جب سائل دستور کے مطابق کسی قریبی تعلقدار یا دوست سے سوال کرے اور واجب اس صورت میں ہے جب اپنی زندگی کی بقاء کا مسئلہ درپیش ہو اس صورت میں اپنی جان بچانے کے لئے سوال کرنا واجب ہے اور اگر کسی طمع یا سوال کے بغیر کہیں سے کچھ ملے تو بے نیاز ہونے کے باوجود اس کا لے لینا جائز ہے (عمدۃ القاری ج ۹ ص ۵)

وضاحت جب جان بچانے کے لئے سوال کرنا واجب ہے تو اسلام و مسلک حق کے احیاء اور بقاء اور حفاظت کیلئے اہل ثروت و مخیر حضرات سے سوال کرنا کہیں زیادہ ضروری ہوجاتا ہے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم دینی ضرورت کے لئے صحابہ کرام سے چندہ جمع فرماتے تھے اس سلسلے میں سیدنا ابوبکر کا واقعہ و عثمان غنی کا ایثار محتاج بیان نہیں۔

بھیک کی ممانعت اسلام کے معاشی نظام نے چونکہ ہر تندرست و عقلمند کو رزق حلال کمانے کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے اس لیے انہیں بھیک مانگنے سے بھی منع کیا الا بوقت حاجت شدیدہ بہ مجبوری و معذوری اور بلا ضرورت شدیدہ اپنے لئے سوال کرنا منع ہے فتاویٰ عالمگیری میں فرماتے ہیں :

وَمَنْ كَانَ لَهٗ قُوْتُ يَوْمِهٖ   اور جس کے پاس ایک دن کا خرچ ہو

لَا یَحِلُّ لَہُ السُّؤَالُ وَمَا جَمَعَ السَّائِلُ مِنَ الْمَالِ فَہُوَ خَبِیْثٌ" (عالمگیری ج ۵ - ص ۳۴۹)

اسے بھیک مانگنا حرام ہے اور اس کے باوجود جو مانگ کر جمع کرتے ہیں تو وہ حرام ہے

حکومت بھیک مانگنے پر پابندی عائد کر رہی ہے جس سے بھیک کے پیشہ رکھنے والوں کی حوصلہ شکنی مقصود ہے۔ بلاشبہ ہمارے ہاں بھکاریوں نے بھیک کو ایک پیشہ بنا لیا ہے اور یہ قابلِ مذمت فعل ہے۔ اس کی حوصلہ شکنی ہونی چاہیے اس کے لئے ضروری ہے کہ معذوروں کی کفالت کی جائے اور تندرستوں کو کوئی ہنر اور کام سکھایا جائے پھر انہیں کام سیکھنے کے بعد ملازمت کے مواقع دیئے جائیں یا اپنا کاروبار کرنے کے لئے مدِ زکوٰۃ سے اس قدر دیا جائے کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جائیں۔

اقارب کی کفالت

اس سلسلے میں اغنیاء حضرات کو اپنے قریبی معذور و نادار رشتہ داروں کی کفالت پر مجبور کیا جائے؛ انہیں ترغیب و ترہیب اور بوقت ضرورت جبر و اکراہ کے ذریعے بھی کفیل بنانے سے گریز نہ کیا جائے۔ اگر مالدار حضرات اسلام کی ہدایت کے مطابق اپنے معذور اور نادار رشتہ داروں کے نان نفقہ کی ذمہ داری لے لیں تو پاکستان میں غربت و افلاس کا مسئلہ کافی حد تک خود ہی حل ہو جائے گا اور بہت سے بھکاری خود ہی بھیک سے باز آ جائیں گے۔

نان و نفقہ

کفالت کے سلسلے میں عام طور پر نان و نفقہ کا لفظ مشہور ہے مگر فقہ کی اصطلاح میں "نفقہ" ہی استعمال ہوتا ہے۔ نفقہ کے لغوی معنی اس چیز کے ہیں جسے انسان اپنے کنبے پر خرچ کرتا ہے۔ اور اصطلاح شریعت میں کھانا، لباس اور رہنے کی جگہ کو نفقہ کہا جاتا ہے اور عرفِ شریعت

میں صرف کھانے پر نفقہ کا اطلاق ہوتا ہے۔

وجوب نفقہ کے اسباب و وجوہ

کسی کے ذمہ کسی کے نفقہ کے واجب ہونے کے تین اسباب و وجوہ ہیں ایک سبب زوجیت ہے دوسرا قرابت اور تیسرا مملوکیت۔ لہٰذا خاوند پر بیوی کا خرچہ واجب ہے کیونکہ وہ اس کے فائدہ کے لئے اس کے ہاں رُکی ہوئی ہوتی ہے اور قاعدہ شرعیہ ہے کہ جو شخص جس کے مفاد کے لیے رُکا ہوا ہو گا اس کا خرچہ اسی کے ذمہ ہو گا جیسے مفتی، قاضی، وصی اور عامل وغیرہ۔ جس ادارہ کے مفاد میں مصروف ہوں ان کی ضرورت کا بندوبست اسی ادارہ کے ذمہ ہو گا خواہ وہ ادارہ سرکاری ہو یا غیر سرکاری۔ اور نابالغ، محتاج اولاد کا خرچہ بھی باپ پر واجب ہے اور نابالغ بیٹا معذور و محتاج کا خرچہ اور غیر مالدار بالغ لڑکی کا بھی۔ جب تک اس کی شادی نہ کر دے۔ شادی کے بعد شوہر پر ہے اور اگر باپ مفلس ہے تو کماتے اور بچوں کو کھلاتے اور اگر وہ معذور محتاج ہے کمانے کی صلاحیت نہیں رکھتا تو دادا کے ذمہ ہے خود ان کے باپ کا نفقہ بھی اسی کے ذمہ ہے۔

اگر کسی کے ماں باپ، دادا، دادی، نانا نانی تنگدست ہوں اور وہ مالدار ہو تو ان کا نفقہ اس پر واجب ہے اگرچہ وہ کمانے پر قادر ہوں اور اگر یہ بھی محتاج ہے تو باپ کا نفقہ اس پر واجب نہیں، البتہ اگر باپ اپاہج یا مفلوج ہے کہ کما نہیں سکتا تو بیٹے کے ساتھ نفقہ میں شریک ہے اگرچہ بیٹا فقیر ہو اور ماں کا نفقہ بھی بیٹے پر ہے اگرچہ اپاہج نہ ہو اگرچہ بیٹا فقیر ہو یعنی جبکہ بیوہ ہو۔

باپ اور ماں دونوں محتاج ہوں تو دونوں کا نفقہ بیٹے پر ہے اور باپ محتاج نہ ہو تو ماں کا خرچہ باپ پر ہے اور باپ محتاج ہے ماں مالدار تو ماں کا

نفقہ بیٹے پر نہیں۔

باپ وغیرہ کا نفقہ جیسے بیٹے پر واجب ہے یونہی بیٹی پر بھی ہے اگر بیٹا بیٹی دونوں ہوں تو دونوں پر برابر برابر واجب ہے اور اگر دو بیٹے ہوں ایک فقط مالک نصاب ہے اور دوسرا بہت مالدار ہے تو باپ کا نفقہ دونوں پر برابر ہے۔

باپ اور اولاد کے نفقہ میں قرابت و جزئیت کا اعتبار ہے وراثت کا نہیں مثلاً بیٹا ہے اور پوتا تو نفقہ بیٹے پر واجب ہے پوتے پر نہیں۔ یونہی بیٹی ہے اور پوتا تو بیٹی پر ہے پوتے پر نہیں اور نواسی نواسہ ہے تو دونوں پر برابر اور بیٹی ہے اور بہن یا بھائی تو بیٹی پر ہے اور نواسہ نواسی ہیں اور بھائی تو ان پر ہے بھائی پر نہیں اور ماں باپ یا ماں ہے اور بیٹا تو بیٹے پر ہے ان پر نہیں اور دادا ہے اور پوتا تو ایک تہائی دادا پر اور باقی پوتے پر اور باپ ہے اور نواسی نواسہ تو باپ پر ہے ان پر نہیں۔

باپ اگر تنگ دست ہو اور اس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہوں اور یہ بچے محتاج ہوں اور بڑا بیٹا مالدار ہے تو باپ اور اس کی سب اولاد کا نفقہ اس پر واجب ہے بیٹا اگر ماں باپ دونوں کا نفقہ نہیں دے سکتا مگر ایک کا دے سکتا ہے تو ماں زیادہ مستحق ہے۔

اور اگر باپ محتاج ہے اور چھوٹا بچہ بھی ہے اور دونوں کا نفقہ نہ دے سکتا ہو مگر ایک کا دے سکتا تو بیٹا زیادہ حقدار ہے۔

اور اگر والدین میں سے کسی کا پورا نفقہ نہ دے سکتا ہو تو دونوں کو اپنے ساتھ کھلائے جو خود کھاتا ہے اسی میں سے انہیں بھی کھلاتے۔

اور اگر باپ کو نکاح کرنیکی ضرورت ہے اور بیٹا مالدار ہے تو بیٹے پر باپ کی شادی کردینا واجب ہے۔

اور اگر باپ کی دو بیویاں ہیں تو بیٹے پر فقط ایک کا نفقہ واجب ہے مگر باپ کو دے کہ وہ دونوں میں تقسیم کرکے دے:

باپ بیٹے دونوں نادار ہیں مگر بیٹا کمانے والا ہے تو بیٹے پر دیانۃً حکم کیا جائیگا کہ باپ کو بھی ساتھ لے لے۔

جو رشتے دار محارم ہوں ان کا بھی نفقہ واجب ہے جب کہ محتاج ہوں اور نابالغ یا عورت ہو۔

اور رشتہ دار بالغ مرد ہو تو یہ بھی شرط ہے کہ کمانے سے عاجز ہو مثلاً دیوانہ ہے یا اس پر فالج گرا ہے یا اپاہج ہے یا اندھا۔

اور اگر عاجز نہ ہو تو واجب نہیں۔

اور عورت میں بالغہ نابالغہ کی قید نہیں۔

اور ان کے نفقات بقدر میراث واجب ہیں یعنی اس کے ترکہ سے جتنی مقدار کا وارث ہوگا اسی کے موافق اس پر نفقہ واجب مثلاً کوئی شخص محتاج ہے اور اس کی تین بہنیں ہیں ایک حقیقی ایک سوتیلی ایک اخیافی تو نفقہ کے پانچ حصے تصور کریں تین حقیقی بہن پر اور ایک ایک اُن دونوں پر۔

اور اگر اس طرح کے تین بھائی ہوں تو چھ حصے تصور کریں ایک اخیافی بھائی پر اور باقی حقیقی پر سوتیلے پر کچھ نہیں کہ وہ وارث نہیں۔

اگر ماں اور دادا ہیں تو ایک حصہ ماں پر اور دو دادا پر اور اگر ماں اور بھائی

یا ماں اور چچا ہے جب بھی یہی صورت ہے۔

اگر ان کے ساتھ بیٹا بھی ہے مگر نابالغ نادار ہے یا بالغ ہے مگر عاجز تو اس کا ہونا نہ ہونا دونوں برابر کہ جب اس پر نفقہ واجب نہیں تو کالعدم ہے۔

اور اگر حقیقی چچا یا حقیقی پھوپھی یا حقیقی ماموں ہے تو نفقہ چچا پر ہے، پھوپھی یا ماموں پر نہیں اور روارثت سے مراد محض اہل وراثت ہے کہ حقیقۃً وراثت تو مرنے کے بعد ہے نہ کہ اب'

یہ تو معلوم ہو چکا ہے کہ رشتہ دار عورت میں نابالغہ کی قید نہیں بلکہ اگر کمانے پر قادر ہے۔ جب بھی اس کا نفقہ واجب ہے' ہاں اگر کوئی کام کرتی ہے جس سے اس کا خرچ چلتا ہے تو اب اس کا نفقہ رشتہ دار پر فرض نہیں' یونہی اندھا (وغیرہ) بھی کماتا ہو تو اب کسی اور پر نفقہ فرض نہیں :

طالب علم دین اگرچہ تندرست ہے کام کرنے پر قادر ہے مگر اپنے کو طلب علم دین میں مشغول رکھتا ہے تو اس کا نفقہ بھی رشتہ داروں پر فرض ہے۔

قریبی رشتہ دار غائب ہے اور دور والا موجود ہے تو نفقہ اسی دور کے رشتہ دار پر فرض ہے۔

عورت کا شوہر تنگدست ہے اور بھائی مالدار ہے تو بھائی کو خرچ کرنے کا حکم کیا جائے گا۔ پھر جب شوہر کے پاس مال ہو جائے تو واپس لے سکتا ہے؛

اگر رشتہ دار محرم نہ ہو جیسے چچا زاد بھائی یا محرم ہو مگر رشتہ دار نہ ہو جیسے رضاعی بھائی بہن یا رشتہ دار محرم ہو مگر حرمت قرابت کی نہ ہو جیسے چچا زاد بھائی اور وہ رضاعی بھائی بھی ہے کہ حرمت رضاعت کی وجہ سے ہے نہ رشتہ کی وجہ سے تو ان صورتوں

میں نفقہ واجب نہیں۔

محارم کا نفقہ دیدیا اور اس کے پاس سے ضائع ہو گیا تو پھر دینا ہوگا اور کچھ بچ رہا تو اتنا کم کر دیا جائے۔

باپ محتاج ہے نفقہ کی ضرورت ہے اور بیٹا جوان مالدار ہے جو موجود ہے تو باپ کو اختیار ہے کہ اس کے اسباب کو بیچ کر اپنے نفقہ میں صرف کرے مگر جائداد غیر منقولہ کے بیچنے کی اجازت نہیں اور ماں اور رشتہ داروں کو کسی چیز کے بیچنے کی اجازت نہیں۔ اور بیٹا موجود ہے تو باپ بھی کسی چیز کو نہیں بیچ سکتا۔

یونہی اگر بیٹا مجنون ہو گیا اس کے اور اس کے بال بچوں کے خرچ کے لئے اس کی چیزیں باپ فروخت کر سکتا ہے اگرچہ جائیداد غیر منقولہ ہو۔

(حوالجات کے لئے ملاحظہ ہو۔ درمختار، شامی، عالمگیری، قاضی خاں اور بہارِ شریعت)

محتاج اقارب کے مالدار رشتہ داروں پر شریعت کے ان احکام کے مطابق کفالت کی ذمہ داری عائد کی جائے تو بہت سے بھیک مانگنے والوں کو باعزت روزگار میسر آسکتا ہے باقی بچے رہنے والے تھوڑے ہی ہوں گے ان کے لئے متبادل روزگار کا انتظام نہایت ہی آسان ہوگا۔

اسی طرح ناجائز ذرائع مثلاً رو پیٹ یا گا بجا کر کمائی کرنے سے بھی منع کیا اور ایسی کمائی کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ الاختیار اور عالمگیری میں ہے۔

کان المال بمقابلة المعصية فكان الاخذ معصية كـ لغنا والنو	رو دنے دھونے اور گانا بجانے کی اُجرت چونکہ معصیت کا معاوضہ ہے اس لئے

(عالمگیری - ج ۵ - ص ۳۴۹ الاختیار ج ۲ ص ۱۶) اس کا دینا اور لینا دونوں ہی ناجائز ہیں۔

کیونکہ ان پیشوں میں بیچارے سادہ لوح مسلمانوں پر معاشی بوجھ پڑتا ہے اور ایسا کرنے والے جہاں دوسروں کے لئے بوجھ بنتے ہیں، وہاں اپنی خداداد جسمانی اور ذہنی قوتوں اور صلاحیتوں کو ضائع کر کے بھی گنہگار ٹھہرتے ہیں۔ بہر صورت اسلام میں رزقِ حلال کی تلاش نہ صرف اہم کام ہے بلکہ گناہوں کا کفّارہ بھی ہے، چنانچہ طبرانی نے اوسط، ابو نعیم نے حلیہ اور خطیب نے تلخیص المتشابہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

من الذنوب ذنوب لا یکفرھا الا الھم بطلب المعیشۃ

کہ کچھ ایسے گناہ ہیں جن کا کفارہ طلب معاش میں جدّ وجہد اور فکر کرنا ہی ہے۔

(احیاء العلوم للغزالی ج ۲ - ص ۳۴)

اسی طرح ابو یعلیٰ اپنی مسند، طبرانی کبیر اور امام بیہقی شعب الایمان میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا

اطلبوا الرزق فی خبایا الارض

(الجامع الصغیر ج ۱ - ص ۴۳)

کہ اپنی روزی زمین کے پوشیدہ خزانوں (کھیتی باڑی وغیرہ) میں تلاش کرو

اس حدیث کی شرح میں امام علی عزیزی علیہ الرحمہ سراجِ منیر میں فرماتے ہیں:

ای الحرث بنحو زرع وغرس فان الارض تخرج ما فیھا من النبات الذی بہ قوامہم

یعنی تم رزق کو بونے میں تلاش کرو کھیتی کر کے اور درخت لگا کر زمین اپنے اندر کی چیزیں باہر نکالتی ہے یعنی نبات کہ

الحیوان (الی ان قال) وفیه ان طلب الرزق مشروع بل ربما دخل بعض الطلب فی حد الفرض وفیه انه لا ینافی التوکل لان الرزق من الله لکنه سببٌ عادیٌ للطلب۔

(سراج منیر - ج ۱ - ص ۳۱)

جس سے جانوروں کی خوراک ہے اور اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ رزقِ حلال کی تلاش جائز ہے بلکہ بسا اوقات رزقِ حلال کی تلاش حدِ فرض میں داخل ہو جاتی ہے اور رزق کی تلاش توکل کے خلاف نہیں کیونکہ رزق تو اللہ کی طرف سے ہے لیکن تلاشِ طلب رزق کا سبب عادی ہے۔

علامہ عزیزی کی تفسیر سے مندرجہ ذیل ایمان افروز مسائل کا استنباط ہوتا ہے:

۱ تلاشِ رزق کا عادی ذریعہ مندرجہ ذیل ایمان افروز

۱- تلاشِ رزق کا عادی ذریعہ کھیتی باڑی کرنا اور آمدنی پیدا کرنے والے پودے لگانا ہے۔

۲- زمین کو اللہ تعالیٰ نے جانداروں کی روزی کا ذریعہ بنایا ہے۔

۳- رزق کی جستجو جائز بلکہ بسا اوقات فرض ہو جاتی ہے، جب کہ اپنے کنبے کی ذمہ داری عائد ہو جائے۔

۴- تلاشِ رزق توکل کے خلاف نہیں

۵- تلاشِ رزق طلبِ رزق کا سبب عادی ہے اور یہ جہان اسباب کے ساتھ ہی وابستہ ہے ۔

تلاشِ رزق ازاں دادند مارا!
کہ باشد پے کشودن را بہانہ

تلاشِ رزق

اتنا کمانا فرض ہے جو اپنے اندر اور اہل وعیال اور جن کی کفالت ذمہ میں ہے' ان کے خرچہ اور ادائیگی قرض کے لئے کفالت کر سکے۔ اس کے بعد اجازت ہے کہ اتنے پر ہی بس کرے یا اپنے اور اہل عیال کے لئے کچھ پس انداز و پس ماندہ رکھنے کے لئے بھی جدّوجہد کرے (بلکہ آج کے نازک دور میں یہ افضل ہے) نیز ماں باپ تنگ دست و محتاج ہوں' تو فرض ہے کہ اپنی کمائی سے اس قدر ان کی امداد کی جائے جس سے اُن کی ضروریات پوری ہو جائیں (فتاوی عالمگیری ج ۵ - ص ۳۴۹ طبع مصر)

گویا اسلام کا اقتصادی نظام کسی فرد کو اجازت نہیں دیتا کہ وُہ خود عیش میں اپنے ماں باپ اور زیرِکفالت عزیزوں کی پروا نہ کرے' بلکہ ان کی خبر گیری فرائض میں شامل ہے۔

نہ رہ اپنوں سے بے پروا اسی میں خیر ہے تیری
اگر منظور ہے دنیا میں او بیگانہ خو! رہنا

عیّاشی کی ممانعت

اسلام کے معاشی نظام میں اسراف و تبذیر اور عیاشی سے بڑی شدت کے ساتھ ممانعت فرمائی گئی ہے کہ اس سے بالواسطہ (یعنی انفرادی معیشت کے کمزور پڑنے سے) اجتماعی معیشت پر بُرا اثر پڑتا ہے۔ محققین کہتے ہیں کہ مقدارِ خرچ میں تجاوز اسراف و رموقع میں (بے جا) خرچ تبذیر ہے اور اسی طرح بخل سے بچنے کی تاکید بھی آتی ہے۔ بخل سے پرہیز اور اسراف تبذیر سے گریز کا نام اقتصاد و میانہ روی ہے جو معیشت کی ترقی میں ایک اہم چیز ہے۔

اخراجات میں میانہ روی اختیار کرنیکا حکم

اخراجات میں میانہ روی اختیار کرنیکا حدیث میں واضح حکم وارد ہے

چنانچہ مروی ہے الاقتصاد فی النفقۃ نصف المعیشۃ کہ نفقہ میں میانہ روی نصف معیشت ہے اور امام قاضی حسن بن عبدالرحمٰن رامہرمزی متوفی ۳۶۰ھ اپنی کتاب المحدث الفاصل بین الراوی والواعی میں اپنی سند سے حضرت میمون بن مہران سے روایت کرتے ہیں کہ لوگوں سے محبت کے ساتھ پیش آنا نصف عقل ہے اور خوبصورتی سے مسئلہ پوچھنا نصف علم ہے اور اپنی معاش و گذراوقات میں میانہ روی اختیار کرنے سے آدھی مشقت دور ہو جاتی ہے (ص ۲۶۰ طبع بیروت ۱۳۹۱ھ)

اگر اسراف تبذیر کا سلسلہ بند ہو جائے اور اوپر کی سطح سے لے کر نچلی سطح تک کے سب افراد میانہ روی اختیار کرلیں، تو ملک بھر کی معیشت پر سے تقریباً نصف بوجھ کم ہو جائے، پھر میانہ روی کی ابتدا سربراہ مملکت سے ہو۔ سربراہ اگر فضول خرچ اور عیاش ہو تو اس کا عملہ اور ماتحت افسران اعلیٰ و ادنیٰ بھی فضول خرچی اور عیاشی میں مبتلا ہو جائیں گے، مشہور ہے الناس علی دین ملوکہم کہ لوگ اپنے سربراہ کی روش اپناتے ہیں سربراہ مملکت میں اگر ملک کی معاشی و اقتصادی ترقی کا کوئی سوز و گداز نہ ہو تو ملکی مشینری کے دوسرے کل پرزے بھی اس ملی و ملکی جذبۂ ہمدردی سے قطعاً ناآشنا رہیں گے۔

شمع محفل ہو کے تو جب سوز سے خالی رہا!

تیرے پروانے بھی اس لذت سے ہی خالی رہے

وصیت پر پابندی

اسلام کے نظام کو لوگوں کی معاشی بہتری جس حد تک مطلوب ہے، اس کی نظیر دنیا کے کسی مذہب میں نہیں ملے گی باوجودیکہ اسلام کسی کی ذاتی ملکیت میں دخل اندازی کا روادار نہیں، تاہم جہاں ذاتی ملکیت کے مقابلے میں اجتماعی معیشت اور حاجت مندوں

کی مشترکہ منفعت کو خطرہ لاحق ہوا، وہاں اسلام نے کسی حد تک انفرادی اور ذاتی ملکیت میں دخل اندازی کو روا رکھتے، بلکہ ضروری گردانتے ہوئے اجتماعی معیشت اور حاجت مندوں کے مشترکہ مفادی کی حفاظت کی ہے اس کی نظیر وصیت پر پابندی ہے؛ چنانچہ اس کی صورت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص یہ وصیت کرے کہ اس کے مرنے کے بعد اس کا کل مال فلاں شخص کو دے دیا جائے، تو اس کی وصیت میں اس طرح کی ترمیم ضروری ہوگی کہ کفن و دفن اور قرض کی ادائیگی کے بعد اس کی جائداد کا تیسرا حصہ موصیٰ لہٗ (جس کے حق میں وصیت کی گئی) کو دے کر باقی دو حصّے اس متوفی (وفات یافتہ) کے حقدار وارثوں میں تقسیم کر دیئے جائیں گے اور یہ اس لیے کہ اس کا کل مال وجہ معقول اور ضرورت شرعیہ کے بغیر کسی ایک شخص کے ہاتھ میں نہ چلا جائے، بلکہ معاشرے کے دوسرے حقداروں کو بھی کچھ نہ کچھ مل جائے، یہ بھی ایک طرح سے مستحقین کے حقوق کا تحفظ اور دولت کو مختلف افراد کے ہاتھوں میں متحرک رکھنے کی کوشش ہے؛ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ اسلام کے احکام کے آگے سرِ تسلیم خم رکھیں اور تہائی سے زیادہ کی وصیت نہ کریں ؎

خم ہے سرِ تسلیم میرا آپ کے آگے!!
پیری ہے تواضع کے سبب میری جوانی

اولاد میں حکمِ مساوات

اسلام کے نظامِ معیشت میں اپنی اولاد کو ہبہ و بخشش کے سلسلے میں بھی خصوصی ہدایات ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی اولاد کو اپنی زندگی میں کچھ دینا چاہتا ہے، تو سب کو دے، بلا وجہ معقول و بلا سبب شرعی کسی کو محروم نہ رکھے۔ صحیح مسلم میں ہے:

حضرت نعمان بن بشیر فرماتے ہیں کہ ان کے والد انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

میں لائے اور عرض کی کہ میں نے اپنے اس بیٹے کو ایک غلام ہبہ کے طور پر دے دیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ آلہٖ وسلم نے ان سے فرمایا کہ کیا تو نے اپنے سب بچوں کو اسی طرح ایک ایک غلام کا ہبہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کی کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا فارجعہ کہ اس سے رجوع کرو۔ ایک روایت میں ہے فاردُدہ کہ اسے واپس لے لو۔ ایک اور روایت میں ہے، آپ نے فرمایا: اتقوا اللہ واعدلوا فی اولادکم فرجع ابی فرد تلک الصدقۃ کہ خدا سے ڈرو اور اپنی اولاد میں برابری کرو، تو میرے باپ نے وہ عطیہ مجھ سے واپس کر لیا۔ ایک اور روایت میں ہے فرمایا: فلا تشہدنی اذا فانی لا اشہد علی جور تو مجھے گواہ نہ بناؤ میں ظلم پر گواہ بننا نہیں چاہتا۔ (وغیرذالک من اختلاف الالفاظ صحیح مسلم ج ۲ - ص۳۷)

اس حدیث کی شرح میں امام نووی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

وفی الحدیث انہ ینبغی ان یسوی بین الاولاد فی الھبۃ ویھب لکل واحد منھم مثل الآخر ولا یفضل ویسوی بین الذکر والانثی (شرح نووی ج ۲ - ص۳۷ وھکذا فی الدر المختار وشامی)

یعنی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہبہ میں اولاد کے درمیان برابری کرنا مناسب ہے اور ہر ایک کو دوسرے کے برابر حقوق دے اور کسی کو ترجیح نہ دے مرد و عورت کو برابر دے۔

ترجیحی سلوک کی صورت

بعض اولاد کے ساتھ محبت زیادہ ہو اور بعض کے ساتھ کم یہ کوئی ملامت کی چیز نہیں کیونکہ یہ فعل غیر اختیاری ہے اور عطیہ و بخشش میں اگر یہ ارادہ ہو کہ بعض کو ضرر پہنچائے تو یہ درست نہیں بلکہ سب میں برابری کرے کم و بیش نہ کرے ایسا کرنا مکروہ

وغیر مستحسن ہے۔ ہاں اگر اولاد میں کوئی دینی بزرگی رکھتا ہو، مثلاً عالم دین ہو جو علم دین کی خدمت میں مصروف یا عبادت و ریاضت میں مشغول ہے اسے اگر دوسروں کی نسبت زیادہ دیدے اور ان لڑکوں کو جو دنیا کے کام دھندوں میں لگے ہوتے ہیں، اگر تھوڑا دے تو بلاشبہ مستحسن ہے (فتاویٰ قاضی خاں ہامش ہندیہ۔ ج ۳۔ ص ۲۷۹)

شریعت نے صورتِ مذکورہ میں جو نیک اولاد کے حق میں ترجیحی سلوک کی اجازت دی ہے اس میں ظلم و زیادتی ناحق نہیں، بلکہ یہ عین حق ہے اور سراپا صواب! اس میں جہاں دوسری اولاد کو جو مقابلتہً نیک صالح نہیں ہے نیک و صالح ہونے کا احساس و شوق ہوگا اور وہ کسی نہ کسی خیال سے "و بہ اصلاح ہوں گے" وہاں والد کو دین کو غیر دین پر ترجیح دینے کا ثواب، اجر بھی ہوگا اور اس نیک بچے کی حوصلہ افزائی بھی ہوگی۔ اس میں اور بھی کئی ایک رموز و اسرار ہیں جنہیں اہلِ رموز و اسرار علماء جانتے ہیں۔ یہ دنیا کے اہلِ حکمت و دانش کیا جانیں ؎

حکیم میری نواؤں کا راز کیا جانے ورائے عقل ہے اہلِ حق کی تدبیریں

ہر فرد کو ضروریاتِ زندگی مفت حاصل ہوں

سابقہ گذارشات کی روشنی میں بلاشبہ یہ بات واضح ہوگئی کہ اسلام کا معاشی نظام انفرادی حقوق کے مقابلے میں اجتماعی اور ملّی حقوق کا زیادہ تحفظ کرتا ہے۔ اسلام کے معاشی نظام میں اس بات کا بڑی شدت سے اور اولین طور پر اہتمام کیا جاتا ہے کہ ہر فرد کو خوراک، لباس، مکان، علاج اور تعلیم کی مناسب سہولتیں مفت حاصل ہوں اور اس کی ذمہ داری اور اخراجات کا بوجھ بیت المال پر ہوتا ہے۔ اگر خدانخواستہ بیت المال کبھی خالی

ہو جائے" تو ترغیب و ترہیب کے ذریعے دولت مندوں کی ذمہ داری میں شریک کیا جائے گا، انہیں غریبوں، ناداروں اور حاجت مندوں کی حالتِ زار پر خاموش تماشائی بنے رہنے کی اجازت نہ ہوگی۔ اس سلسلہ میں حدیث شریف بھی ملاحظہ ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

اِنَّ فِی الْمَالِ لَحَقًّا سِوَی الزَّکٰوۃِ — کہ تمہارے مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے۔

یہ ارشاد فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آیتِ کریمہ ﴿لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب﴾ کی آخر تک تلاوت فرمائی (مشکوٰۃ ج ۱ ۔ ص ۱۶۹)

کیونکہ اس میں ہے ﴿واتی المال علی حبہ﴾ (اس کی محبت پر مال خرچ کرے) اور اسی آیت میں آگے ہے ﴿واتی الزکوٰۃ﴾ (اور زکوٰۃ دے) اس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کے علاوہ بھی مال خدا کے لئے غریبوں کا حق ہے۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں:

کہ مانگنے والا آجاتا ہے "اسے خالی نہ لوٹانا"، قرض مانگنے والے کو قرض دینا، گھریلو استعمال کی چیزیں یعنی آگ، پانی، نمک، امرتِ صالح اور آٹا و برتن وغیرہ جو عام طور پر ایک دوسرے کے گھر سے مانگ لی جاتی ہیں، سب شامل ہیں (مرقاۃ ج ۴ ۔ ص ۲۱۰)

اجتماعی حقوق کس ترتیب سے ادا ہوں

اجتماعی حقوق کی ادائیگی کے سلسلہ میں اسلام کے معاشی و اقتصادی نظام نے ہماری رہنمائی کر دی ہے: چنانچہ امام بخاری علیہ الرحمہ اپنی صحیح

ہیں حضرت ابوہریرہ و حکیم بن حزام سے اور امام مسلم اپنی صحیح میں صرف حکیم بن حزام سے روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وابدء بمن تعول (المشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۷۰) کہ خرچ کی ابتدا اس سے کرو جس کے تم کفیل ہو۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں:

(ای بمن تلزمک نفقتہ) (مرقاۃ ج ۴ ص ۲۱۸)

یعنی اپنے بعد جب اجتماعی حقوق کے ادا کرنے کی نوبت آئے، تو سب سے پہلے اس کا حق ادا کرو جس کے تم کفیل ہو۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ بھی ہے کہ مزاج یہ ہے کہ انسان دوسروں پر بوجھ نہ ہو، بلکہ اپنے اور اپنے ساتھ اہل و عیال کا آپ ہی کفیل ہو، کیونکہ جب اجتماعیت کو اپنے نورِ اکتساب سے مستنیر کرنے کی نوبت آئے، تو سب سے پہلے اس کے اپنے اہل و عیال ہی اس کی صلاحیتوں سے مستنیر ہوں ۔

تو اے مسافرِ شب خود چراغ بن اپنا
کر اپنی رات کو داغِ جگر سے نورانی

اس اجمال کی تفصیل اس حدیث سے ملتی ہے جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میرے پاس ایک دینار ہے (میں اسے کس پر خرچ کروں) فرمایا النفقۃ علیٰ نفسک کہ اپنی ذات پر خرچ کرو (یہ لنفسک علیک حق کے تحت تعلیم ہے) اس نے عرض کی کہ میرے پاس دوسرا دینار ہے فرمایا اپنے خادم پر خرچ کر۔ عرض

کی کہ میرے پاس تیسرا دینار ہے فرمایا اس کو بیوی پر خرچ کر، عرض کی میرے پاس چوتھا دینار ہے فرمایا اسے اپنے خادم پر خرچ کر۔ عرض کی میرے پاس پانچواں دینار ہے فرمایا انت اعلم (رواہ ابوداؤد و نسائی۔ مشکوٰۃ ج ۱ ۔ صہ ۱۷۱) کہ تو خوب جانتا ہے، یعنی اس کے بعد تیرے اعزہ و اقارب ہیں جو مستحق امداد ہیں، وہ تجھے خوب معلوم ہے، ان پر خرچ کرو (مرقاۃ)

حقوق

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سب سے پہلے ان حقوق کا پورا کرنا ضروری ہے جو فرض کا درجہ رکھتے ہیں مثلاً ایک اپنی ذاتی ضروریات کہ جن کے بغیر گذر بسر ممکن نہیں دوسرے بیوی بچے اور خادم ایسے گھریلو افراد کی ضروریات و مستقبل کی حاجات کا انتظام پھر ان رشتہ داروں کی امداد و کفالت جو محرم ہوں جن سے ہمیشہ نکاح حرام ہے جب کہ یہ غریب معذور ہوں یا کسی بھی وجہ سے اپنی کفالت آپ نہ کرسکتے ہوں پھر تمام ضرورت مندوں کا درجہ ہے۔

قرآن کریم میں قل العفو سے یہی مراد ہے اگر ملک کے دولت مند اور صاحب مال لوگ قل العفو کی یہ مراد سمجھ کر اس پر عمل پیرا ہوں، تو ملک سے افلاس و غربت کا یکسر خاتمہ ہوجاتا ہے۔

قرآں میں ہو غوطہ زن اے مرد مسلماں ۔۔۔ اللہ کرے تجھ کو عطا جدتِ کردار

جو حرف قل العفو میں ہے پوشیدہ اب تک ۔۔۔ اس دور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار

نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ و فی اموالہم حق للسائل والمحروم کہ دولت مندوں کے مالوں میں سائل اور محروم کا حق ہے (الذاریات و معارج)

اگر دولت کی تحریک اس حد تک پہنچ چکی ہو کہ وہ ملک کے ایک مخصوص طبقے میں گردش کرنے

لگے اور عام لوگ بنیادی ضروریات سے محروم ہو رہے ہوں تو امیروں سے فاضل دولت لیکر غریبوں کو انکی ضروریات فراہم کرنا ضروری ہو جاتا ہے کفالت کی صورت میں بھی جس کی تفصیل ہم بیان کر چکے اور دوسری صورت میں بھی۔ جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے۔

نیز ترمذی شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ فاضل مال کو ضرورت مندوں میں خرچ کرنا اسے جمع کر کے رکھنے سے بہتر ہے اور اپنی ضروریات میں کام کرنے کی حد تک رکھ چھوڑنے میں کوئی حرج نہیں اور خرچ کرتے وقت ان پر پہلے خرچ کرو جو تمہاری کفالت میں ہوں اور خرچ کرنے والا اپنے لئے مانگنے والے سے بہتر ہے۔ (ترمذی۔ ج ۲۔ ص ۵۷)

لفظِ حق سے تعبیر کا فائدہ

لفظِ حق دونوں کے بارے میں وارد ہوا ہے اور یہاں لفظِ حق سے تعبیر کا فائدہ یہ ہے کہ سرمایہ داروں اور دولت مندوں کو معلوم ہو جائے کہ استحقاقِ دولت کی بنیاد یہ بھی ہے' لہٰذا مفلس نادار افراد بھی ٹھیک اسی طرح دولت کے مستحق ہیں جس طرح اولین مالک مگر فرق صرف اولیت اور ثانویت کا ہے' گویا دولت کے مستحق دو قسم کے لوگ ہوئے۔ ایک تو وہ ہیں جو کسی پیداوار کے عمل پیدائش میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں دوسرے وہ جنہیں عمل پیدائش میں کسی کردار کا مظاہرہ کئے بغیر محض ان کی غربت وافلاس کی وجہ سے دولت میں حصہ دار و شریک اور حقدار بنایا گیا ہے۔ چنانچہ ابن ماجہ کے ایک نسخہ میں ہے فی المال حق سوی الزکوٰۃ کہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی غریب ضرورت مندوں کا حق ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں فی مالک حق سوی الزکوٰۃ کہ تمہارے مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی ضرورت مندوں کا حق

ﮯ (عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ج ۸ صـ ۲۳۷/۲۳۸

ضرورت مندوں کی دو قسمیں ہیں

کچھ تو وہ ہوتے ہیں جو اپنی ضرورت کے مانگنے سے نہیں شرماتے، وہ سائل ہیں اور دوسرے وہ ضرورت مند بھی ہیں جو سوال کرنے شرماتے ہیں، اجیب کر وہ شدید ضرورت مند اور معاشی مصیبت سے بھی دوچار ہوتے ہیں، مگر ان کا خودار ضمیر انہیں دستِ سوال دراز کرنے سے منع کرتا ہے، تو ایسے لوگوں کی ہمیں خود تلاش کرنی چاہیئے کہ وہ ضرورت مند ہوتے ہوئے بھی اظہار حاجت نہیں کرتے، البتہ ان کا دل فریاد سے معمور رہتا ہے اور ان کی شکایات وحاجت زبان سے نہیں، آہِ سرد سے محسوس کی جاسکتی ہے ۔

ہر نفس اقبال تیرا آہ میں مستور ہے
سینۂ سوزاں تیرا فریاد سے معمور ہے

ایک عجیب واقعہ

یہاں ایک عجیب وغریب واقعہ بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جسے ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں تحریر فرماتے ہیں :- ہمارے شیخ عارف باللہ علی متقی علیہ الرحمۃ نے بتایا کہ ایک صالح آدمی اپنی حلال کمائی کا ایک حصّہ خدا کے لئے بانٹ دیتے اور ایک حصّہ اپنے کام میں لاتے اور بقیہ ایک حصّہ اپنے کاروبار میں لگا دیتے۔ ایک روز ان کے پاس ایک مالدار شخص آیا اور کہا کہ میں کسی غریب کی امداد کرنا چاہتا ہوں کسی مستحق کی نشان دہی فرمائیں۔ آپنے فرمایا کہ مستحق کے ہاتھ میں حلال کمائی والے کا ہی مال جاتا ہے جب اس نے مجبور کیا، تو آپنے فرمایا کہ تم چلے جاؤ مانگنے والے پھرتے ہوں گے جس کو دے

میں تمہارا دل مانے اور مطمئن ہو، اسے دے دو، وہ چلا گیا، تو اسے ایک نابینا معمر منگتا ملا، اس نے اس کو جو دینا تھا دے دیا اور چلا آیا پھر دوسرے روز اس مال دار کا اس نابینے پر سے گذر ہوا، تو وہ نابینا اپنے ساتھی کو بتا رہا تھا کہ گذشتہ کل مجھے مالدار نے اتنی رقم دی کہ میرا کام بن گیا، میں نے شراب پی اور فلاں گانے والی عورت کے ساتھ شب بسر کی۔

مالدار نے سنا، تو اسے صدمہ ہوا کہ اس کے مال کو اس نابینا منگتے نے کہاں بیہودگی میں خرچ کیا، وہ اس صالح کے پاس آیا اور اسے واقعہ بتایا، تو اس صالح نے اپنی حلال کمائی سے مالدار کو کچھ دے کر کہا کر جاؤ اور سب سے پہلے جس آدمی پر تمہاری نظر پڑے، یہ رقم فی سبیل اللہ اسے دے دو۔

چنانچہ وہ چلا گیا اور سب سے پہلے جس پر اس کی نظر پڑی، وہ ایک خوش لباس شخص تھا، معلوم ہوتا تھا کہ یہ دولت مند ہے، اسے دینے کو مالدار کا دل نہیں چاہتا تھا، تاہم صالح مذکور کے حکم کی وجہ سے اس نے وہ رقم اسی شخص کو دے دی، اس سفید پوش نے وہ رقم لی اور الٹے پاؤں واپس چلا گیا اور ایک ویران مکان میں داخل ہوا اور دوسری طرف سے نکل کر چلا گیا، یہ مالدار بھی اس کے تعاقب میں رہا تاکہ یہ دیکھے کہ اس ویرانے میں جا کر کیا کیا ہے، اس نے جا کر دیکھا کہ وہاں ایک مرا ہوا کبوتر پڑا ہے اس مالدار نے اس سفید پوش کو قسم دے کر کہا کہ بتاؤ یہ کیا راز ہے اس نے کہا کہ اس کے بچے بھوک سے بلک رہے تھے اور مانگنے کو ضمیر گوارا نہ کرتا تھا، یہی مردہ کبوتر ملا تھا، میں اسے لے جا رہا تھا کہ اسے پکاؤں اور بچوں کو کھلا کر ان کی جان بچاؤں، راستے میں آپ ملے اور فی سبیل اللہ کچھ رقم دے دی، اب چونکہ مجھے حلال مل گیا، اس لئے اس کبوتر کو واپس

اس ویرانے میں پھینک کر گھر جا رہا ہوں تاکہ اس رقم سے کچھ حلال خرید دوں اور بچوں کو کھلاؤں" اس کے بعد اس مالدار کو اس صالح کی بات کا یقین ہو گیا (مرقاۃ۔ ج ۴۔ ص ۱۹۹/۲۰۰)

اس لئے اہل دولت اور صاحب ثروت لوگوں کو ایسے باضمیر اور سفید پوش اہل فقر کا بھی خیال رکھنا چاہیئے، اس بات کا منتظر نہیں رہنا چاہیئے کہ گھر پر مانگنے والے آئیں گے تو انہیں دے دوں گا، بلکہ بے منگتے ضرورت مندوں کو خود جا کر جستجو کرنا اور ظاہر حال سے نہیں، کچھ دل کی بصیرت اور دوسرے قرائن و شواہد سے بھی ان کی خبر رکھنا چاہیئے۔ ؎

دلِ بینا بھی کر خدا سے طلب!
آنکھ کا نور، دل کا نور نہیں

حضرت عمرؓ کا رعایا کی خوشحالی کیلئے فکر مند ہونا

سیّدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا رعایا کی زندگی کو خوشحال بنانے کے لئے اور ان کے ہر قسم کے حقوق کی حفاظت کے جذبے سے راتوں کو گشت کرنا ایک مسلّم تاریخی حقیقت ہے۔ تاریخ طبری میں حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے راتوں میں گشت کرنے کے سلسلے کو وسعت دینے کے پروگرام کو مرتب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اگر میں زندہ رہا تو انشاء اللہ راتوں کا گشت ساری مملکت میں پورا سال کروں گا، کیونکہ میں جانتا ہوں کہ ہر طرح کی کوشش کے باوجود بعض مجبوریوں کی بنا پر بعض لوگ مجھ تک نہیں پہنچ سکتے ہوں گے۔

فاسیر الی الشام فاقیم بہا   تو میں شام جاؤں گا، وہاں دو ماہ

شهرين ثم اسير الى الجزيرة فاقيم
بها شهرين ثم اسير الى
مصر فاقيم بها شهرين
ثم اسير الى البحرين فاقيم
بها شهرين ثم اسير الى الكوفة
فاقيم بها شهرين ثم اسير الى
البصرة فاقيم بها شهرين
والله لنعم الحول هذا
(تاریخ الطبری ج ۵ ۔ ص ۱۸۱)

قیام کروں گا اور وہاں رعایا کا گشت کروں گا پھر جزیرے جاؤں گا، وہاں دو ماہ قیام کروں گا، پھر مصر جاؤں گا، وہاں دو ماہ قیام کروں گا، پھر بحرین جاؤں گا، وہاں دو ماہ قیام کروں گا، پھر کوفے جاؤں گا، وہاں دو ماہ قیام کروں گا، پھر بصرہ جاؤں گا، وہاں دو ماہ قیام کروں گا اور یہ پورا سال میری رعایا کو گشت کا سال ہو گا قسم بخدا اچھا سال ہو گا

اشہر مشاہیر اسلام کے مصنف لکھتے ہیں کہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے گورنروں کو تحریر فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے حکمرانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ قوم کے نگران اور چرواہے ہوں اور اس نے انہیں اس لئے حکمران نہیں بنایا کہ وہ قوم کو ٹیکسوں کے بوجھ سے دبا دیں۔

امام ابو نعیم حلیہ میں فرماتے ہیں کہ خلفائے راشدین اپنے زمانہ خلافت میں اس تمام سونے اور چاندی و دیگر اموال کو جو بیت المال میں جمع ہو جاتا حاجت مندوں اور مستحقوں میں بانٹ دیتے اور بیت المال میں کچھ باقی نہ چھوڑتے پھر وہاں دو رکعت نماز ادا کر کے فرماتے کہ یہ زمین اس بات کی گواہی دے گی کہ ہم نے اللہ کے بندوں کے لئے جو کچھ جمع کیا تھا، وہ سب انہیں بانٹ دیا۔

شاہد قدرت کا آئینہ ہو، دل میرا نہ ہو
سر میں جز ہمدردیٔ انساں کوئی سودا نہ ہو

الغرض اسلام کے نظامِ حکومت سے ایک ایسا اقتصادی و معاشی نظام معرضِ وجود میں آتا ہے کہ صالح و موزوں ہونے کی بدولت امت کے ہر ہر فرد کے خوشحال و فارغ البال ہونے کی پوری ضمانت دیتا ہے۔

رعیّت کے لئے نقصان کا معاوضہ

اسلام کے معاشی نظام میں اس بات کا ثبوت بھی ملتا ہے کہ اگر رعیّت میں سے کسی کا نقصان ہو جائے تو حکومت اسلامیہ کی طرف سے اسے معاوضہ دیا جاتا ہے۔ چنانچہ کتاب الخراج میں ہے۔

اتی عمر رجال فقال یا امیر المومنین زرعت زرعا فمر بہ جیش من اہل الشام فافسدوہ قال فعوضہ عشرۃ الاف (ص ۱۱۹)

یعنی ایک شخص حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، عرض کی اے امیر المومنین میں نے کھیت بویا اہل شام میں سے ایک لشکر کا وہاں سے گزر ہوا تو میرا کھیت برباد ہو گیا۔ آپ نے اسے دس ہزار روپیہ معاوضہ دیا۔

اس واقعہ سے اسلام کے معاشی نظام کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دنیائے عیسائیت تک کے منکرین نے اسے ایک بے مثال معاشی نظام قرار دیا۔
والفضل ما شہدت بہ الاعداء۔

سربراہِ مملکت کو مہنگائی کی فکر

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو عوام کی معاشی تکلیف کی فکر اس حد تک ہوتی ہے کہ اس کے مقابلے میں اپنی تکلیف کو بھول جاتے ہیں۔ چنانچہ جب آپ پر قاتلانہ حملہ ہوا، تو اس اثناء میں کسی دُور کے علاقے سے ایک نمائندہ آپکی خدمت میں حاضر ہوا، آپنے سب سے پہلے یہی سوال کیا کیف اسعارهم؟ قال قلت ارخص اسعار (تاریخ الطبری۔ ج ۵ ۔ ص ۱۱) کہ ان کے ہاں عام چیزوں کے نرخ کیسے ہیں؟ وہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی کہ وہاں چیزیں بہت سستی ہیں۔ آپ نے اطمینان کا سانس لیا۔ معلوم ہوا کہ سربراہِ مملکت لوگوں کی معاشی خوشحالی کا ذمہ دار ہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جیسے سراپا درد وفکر سے ہی عالمِ اسلام میں معاشی خوشحالی کا دور لوٹ سکتا ہے ؎

کاش وہ دے کہ جس کی کھٹک لازوال ہو

یارب وہ درد جس کی کسک لازوال ہو

اسلام کے مالیاتی نظام پر ایک نظر

اسلام کے معاشی نظام کے بروئے کار لانے کو مملکتِ اسلامیہ کے لئے سرکاری خزانے کا وجود ضروری ہے جسے بیت المال کہا جاتا ہے۔ ایک بیت المال مرکزی ہوتا ہے، دوسرے صوبائی اور تیسرے ضلعی۔ اگر ضرورت ہو تو ایک ضلع میں متعدد بیت المال بھی قائم کئے جا سکتے ہیں جس سے عوام کی ضروریات پوری کی جائیں گی۔ اب ہم اختصار کے ساتھ بیت المال کے ذرائع آمد اور ساتھ ہی اس کے مصارف کے سلسلہ میں کچھ عرض کرتے ہیں۔

ذرائع آمد

(۱) زکوٰۃ (۲) عشر (۳) خراج (۴) جزیہ (۵) وقف (۶) کراء الارض (سرکاری زمین پر لگان) (۷) عشور (کسٹم ڈیوٹی) (۸) ضرائب (ہنگامی ٹیکس) (۹) فیے (بغیر جنگ کے بھاگ جانے والے کا سامان) (۱۰) خمس (۱۱) صدقات (۱۲) اموال فاضلہ (متفرق آمدنیاں) (۱۳) کانیں (۱۴) دفینے (۱۵) سواری ٹیکس (۱۶) ذرائع مواصلات (۱۷) برقیات (۱۸) سیاحت و زیارت (۱۹) تجارت (۲۰) صنعت و حرفت۔

مصارف

(۱) مصارف ثمانیہ (آٹھ قسم کے ضرورت مند جن کا ذکر قرآن میں بیان ہے) (۲) تنخواہیں، (۳) وظائف (۴) رفاہِ عامہ (۵) شعبہ ہائے حکومت یعنی ہسپتال، سکول و مدارس، سڑکیں، پل اور مسافر خانے وغیرہا کے متفرق مصارف اسلامی نظام یا نظامِ مصطفےٰ کے نفاذ کے بعد غیر ملکی قرضوں کی قطعاً ضرورت نہ ہوگی کیونکہ ذرائع آمد مصارف سے کہیں زیادہ ہیں۔ نیز ذرائع آمد میں سے اگر سواری ٹیکس معاف کر دیا جائے جیسا کہ اسلام کے نظامِ معیشت و آسودگی کا تقاضا ہے، تو بہتر ہوگا اسلامی نظام کو خدا کا فضل کافی ہے کہیں سے قرض کی بھیک مانگنے کی حاجت ہرگز نہ ہوگی۔ غرضیکہ ذرائع آمد کے مقابلے میں مصارف کم ہیں، اس لئے اسلام کے نظامِ معیشت میں ٹیکسوں کی بھرمار نہیں ہوتی، یہی وجہ ہے کہ یہ نظام لوگوں کو حیاتِ حقیقیہ کے ذوق سے آشنا کرتا ہے۔

ہست دینِ مصطفےٰ دینِ حیات!
شرعِ او تفسیرِ آئینِ حیات!

زکوٰۃ

اسلام کے معاشی نظام اور مالیاتی پروگرام کے سلسلے میں زکوٰۃ ایک اہم ذریعۂ آمد ہے جو نماز کے بعد ہر صاحب نصاب عاقل و بالغ مسلمان کے ذمّہ واجب الادا ہے۔ زکوٰۃ کے معنی پاکیزگی اور نشو و نما کے ہیں۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد دولت پاکیزہ ہو کر برکتوں سے نشو و نما پاتی ہے۔ نیز زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد دولت پاکیزہ ہو کر برکتوں سے نشو و نما پاتی ہے۔ نیز زکوٰۃ کی ادائیگی بندے کو اس بات کا احساس بھی دلاتی ہے کہ اس کے مال کا مالک حقیقی خدا تعالیٰ ہے اور اس کی حیثیت صرف خازن و امین کی ہے اور اس امانت کو رضا کارانہ طور پر ادا کرنا از حد ضروری ہے

کرتی ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک صاف

منعموں کو مال و دولت کا بناتی ہے امیں

فلسفۂ زکوٰۃ

اسلام میں اہلِ دولت پر جو مالی حقوق عائد کیے گئے ہیں مثلاً زکوٰۃ، عشر اور خمس وغیرہ سب میں یہی حکمت و فلسفہ کار فرما ہے کہ ملک کی دولت چند ہاتھوں میں مرتکز و محدود ہو کر نہ رہ جائے۔ چنانچہ قرآن کریم کا ارشاد ہے۔

کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَۃً بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ (حشر آیت ۷) کہ ہم نے دولت مندوں پر زکوٰۃ و عشر و صدقات و خیرات ایسے مالی حقوق اس لئے عائد کیے ہیں کہ مال چند افراد میں ہی گردش نہ کرتا رہے اور چند افراد کے ہاتھوں میں سمٹ کر نہ رہ جائے بلکہ اس کی تحریک و گردش کا دائرہ اس طرح وسیع و عریض ہو کر پورے ملک و ملت کے افراد اس کی نعمتوں سے مستفید و منتفع ہوں۔ آیت مذکورہ کے جملہ مسطور بالا نے اسلام کے نظامِ معیشت

کی روح وخلاصہ کو بڑی جامعیت کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ اسلام کے نظامِ معیشت کے برعکس سرمایہ دارانہ معیشت میں دولت سمٹ کر چند افراد کے ہاتھ میں جمع ہو جاتی ہے جس سے ملک کے چند افراد از حد متموّل و مالدار بن جاتے ہیں اور ملک و قوم کے باقی افراد تنگ دستی و معاشی بدحالی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اسلام نے ایسی سرمایہ داری کی پہلے ہی بیخ کنی کر دی ہے اور اسلامی معاشرہ کو اس طرح کی شکل عطا کی کہ اس پر مہلک و تباہ کن سرمایہ داری کے دھبے کبھی بھی پڑنے نہیں پاتے اور اسلامی معاشرہ میں سرمایہ داری پنپ ہی نہیں سکتی اور دولت کو چند ہاتھوں میں مجتمع و مرتکز ہونے سے روکا اور اس سلسلے میں ایسے حفاظتی بند باندھے کہ اس سے دولت نہ تو چند ہاتھوں میں جمع ہو سکتی ہے اور نہ ہی اس کی افادیت چند افراد تک محدود رہ سکتی ہے۔ بلکہ اس کی حرکت و گردش تمام افرادِ ملک و ملت میں جاری رہتی ہے۔ لہٰذا اس میں نہ تو امیر امیر تر اور نہ ہی غریب غریب تر ہوتے ہیں۔ بلکہ نہایت حسن وخوبی سے غربت و افلاس کا قلع قمع ہو جاتا ہے جس کے نتیجے میں وہ باہمی طبقاتی آگ اور تحاسد و تباغض کی بھٹی ہمیشہ کے لئے سرد ہو جاتی ہے جس سے غریب و مفلس لوگ آمادۂ بغاوت ہو کر اپنی ہی قوم کے خون کا دریا بہا دیتے ہیں اور باہمی کشت وخون جو سوشلزم و کمیونزم اور اشتراکیت کا طرۂ امتیاز ہے، عمل میں نہیں آتا۔ بلکہ معاشرہ کی عمارت دولت کی مساویانہ تقسیم پر کچھ اس طرح سے استوار کی جاتی ہے کہ پورا ملک امن وسکون کا گہوارہ بن جاتا ہے۔
اشتراکی معاشرہ کو جس کی ہوا تک نصیب نہیں ہوتی۔ علامہ اقبالؒ سے اشتراکی معاشرہ کی بابت سنیے۔

رنگ و بُو از تن بگیر و جانِ پاک — جز بہ تن کارے ندارد اشتراک[1]
دینِ آں پیغمبرِ حق ناشناس — بر مساواتِ شکم دارد اساس[2]
تیرے علم یہ حکمت یہ تدبر یہ حکومت — پیتے ہیں لہو دیتے ہیں تعلیم مساوات

لیکن اسلام نے زکوٰۃ، عشر و صدقہ و خیرات ایسے مالی حقوق دولت مندوں اور مالداروں پر قائم کر کے غریبوں اور ناداروں کو ان کی دولت و ثروت میں حصہ دار بنا کر جو مساواتِ حقیقی پیدا کی ہے، اس میں نعرہ بازی اور ملمع سازی نہیں، بلکہ اس کی صدائے مساوات حقیقت و صداقت پر مبنی ہے جو ہمیں صدیوں سے دعوتِ عمل دے رہی ہے جو خاک نشیں غریب کو اٹھا کر تخت نشیں امیر کا ہم پہلو بنا دیتی ہے۔ علامہ اقبالؒ کی زبان سے سنیئے ؂

ہے تازہ آج تک وہ نوائے جگر گداز — صدیوں سے سن رہا ہے جسے گوشِ چرخِ پیر
ہوتا ہے جس سے اسود و احمر میں اختلاط — کرتی ہے جو غریبوں کو ہم پہلوئے امیر

اقبال کس مساوات کا یہ فیضِ عام ہے
رومی فنا ہوا، حبشی کو دوام ہے

نفلی حج سے غریبوں کی امداد بہتر ہے

اسلام کے معاشی نظام میں غربت و افلاس کے دور کرنے کی انتہائی کوشش کی گئی ہے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد اگر کسی کے پاس فاضل دولت موجود ہے، تو اسے بھی اس انداز سے خرچ کرنے کی ہدایت کی گئی ہے کہ غربت

---

[1] اشتراکی معاشرہ کا نظریۂ اشتراکیت و کمیونزم (۲) پیغمبرِ ناحق شناس، یعنی لینن اور کارل مارکس (۳) سوشلسٹوں اور اشتراکیوں پر تنقید ہے۔

کرنے والا اپنا مقصد بھی حاصل کر لے اور اس سے معاشرہ کے بدحال لوگوں کا بھلا بھی ہو جائے۔ مثلاً ایک شخص فاضل دولت سے کوئی ثواب کا کام کرنا چاہتا ہے اور اس سلسلے میں نفلی حج کرنے کا خیال رکھتا ہے تاکہ اسے خدا تعالیٰ کی رضا و خوشنودی حاصل ہو، تو اسلام کے معاشی نظام کی طرف سے اسے ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ نفلی حج کے بجائے اس رقم کو معاشرہ کے بدحال لوگوں پر صرف کر کے خدا کی خوشنودی حاصل کرے۔ اس سلسلے میں ہم امام غزالی علیہ الرحمۃ کا فرمان پیش کرتے ہیں۔

"بہت سے دولت مندوں کو حج پر روپیہ صرف کرنے کا بہت شوق ہوتا ہے۔ وہ بار بار حج کرتے ہیں اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اپنے پڑوسیوں کو بھوکا (اور ضرورت مند) چھوڑ جاتے ہیں (ایسا حج کہاں قبول ہوگا؟) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے صحیح فرمایا ہے کہ (قیامت کی علامت میں سے ایک علامت یہ بھی ہے کہ) اخیر زمانہ میں بلا ضرورت حج کرنے والوں کی کثرت ہوگی، ان کو حج کا سفر بہت آسان معلوم ہوگا (کہ جہاز دن پر آئیں جائیں گے) روپیہ کی ان کے پاس کمی نہ ہوگی (جب کہ معاشرہ کے بدحال اور ضرورت مند لوگ پریشانی میں مبتلا ہوں گے اور یہ نفلی حج کرتے پھرتے ہوں گے) لیکن وہ حج کے ثواب سے محروم وتہی دست واپس آئیں گے ابو نصر علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ ایک شخص امام الاولیا بشر بن حارث کی خدمت میں آیا اور کہا کہ میرا حج کا ارادہ ہے آپ نے پوچھا تیرے پاس کتنی رقم ہے؟ اس نے کہا دو ہزار درہم۔ فرمایا حج سے تیرا کیا مقصد ہے؟ اس نے عرض کی اللہ کی رضا جوئی۔ فرمایا کہ میں تمہیں ایسا کام بتاتا ہوں کہ تمہارے روپے بھی خرچ ہو جائیں اور خدا کی رضا جوئی بھی حاصل ہو اور تمہیں سفر بھی نہ کرنا پڑے" اس نے عرض کی بخوشی؟ فرمایا "اچھا جاؤ اس مال کو لے کے دس آدمیوں کو دے دو جو مقروض ہوں، وہ

اس سے اپنا قرضہ ادا کر دیں اور اگر تمہاری طبیعت چاہے، تو یہ ایک ہی امقروض یا کسی حاجت مند کو دے دو۔

فان ادخالك السرور علی قلب المسلم واغاثة اللهفان وکشف الضر واعانة الضعیف افضل من مائة حجة بعد حجة الاسلام (احیاء العلوم - ج ۲ - ص ۳۹۷)

ترجمہ: کیونکہ مسلمان کے دل کو خوش کرنا، بے کس کی امداد، ضرورت مند کی ضرورت پوری اور کمزور کی اعانت کرنا سو نفلی حج سے افضل ہے (اور اگر تو نے ایسا نہ کیا اور ضرورت مندوں کو چھوڑ کر حج پر چلا گیا، تو تیرا حج قبول نہ ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عہد فرمایا ہے کہ وہ صرف متقین کے عمل کو قبول فرمائے گا۔ (احیاء العلوم، ج ۲۔ ص ۳۹۷۔ طبع مصر)

سوچ تو دل میں لقب ساقی کا ہے زیبا تجھے؟
انجمن ہے پیاسی اور پیمانہ بے صہبا تیرا

ضرورت مند کی ضرورت کو پورا کرنا مسجد کی تعمیر سے بہتر ہے

اسی کتاب میں ایک جگہ امام صاحب فرماتے ہیں کہ بعض لوگ معاشی بدحالی میں مبتلا لوگوں کی ضروریات میں صرف کرنے کی بجائے مساجد کی تعمیر وغیرہ پر خرچ کرتے ہیں، حالانکہ ضرورت مند کی ضروریات کو پورا کرنا مسجد کی تعمیر سے کہیں بہتر اور اہم ہے۔

صرف المال الیهم اهم و افضل واولی من الصرف الی بناء المساجد و زینتها۔

یعنی ضرورت مند مسلمانوں کی ضروریات میں مال خرچ کرنا مساجد کی تعمیر و آرائش پر خرچ کرنے سے زیادہ ضروری و بہتر

اور افضل ہے۔ (ج ۳ - ص ۳۹۶)

پاکستان کی قومی آمدنی اور زکوٰۃ

اگر پاکستان کی قومی آمدنی کی زکوٰۃ پاکستان کے نادار افراد میں تقسیم کی جائے تو اس سے تقسیم دولت کا جس قدر وسیع سلسلہ عمل میں آسکتا ہے، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ۱۹۶۵ء میں پاکستان کی قومی آمدنی پندرہ ارب بیس کروڑ روپے کے قریب تھی۔ زکوٰۃ کی شرح اڑھائی فیصد کے حساب سے قومی آمدنی سے اگر زکوٰۃ نکال لی جائے تو اڑتیس کروڑ پچیس لاکھ روپے سالانہ غریبوں میں تقسیم ہوتے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے ۱۹۶۵ء کا سرکاری بجٹ!

اموال ظاہرہ و باطنہ

اموال کی دو قسمیں ہیں ظاہرہ و باطنہ۔ اوّل الذکر وہ مال ہے جسے گھر میں چھپا کر رکھنا ممکن نہ ہو۔ جیسے جانور اور کھیتی اور ثانی الذکر وہ مال ہے جسے گھر میں چھپایا جاسکتا ہے جیسے سونا اور چاندی۔ ثانی الذکر مال کی زکوٰۃ اگر صاحب مال از خود حکومت کو ادا کرے تو بہتر ورنہ اس سے جبراً وصول نہیں کی جائیگی۔ البتہ اگر سونا چاندی یا نقد عرفی جسے روپیہ کہتے ہیں کو گھر سے باہر کسی دوسری جگہ منتقل کریں جہاں ڈاکوؤں لیٹروں اور چوروں کے شر سے تحفظ دینا حکومت کی ذمہ داری میں آتا ہو اس صورت میں حکومت جبری طور پر اس کی زکوٰۃ بھی وصول کرسکتی ہے۔ بنکوں کا حکم بھی یہی ہے کہ ان کی حفاظت بھی حکومت کی ذمہ داری میں شمار ہوتی ہے۔ زیلعی فرماتے ہیں۔

فیأخذ الصدقات من الاموال یعنی حکومت کا کارندہ ان اموال کی زکوٰۃ

دون الجبایۃ بالحمایۃ۔ (تبیین) وصول کریگا کیونکہ ٹیکس (یا زکوٰۃ) کی وصولی

حفاظت کی وجہ سے اس کا حق ہے۔ التحقائق امام زیلعی ج ۱ صہ ۲۸۲)

نیز وزیر خزانہ یا افسر خزانہ اموال زکوٰۃ کو اسی طرح خرچ کرنے کے پابند ہیں۔ جس طرح قرآن و سنت کی ہدایات ہیں اور قرآن و سنت نے ہر طرح سے اس کی وضاحت کر دی ہے جس کو پیش نظر رکھنے والا غلطی میں نہ پڑے گا۔

صفتِ برق چمکتا ہے مرا فکر بلند!!
کہ بھٹکتے نہ پھریں ظلمتِ شب میں راہی

نگرانی کا حق

اسلام کے معاشی نظام کی برتری کے وجوہات میں سے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس کے اصول خدا تعالیٰ کے وضع کردہ ہیں اور زکوٰۃ دینے والے اور لینے والے اپنی مرضی سے کچھ کہنے یا کرنے کے مجاز نہیں، بلکہ دونوں خدا و مصطفےٰ جل و علا و صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی و امر پر چلنے کے پابند ہیں، اس لئے اسلام زکوٰۃ دینے والوں کی نگرانی کا بھی حق دیتا ہے کہ وہ اس بات کا خیال رکھیں کہ ان کے اموال صحیح مصرف پر صرف ہوتے ہیں یا نہیں، اگر ضرورت پڑے تو ذمہ دار افسر کے خلاف عدالت میں دعویٰ بھی دائر کر سکتے ہیں اور اس کے علاوہ درہم و دینار یعنی نقد رقم اور سونے چاندی کی زکوٰۃ صاحب نصاب اپنی مرضی سے جہاں چاہے دے اور جس مستحق کو مناسب سمجھے عطا کر سکتا ہے، لیکن حکومتِ اسلامیہ کی تجارت پر زکوٰۃ وصول کرنے کا حق ہے، اس میں جو مزاحم ہو اسے باغی تصور کیا جاتا ہے اور امیر اسلام اس سے اکراہ و جبر کے ساتھ زکوٰۃ وصول کر سکتا ہے اور زرعی پیداوار کا عشر بھی حکومتِ اسلامیہ وصول کرنے کی مجاز ہوتی ہے۔ حکومت اسلامیہ اس سلسلے میں پوری توجہ سے اور بلا رورعایت

وصول کی تگ و دو کریں گی تاکہ وہ معاشی بدحالی میں مبتلا افراد کی حالت سدھارنے میں کامیابی سے ہمکنار ہوں ۔

ہر ایک مقام سے آگے گزر گیا ماہِ نو
کمال کس کو میسر ہوا ہے بے تگ و دو

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مصارفِ زکوٰۃ

قرآن کریم میں زکوٰۃ کے درج ذیل آٹھ مصارف بیان کئے گئے ہیں۔

۱۔ فُقراء : جن کے پاس اس قدر سرمایہ نہ ہو جس سے ان کی ضرورت پوری ہو سکے۔

۲۔ مَساکین : جن کے پاس سرے سے کچھ بھی نہ ہو۔ فقیر و مسکین میں فرق آگے چل کر ملاحظہ فرمائیے۔

۳۔ عَاملین : جنہیں حکومت کی طرف سے زکوٰۃ و عشر کی تحصیل پر مامور کیا گیا ہو ان کو زکوٰۃ سے اس قدر دیا جائے گا جس سے ان کی اور ان کے زیر کفالت متعلقین کی ضروریات پوری ہو سکیں۔

مؤلفۃ القلوب : ضعیف الایمان لوگوں کو اسلام پر پختہ کرنے کے لئے یا مائل بہ اسلام لوگوں کو اسلام قبول کرنے کی ترغیب کے سلسلے میں یا معاندین اسلام شر پسندوں کو شر سے باز رکھنے کے لئے زکوٰۃ دی جاتی تھی یہ تینوں گروہ مؤلفۃ القلوب کہلاتے ہیں (فتح القدیر) اس کی مزید تفصیل عنقریب آرہی ہے۔

رقاب : مکاتبین کو بدل کتابت دیکر آزادی سے ہمکنار کرنا۔

۴۔ **غارمین** : وُہ مقروض جن کے پاس اس قدر سرمایہ نہ ہو جس سے وہ قرض ادا کر سکیں۔

۵۔ **ابن السبیل** : مسافر جن کا وطن میں تو سرمایہ ہو لیکن سفر کی حالت میں اُن کا سفر خرچ ختم ہو چکا ہو۔ (ہدایہ جلد اوّل صفحہ ۱۸۷ طبع دہلی)

۶۔ **فی سبیل اللہ** یعنی خدا کی راہ میں ، قرآن کریم میں جہاں کہیں فی سبیل اللہ خرچ کرنے کا ذکر آیا ہے۔ وہاں کبھی تو عام معنی مراد لیا جاتا ہے جس پر لفظ فی سبیل اللہ کی بظاہر دلالت ہے۔ یہ معنی عام جو دراصل لفظ فی سبیل اللہ کا مدلول ہے ہر قسم کی نیکی اور ہر طرح کے کارِ خیر کو شامل ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

مثل الذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللہ کمثل حبۃ انبتت سبع سنابل فی کل سنبلۃ مائۃ حبۃ۔ الی آخرھا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"الذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللہ ثم لا یتبعون منا ولا اذی لھم اجرھم۔ الی آخرھا۔

اس قسم کے ارشاد باری تعالیٰ میں واقع ہونیوالے لفظ "فی سبیل اللہ" کو کسی نے بھی جہاد کے معنی کے ساتھ مختص نہیں کیا بلکہ اس سے معنی عام مراد لیا جاتا ہے جس کا تعلق ہر مستحق امداد سے ہے خواہ وہ کوئی بھی کار خیر انجام دے رہا ہو ، تنہا ہو یا ادارہ کی شکل میں ہو۔

کبھی لفظ "فی سبیل اللہ" سے معنی خاص مراد لیا جاتا ہے اور وُہ اللہ کے دین

کی مدد، اس کے دشمنوں سے جنگ اور رشتے زمین پر اس کا بول بالا کرنا ہے حتیٰ کہ کفر کا فتنہ فرو ہو اور اس کا دین غالب۔ اور آیت کے سیاق وسباق سے ہی پتہ چل سکتا ہے کہ "فی سبیل اللہ" سے وہاں کون سا معنی مراد ہے۔ عام یا خاص؟ اور یہ خاص معنی قتال وجہاد کے ذکر کے بعد آیا کرتا ہے۔ مثلاً

"قاتلوا فی سبیل اللہ" "وجاھدوا فی سبیل اللہ"

اور اسی طرح کفار کے ساتھ جنگ کے ذکر کے بعد فرمایا گیا۔

"وانفقوا فی سبیل اللہ" ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ (بقرہ ۱۹۰)

بلاشبہ یہاں انفاق فی سبیل اللہ سے مراد، اسلام کی امداد وحمایت کرنا، دشمنانِ اسلام جو لوگوں کو اسلام لانے سے روکتے ہیں کے مقابلہ میں اللہ کی توحید و اسلام کا بول بالا کرنا ہے اسی طرح آیت کریمہ انما الصدقات میں وارد ہونے والے لفظ "فی سبیل اللہ" کا سیاق وسباق بھی اسی معنیٰ خاص کو متعین کر رہا ہے بلکہ اس سورہ مبارکہ کا آغاز ہی کفار ومشرکین سے برأت کے ساتھ ہو رہا ہے جو ان کے لئے کھلا اعلان جنگ ہے۔ پھر خصوصیت کے ساتھ اس آیت کے آگے اور پیچھے کی آیات بھی اسی معنیٰ خاص کے مراد و متعین ہونے کو واضح کر رہی ہیں۔ وہ یہ کہ یہاں فی سبیل اللہ سے مراد جہاد و اسلام کی امداد وحمایت میں خرچ کرنا ہے۔ وہ عام معنی مراد نہیں کیونکہ اگر وہ معنی عام مراد لئے جائیں اور کہا جائے کہ اس سے مراد ہر اچھے اور تعمیری کام میں خرچ کرنا ہے تو اس صورت میں مصارف کا آٹھ میں انحصار بے معنی سا ہو کر رہ جاتا ہے کیونکہ خدا کی راہ میں عام خرچ کرنے کے مواضع واقسام ومواقع آٹھ میں منحصر نہیں بلکہ وہ بیسیوں اقسام ومواقع ہیں اور ہر قسم کے سینکڑوں افراد ہیں بلکہ فی سبیل اللہ سے

ہر نیک کام میں خرچ کرنے کے معنی مراد لینے کے بعد باقی سات مصارف کے علیحدہ طور پر ذکر کرنے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہ جاتی بلکہ ان کا علیحدہ ذکر کرنا بلاوجہ تکرار سا قرار پاتا ہے جب کہ کلام الٰہی کچھ ایسا معجز واقع ہوا ہے کہ اس میں اس قسم کے بے فائدہ تکرار کا تصوّر تک نہیں کیا جا سکتا۔

لہٰذا ضروری ہے کہ یہاں "فی سبیل اللہ" سے ایسا خاص معنی مراد لیا جائے جو اسے بقیہ سات مصارف سے ممتاز کر دے۔ یہی وہ مفہوم ہے جسے شروع سے لے کر اب تک ائمہ تفاسیر و فقہاء مجتہدین اختیار کرتے چلے آئے ہیں اس سلسلے میں دوسرے دلائل بھی ہیں اور اس سب کچھ کی بنیاد پر ائمہ کرام نے یہاں "فی سبیل اللہ" سے مراد جہاد لیا ہے اور یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ جب "فی سبیل اللہ" کا لفظ مطلق ہو تو اس سے جہاد ہی مراد ہوگا۔ چنانچہ امام علامہ ابن اثیر جزری علیہ الرحمۃ متوفی ۶۰۶ھ معاصر امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ "النہایہ" میں لکھتے ہیں کہ

سبیل اللہ عام یقع علی کل عمل خالص سُلک بہ طریق التقرب الی اللہ تعالیٰ باداء الفرائض والنوافل وانواع التطوعات واذا اطلق فہو فی الغالب واقع علی الجہاد حتی صار لکثرۃ الاستعمال کأنہ مقصور

(النہایہ ج ۲ صفحہ ۳۲۸/۳۲۹ طبع بیروت)

سبیل اللہ کا لفظ عام ہے جو فرائض کی بجا آوری و نوافل اور دیگر قسم کے اچھے کاموں کے ذریعے اختیار کئے جانیوالے ہر خالص عمل کو جس سے خدا کا قرب مقصود ہو شامل ہے اور جب علی الاطلاق اس لفظ کا استعمال ہو تو غالباً اس سے جہاد ہی مراد ہوتا ہے یہاں تک کہ اس کا استعمال جہاد کے معنی میں اس کثرت سے ہوا ہے کہ گویا اس کا معنی جہاد ہی ہو

کر رہ گیا ہے۔

ایسی احادیث بکثرت موجود ہیں جن میں " فی سبیل اللہ " کے لفظ کا علی الاطلاق استعمال ہوا ہے اور ائمہ کرام نے اسے " جہاد " پر بھی محمول کیا ہے۔ اس قسم کے عام کے تمام قرائن اسباب کے حق نہیں جاتے ہیں کہ مصارف زکوٰۃ کی آیت میں وارد ہونے والے لفظ " فی سبیل اللہ " سے جہاد ہی مراد ہے جیسا کہ جمہور ائمہ کا مذہب ہے ' وہ عام معنی مراد نہیں جو محض لغوی حیثیت رکھتا ہے۔

فقہ حنفی ؛ فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ میں ہے کہ فی سبیل اللہ سے مراد مجاہد ہے لیکن حنفیہ اس میں یہ شرط عائد کرتے ہیں کہ وہ فقیر و حاجت مند ہو اور سامان جنگ از خود لینے کی استطاعت بھی نہ رکھتا ہو یہ امام ابو یوسف و امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے جب کہ امام محمد اس میں حاجت مند حاجی کو بھی شامل کرتے ہیں علامہ عینی لکھتے ہیں کہ امام ابو یوسفؒ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کا فی سبیل اللہ سے مراد مجاہد لینا اس لئے ہے کہ جب فی سبیل اللہ علی الاطلاق استعمال ہوتا ہے تو اس کے معنی جہاد ہی ہوتے ہیں (حواشی ہدایہ علامہ بدر الدین عینی ج ۱۰ ص ۱۸۷ طبع دہلی)

فقہ شافعی ؛ فقہ شافعی کی رو سے بھی فی سبیل اللہ سے مجاہد مراد ہے چنانچہ امام جلیل مجتہد نبیل امام شافعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ۔

ویعطی من سهم سبیل اللّٰه	سبیل اللہ کی مد سے اسے دیا جائے گا جو
جل و عز من غزا من جیران الصدقة	مجاہد ہو خواہ غنی ہو یا محتاج اور مجاہدین
فقیرا کان او غنیا ولا یعطی	کے سوا کسی اور کو نہ دیا جائے گا

غیرھو (کتاب الام امام شافعی جلد ۲ ص ۶۲)

اس میں بھی فی سبیل اللہ کے مصرف کو مجاہد کے ساتھ مختص کر دیا گیا ہے اور یہی حنفیہ کا مذہب ہے جیسا کہ ہدایہ کے حوالہ سے گذرا مگر حنفیہ مجاہد کے لئے فقر و ناداری کی شرط عائد کرتے ہیں جب کہ امام شافعی اس حکم کو عام رکھتے ہوئے غنی اور غیر غنی دونوں مجاہدوں کے لئے زکوٰۃ صرف کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں۔

فقہ مالکی: فقہ مالکی کی رو سے بھی فی سبیل اللہ سے مجاہد مراد ہے چنانچہ فقہ مالکی کی مشہور کتاب "المدونۃ الکبریٰ" میں امام جلیل مجتہد نبیل امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ کا ارشاد اس طرح ہے۔

وسألناه عن الرجل يوصي بالنفقة في سبيل الله؟ قال يبدأ بأهل الحاجة الذين في سبيل الله۔
(المدونۃ ج ۱ ص ۳۰۲)

ہم نے امام مالک سے ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا جس نے فی سبیل اللہ خرچ کرنے کی وصیت کی آپ نے فرمایا اس کی ابتداء ان ضرورتمندوں سے کی جائے جو خدا کی راہ میں ہیں

امام مالک علیہ الرحمۃ کے اس ارشاد گرامی میں اہل حاجت فی سبیل اللہ کا ذکر ہے یعنی وہ حضرات جنہیں راہ خدا میں خرچ کی حاجت و ضرورت پیش آ گئی ہو اور وہ مجاہدین ہی ہیں چنانچہ علامہ شیخ احمد فقیہ مالکی لکھتے ہیں۔

(وفي سبيل الله) القائمين بالجهاد واشترى منها آلته من سلاح ودرع وفرس ومذهب مالك ان طلبة العلم المنهمكين فيه لهم الاخذ من

اور اللہ کی راہ میں یعنی ان لوگوں کو جو جہاد میں مصروف ہیں وہ زکوٰۃ سے جنگی ہتھیار و زرہ اور گھوڑا خریدیں گے اور امام مالک کا مذہب ہے کہ جو علم دین کے طلبگار اور علم دین میں

الزکوٰۃ والواغنیاء اذا انقطع حقہم من بیت المال لانہم مجاھدون (حاشیہ الصاوی علی الجلالین ج ۲ صہ ۱۳۲)

لگے ہوئے ہیں ان کے لئے زکوٰۃ لینا جائز ہے اگرچہ وُہ غنی ہوں جب کہ بیت المال سے ان کا حق منقطع ہو گیا ہے کیونکہ وُہ بھی مجاہدین ہیں

علامہ شیخ احمد صاوی مالکی علیہ الرحمتہ نے امام مالک کا مذہب بیان فرما کر اس حقیقت کو کھول کر رکھ دیا ہے کہ "فی سبیل اللہ" سے جو مجاہدین مراد لئے جاتے ہیں ضروری نہیں کہ وُہ جہادِ عسکری میں مصروف ہوں بلکہ جہاد عام ہے خواہ جنگ کی صورت میں تلوار کے ساتھ ہو یا علم دین کی نشر و اشاعت اور دین کی تبلیغ کی شکل میں ہو۔ گویا جو شخص بھی دین اسلام کی حمایت و اعانت کا کام کر رہا ہو وہ مجاہد فی سبیل اللہ ہے لہذا وُہ "فی سبیل اللہ" کی مد میں زکوٰۃ کا مستحق ہے اور اس حقیقت سے کس عقل مند کو انکار ہو سکتا ہے کہ جس طرح تلوار وغیرہ کے ذریعے جہاد ہوتا ہے ایسے ہی زبان و قلم سے بھی ہوتا ہے۔ بلکہ علمی و فکری صلاحیتوں کو کام میں لاتے ہوئے زبان و قلم سے جہاد کرنا، جہاد بالسیف اور جنگی ہتھیاروں کے ساتھ جہاد کرنے سے کہیں زیادہ موثر ہے۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کافروں کی مذمت اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں شعر کہتے تھے۔ اسی حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمرۃ القضاء کے وقت مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے اور حضرت عبداللہ بن رواحہ آپ کے آگے آگے چل رہے تھے اور کہتے جا رہے تھے۔

خلّوا بنی الکفر عن سبیلہ ۔ الیوم نضربکم علی تنزیلہ

ضربا یزیل الھام عن مقیلہ ۔ ویذھل الخلیل عن خلیلہ

ترجمہ: کافروں کے بیٹو! حضور کے راستے سے الگ ہو جاؤ آج ہم حضورؐ کے

مکہ میں وارد ہونے پر تمہیں ضرب کاری لگائیں گے۔ اگر تم نے عہد شکنی کی ایسی کاری ضرب لگائیں گے کہ وہ تمہاری کھوپڑیوں کو ان کی جگہ سے پرے کردیگی اور دوست کو دوست سے بے خبر کر دیگی۔

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عبد اللہ بن رواحہ سے فرمایا کہ اے ابن رواحہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور حرم الہٰی میں شعر گوئی کر رہے ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عمر!

خل عنه فلهو اسرع فيهم من نضح النبل (نسائی شریف جلد ۲ صفحہ ۲۹)	اسے کچھ نہ کہو اس کا کلام کفار پر تیر اندازی کی نسبت کہیں زیادہ تیز اثر کرنے والا ہے

اس حدیث کو امام نسائی کچھ آگے چل کر محمد بن عبد الملک کے طریق سے پھر لاتے ہیں اس میں ہے

والذی نفسی بیدہ لکلامه اشد علیھم من وقع النبل (نسائی ج ۲ ص ۳۲)	خدا کی قسم اس کلام کا کافروں پر تیر اندازی سے کہیں زیادہ سخت ہے۔

اس حدیث شریف میں واضح ہو گیا کہ جہاد صرف فوجی قوت کے ذریعے ہی نہیں کیا جاتا بلکہ جہاد قوۃ فکری وقوۃ علمی کے ذریعے بھی ہوتا ہے اسی طرح اقتصادی و سیاسی قوت سے لادین عناصر کا مقابلہ کرنا بھی جہاد ہے ان تمام امور میں ضروری ہے کہ بنیادی شرط پائی جائے اور وہ یہ کہ ان تمام امور میں اسلام کی سربلندی و دین حق ہی کا بول بالا مقصود ہو اس سلسلے میں زکوۃ خرچ کی جائے گی اور بلاشبہ اس کا شمار مصارف ثمانیہ میں سے "فی سبیل اللہ" کے ہی مصرف میں ہو گا چنانچہ امام المفسرین

امام ابو جعفر طبری علیہ الرحمۃ متوفی ۳۱۰ھ اپنی مشہور تفسیر جامع البیان میں ارشاد فرماتے ہیں۔

یعنی وفی النفقۃ فی نصرۃ دین اللّٰہ وطریقہ وشریعتہ التی شرعھا لعبادہ بقتال اعدائہ وذلک ھو غزو الکفار۔

(تفسیر طبری ج ۱۰ صہ ۱۴۴)

یعنی فی سبیل اللّٰہ سے مراد اللّٰہ کے دشمنوں سے قتال و جنگ کے ذریعے اللّٰہ کے دین، اس کی راہ اور اس کی اس شریعت کی حمایت میں خرچ کرنا جو اس نے اپنے بندوں کے لئے تجویز کی ہے، یہی کفار کے ساتھ جہاد ہے۔

امام ابن جریر علیہ الرحمۃ کے ارشاد سے بھی یہ حقیقت اور مدلل ہو گی کہ کفار و ملحدین کے مقابلہ اور دین اسلام و شریعت مطہرہ کی تائید و حمایت اور اس کی اشاعت فروغ میں " فی سبیل اللّٰہ " کی مد میں سے زکوٰۃ خرچ کی جا سکتی ہے اور یہ امر بھی ائمہ اربعہ و دیگر جمہور فقہاء کے نزدیک مسلم ہے کہ جن پر فی سبیل اللّٰہ کی مد سے زکوٰۃ خرچ ہو وہ افراد ہوں لیکن مالکی فقہ کے جمہور علماء افراد کی شرط بھی عائد نہیں کرتے بلکہ وُہ کہتے ہیں کہ جہاد کے تمام مصالح و ضروریات میں زکوٰۃ صرف کی جا سکتی ہے خواہ اس سے افراد و اشخاص کو فائدہ پہنچے یا پورے اجتماعی معاشرۂ اسلامیہ کو مجاہدین کو، بہر صورت موصوف کے نزدیک بھی " فی سبیل اللّٰہ " سے جہاد ہی مراد ہے۔

فقہ حنبلی کی رو سے بھی " فی سبیل اللّٰہ " سے مجاہدین پر خرچ کرنا ہے۔ چنانچہ الانصاف میں ہے۔

السابع فی سبیل اللّٰہ وھم

یعنی ساتواں مصرف فی سبیل اللّٰہ

الغزاۃ الذین لادیوان لھم. ہے اور وُہ ایسے مجاہدین ہیں جن کا
(الانصاف ج ۳ صہ ۲۳۵) بیت المال سے کوئی وظیفہ نہیں۔

فقہ حنبلی میں بھی فی سبیل اللہ سے مجاہدین کا بطور مصرف مراد ہونا واضح ہوگیا۔

ائمہ اربعہ کا متفق علیہ موقف

تین امور ایسے ہیں جن پر ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کا اتفاق ہے۔ ایک یہ کہ قطعی طور پر جہاد فی سبیل اللہ میں داخل ہے۔ دوئم یہ کہ زکوٰۃ کا اشخاص مجاہدین پر صرف کرنا جائز ہے لیکن جہاد کے مصالح و ضروریات پر صرف کرنا بغیر اس کے کہ افراد پر خرچ ہو اختلافی چیز ہے۔ سوئم یہ کہ بندوں، پلوں، مساجد و مدارس اور ہسپتال کی تعمیر، سڑکوں کی تعمیر و مرمت، مردوں کے کفن اور اس قسم کے قومی و رفاہی کاموں پر زکوٰۃ صرف کرنا جائز نہیں ہے۔ احناف کے نزدیک تو اس لئے کہ ان امور میں تملیک کی شرط کا فقدان ہے اور دیگر ائمہ کے نزدیک اس لئے کہ یہ امور مصارفِ ثمانیہ میں سے نہیں ہیں۔ ائمہ اربعہ کے علاوہ بھی جمہورِ ائمہ کا یہی مذہب ہے۔

فقہ حنفی کا عندیہ تو ہے ہی اور دیگر ائمہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ ان مصارف اور جو ان مصارف کی تشریح و تفسیر کے مطابق مستحق ہیں کے علاوہ زکوٰۃ کسی دوسرے مصرف میں نہیں دی جا سکتی۔ چنانچہ فقہ مالکی کی مشہور کتاب "المدونۃ الکبریٰ" میں ہے کہ۔

قال مالک بن انس لایجزئہ ان یُعطیٰ من زکوٰۃ فی کفن میت امام مالک بن انس نے فرمایا کہ میت کے کفن میں زکوٰۃ دینا جائز نہیں کیونکہ صدقہ

لان الصدقة للفقراء والمساكين ومن سمى الله وليس للاموات ولا لبناء المساجد شئ
(المدونة ج صـ ۲۹۹)

زکوٰۃ فقراء و مساکین اور ان لوگوں کے لئے ہی ہے جن کا اللہ تعالیٰ نے مصارف میں ذکر فرما دیا، مردوں کے لئے نہیں اور نہ ہی مساجد کی تعمیر کے لئے کچھ جائز ہے

امام مالک علیہ الرحمۃ کے ارشاد سے بھی واضح ہو گیا کہ رفاہی کاموں میں اگرچہ وہ عبادت خانہ ہی کیوں نہ ہو زکوٰۃ خرچ کرنا جائز نہیں ہے اسی طرح امام ابن قدامہ علیہ الرحمۃ المغنی میں فرماتے ہیں۔

فقہ حنبلی، اسی طرح فقہ حنبلی کی مشہور کتاب المغنی میں ہے۔

ولا يجوز صرف الزكاة الى غير ذكر الله تعالى من بناء المساجد والقناطر والسقايات واصلاح الطرق وسد البثوق وتكفين الموتى والتوسعة على الاضياف واشباه ذلك من القرب التى لم يذكرها الله تعالى۔
(المغنى لابن قدامة رحمه الله تعالى ج ۲ صـ ۶۶۷)

اور جن مصارف کا اللہ نے قرآن میں ذکر کر دیا ہے ان کے علاوہ مسجدوں، پلوں اور سبیلوں کی تعمیر، سڑکوں کی مرمت، سیلاب کے آگے بند کی تعمیر، مردوں کے کفن دینے، مہمان خانوں اور اسی طرح کے نیک کاموں پر جن کا قرآن کے مصارفِ زکوٰۃ میں اللہ نے ذکر نہیں کیا زکوٰۃ خرچ نہیں کی جا سکتی۔

اس سے واضح ہو گیا کہ ائمہ مذاہب اربعہ رفاہی کاموں میں جہاں مالک ہونے اور وصول کی صلاحیت کا فقدان ہے وہاں زکوٰۃ کے خرچ کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ علامہ یوسف قرضاوی نے بھی ائمہ اربعہ کا یہی مسلک

نقل کیا ہے۔

عدم جواز صرف الزکوٰۃ فی جہات الخیر والاصلاح العامۃ من بناء السدود والقناطر وانشاء المساجد والمدارس واصلاح الطرق وتکفین الموتی ونحو ذلک والغالب ہذہ الامور علی موارد بیت المال الاخری من الفیء والخراج وغیرہما وانما بعد بعض الصرف فی ہذہ الامور لعدم التملیک فیہا کما یقول الحنفیۃ اولخروجہا عن المصارف الثمانیۃ کما یقول غیرہم

(فقہ الزکوٰۃ ج ص۳۳۲)

ائمہ اربعہ مساجد، سیلاب کے بند، پلوں اور مدارس کی تعمیر، سڑکوں کی مرمت، مردوں کی تکفین ایسے نیک کاموں اور رفاہی منصوبوں میں زکوٰۃ صرف کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس قسم کے تعمیری اور رفاہی کام بیت المال کی مالِ غنیمت اور خراج ایسی دوسری آمدنیوں سے کئے جائیں۔ ان امور پر زکوٰۃ یا تو تملیک کے نہ ہونے کی وجہ سے ہے جیسا کہ حنفیہ کا مذہب ہے یا قرآن کے بیان کئے ہوئے آٹھ مصارف سے باہر ہونے کی وجہ سے جیسا کہ دوسرے ائمہ فرماتے ہیں۔

الغرض، حنفیہ چونکہ زکوٰۃ کی ادائیگی میں تملیک کو رکن قرار دیتے ہیں اور رفاہی کاموں میں تملیک نہیں پائی جاتی اس لئے وہ رفاہی کاموں میں زکوٰۃ کو صرف کرنے کی اجازت نہیں دیتے اور دوسرے ائمہ جو زکوٰۃ کی ادائیگی میں تملیک کو رکن نہیں سمجھتے وہ رفاہی کاموں میں زکوٰۃ کے خرچ کرنے کی اس لئے اجازت نہیں دیتے کہ ان کے نزدیک یہ رفاہی کام ان آٹھ مصارف میں شامل نہیں جن کا قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ نے ذکر فرمایا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ انما الصدقات میں لفظ انما حصر کے لئے ہے۔ جس کا

مقصد یہ ہے کہ ان آٹھ امور کے علاوہ کسی اور کام میں زکوٰۃ صرف نہ کی جاتے اور یہ کہ ملکی و ملی رفاہی کام بیت المال (خزانہ) کی دوسری آمدنیوں سے کیے جائیں۔ جیسے مالِ غنیمت اور خراج ایسی دوسری مدیں ہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ

یہاں کہا جا سکتا ہے کہ آج کے دور میں مالِ غنیمت خزانہ کی آمدنیوں میں نہیں اور نہ ہی خراج کی کوئی اس قدر آمدنی ہے تو رفاہی کاموں کے مصارف کا کیا ہو گا اس سلسلے میں یہ جواب ہو سکتا ہے کہ اس وقت اور مدیں ایسی بھی ہیں جو اُس زمانہ میں نہیں ہوا کرتی تھیں۔ اس وقت بیشمار محکمے ایسے ہیں جو کروڑوں روپے کی بچت کر رہے ہیں جنہیں حکومت تجارتی بنیادوں پر چلا رہی ہے۔ مثلاً کسٹم، کانیں، سواری ٹیکس، ریلوے، بسیں، ٹیلی فون، تار، ریڈیو، ٹی وی، اخبارات (پانچوں مواصلات کے محکمہ کے اہم پیداواری شعبے ہیں) بجلی سیاحت، ڈاک، کورٹ فیس وغیرہ ایسے بے شمار ذرائع ہیں۔ اگر حکومت ان سے متعلقہ لگان یا ٹیکس نصف کی حد تک بھی کم کر دے اور انکم ٹیکس سرے سے ختم یا اس میں اچھی خاصی کمی کر دے جب بھی تمام ملکی مصارف پورے ہو سکتے ہیں بشرطیکہ حکومت اپنے غیر ضروری مصارف ترک یا ان میں معقول حد تک کمی کر کے کفایت شعاری اور قناعت سے کام لے۔ جبکہ کوشش یہ ہو کہ کسٹم اور مروجہ ٹیکس ختم کر دیئے جائیں جو شرعاً جائز نہیں۔

بعض ائمہ کا مذہب

تاہم بعض ائمہ و محققین فقہاء۔ جن کی تعداد بہت ہی قلیل ہے اس طرف گئے ہیں کہ قرآن میں وارد لفظ "فی سبیل اللہ" ایک ایسا لفظ ہے جس کے معنی میں بڑی وسعت و گنجائش ہے یعنی "خدا کی راہ" میں۔ اس میں ہر تعمیری کام جو ثواب کی نیت سے کوئی شخص یا ادارہ کرتا ہے

شامل ہے۔ چنانچہ امام فخر الدین رازی علیہ الرحمتہ امام قفال علیہ الرحمتہ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں۔ انہوں نے لکھا ہے کہ بعض فقہاء نے فی سبیل اللہ میں ہر اس کام کو شامل کرتے ہیں جس کا فائدہ کسی شخص کو حاصل ہو یا جماعت کو یا پوری قوم و امت کو۔

انهم اجازوا صرف الصدقات الی جمیع وجوہ الخیر من تکفین الموتی وبناء الحصون وعمارۃ المساجد قولہ "فی سبیل اللّٰہ" عام فی الکل

(تفسیر کبیر جلد ۱۶ صہ ۱۱۳)

یعنی بعض فقہاء نے مردوں کی تکفین قلعوں کی تعمیر و مساجد کی عمارت ایسے تمام نیک کاموں میں زکوٰۃ صرف کرنے کو جائز قرار دیا کیونکہ ان کے نزدیک "فی سبیل اللہ" کل کو شامل ہے۔

علامہ یوسف قرضاوی نے البتہ فی سبیل اللہ کے معنی میں اس حد تک توسیع کے خیال کا اظہار فرمایا ہے کہ "فی سبیل اللہ" سے جو مجاہد و غازی مراد لیا جاتا ہے۔ اس سے صرف وہ مجاہد و غازی ہی مراد نہیں جو عرفی و عسکری جہاد کا مجاہد ہے۔ بلکہ مجاہد عام ہے تلوار و بندوق سے کرنے والا ہو یا قوت علمی و فکری سے کرنے والا لہذا اس میں جہاد کی وہ تمام صورتیں داخل ہو جاتی ہیں جن سے کفار و لادین عناصر سے مقابلہ کیا جاتا ہے خواہ وہ کفار و لادین عناصر اندرون ملک ہوں یا بیرون ملک اس تعبیر میں جہاد معروف کے علاوہ کفار و لادین عناصر سے تقریر و تحریر ایسے ہر تعمیری و دینی منصوبوں کے ذریعے مقابلہ کرنا بھی شامل ہو جاتا ہے۔ مثلاً مقامات مقدسہ کو کفار یہود سے آزاد کرانا، غیر مسلم اقوام کے تسلط سے مسلمانوں کو آزادی دلانا جیسے مسئلہ کشمیر وغیرہ ہے اسی طرح نظریاتی و فکری اعتبار سے مسلمانوں کی راہنمائی کرنا، تبلیغ کے لئے وفود بھیجنا، مخالفین اسلام کے باطل و بے ہودہ نظریات کی تردید میں کتابیں اور رسائل لکھنا اور انہیں مفت یا کم قیمت پر

فراہم کرنا۔ یہ تمام صورتیں جہاد فی سبیل اللہ میں آجاتی ہیں۔ راقم الحروف علامہ یوسف قرضاوی کی نسبت فی سبیل اللہ کے مفہوم میں مزید اس حد تک توسیع کا بھی قائل ہے کہ ہر اس تعمیری کام پر زکوٰۃ کی رقم صرف کی جاسکتی ہے۔ جس کے ذریعے مسلمانوں کی توجہ غیر مسلم اقوام سے ہٹانا مقصود ہو، یعنی غیر مسلم اقوام کوئی تعمیری کام کر کے اس کے ذریعے غریب مسلمانوں کو اپنی طرف متوجہ کر رہے ہوں اور اندیشہ ہو کہ اگر یہاں مسلمانوں یا مسلمان حکومت کی طرف سے غیر مسلموں کے مقابلہ میں اس طرح کے تعمیری کام کے ذریعے عوام کو سہولت نہ پہنچائی گئی تو عوام غیر مسلموں کی ان سہولتوں سے استفادہ کر کے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہیں گے اور اس طرح اسلام سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے تو ایسے موقع پر مد زکوٰۃ میں سے خرچ کر کے عامۃ الناس کے لیے ویسا تعمیری و رفاہی کام کرنا بلاشبہ جہاد فی سبیل اللہ کا مصداق قرار پاتا ہے۔ خواہ یہ تعمیری کام ہسپتال کا قیام ہو یا سکول کا اجراء یا سڑک کی تعمیر۔ بشرطیکہ آٹھ مصارف کے مستحقین کو اولیت دی جائے۔ اور ان کی ضروریات پوری ہو چکی ہوں اور اب وہ زکوٰۃ لینے کے خواہش مند ہی نہ رہے ہوں۔

اور یہ کہ خزانے میں عشر و زکوٰۃ کے علاوہ دوسری کسی مد میں سرمایہ موجود نہ ہو اور اگر ملک میں آٹھ مصارف میں سے کوئی حقدار باقی ہے یا کسی کی ضرورت ابھی پوری نہیں ہوئی یا دیگر کسی مد کا سرمایہ موجود ہے تو اس صورت میں زکوٰۃ کا روپیہ رفاہی کاموں پر خرچ کرنا جائز نہ ہوگا۔ غرضیکہ فی سبیل اللہ "کا ایک تو لغوی معنی ہے جس میں سارے کے سارے اچھے کام داخل ہو جاتے ہیں خواہ ان کی افادیت اشخاص کو ہو یا اجتماعیت کی صورت میں معاشرے کے تمام افراد کو اور دوسرا خاص معنی ہے یعنی وہ کام جو دشمنان دین و مخالفین اسلام کی جنگی اور معاشرتی و اخلاقی سازشوں کو ناکام کرنے کے لئے کئے

جائیں جیسا کہ آج ہم پاکستان کے اندر اور باہر اس قسم کی سازشیں دیکھ رہے ہیں کہ کہیں تو وہ جدید ترین اسلحہ سے مقابلہ کی تیاریاں کر رہے ہیں اور کہیں ہسپتال قائم کر کے مریضوں کو زیادہ سے زیادہ سہولتیں پہنچا کر اپنے آپ کو عمدہ اخلاق کا حامل ثابت کر کے مریضوں کو اپنے نظریات کی طرف مائل کر رہے ہیں اور کہیں سکول اور کالج قائم کر کے عوام کو تعلیمی سہولتیں فراہم کر رہے ہیں اور اپنے مخصوص نظریات نسل نو تک پہنچا رہے ہیں اور کہیں کتابیں چھاپ چھاپ کر مفت تقسیم کرتے پھر رہے ہیں۔ بلاشبہ ہر محاذ پر دشمنانِ اسلام کا مقابلہ کرنا اور ان کی سازشوں کو ناکام بنانا اور اس سلسلے میں بر وقت مجبوری مد زکوٰۃ سے بھی خرچ کرنا "فی سبیل اللہ" کا مصداق ہے۔ آیت کریمہ میں یہی خاص معنی مراد ہے۔ وہ عام معنی مراد نہیں جس میں اس خصوصیت سے قطع نظر ہر اچھا کام شامل ہو جاتا ہے خواہ اس کا فائدہ کسی خاص شخص کو حاصل ہو یا عامۃ الناس کو کیونکہ یہ عام معنی مراد لینے سے زکوٰۃ کے مصارف کا تعدد بے معنی سا ہو کر رہ جاتا ہے اس سلسلے میں علامہ یوسف قرضاوی کی رائے بھی یہی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

ان الذی ارجحه ان المعنی العام لسبیل اللہ لا یصلح ان یراد هو هنا لانه بهذا العموم یتسع لجهات کثیرة لا تحصر اصنافها فضلا عن اشخاصها و هذا ینافی حصر المصارف فی

یعنی جس بات کو میں ترجیح دیتا ہوں وہ یہ ہے کہ سبیل اللہ کا یہاں عام معنی مراد لینا درست نہیں کیونکہ اس عموم سے خدا کی راہ میں خرچ کرنے کی بہت سی صورتیں نکل سکتی ہیں جن کے اقسام کا احاطہ ممکن نہیں چہ جائے کہ ان کے افراد کا حصر

ثمانية، كما هو ظاهر الآية۔

کیا جائے اور یہ معنی مصارف کے آٹھ اقسام میں حصر کے منافی ہے جیسا کہ آیت کے ظاہر سے حصر معلوم ہوتا ہے۔

(فقه الزكوة ج ۲ ص ۶۵۵)

جو کچھ "فی سبیل اللہ" کے سلسلے میں راقم نے جو عرض کیا ہے علماء خراسان کے مندرجہ خیال سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے جیسا کہ المجموع میں ہے۔

ان شاء اشترى من سهم سبيل الله سبحانه وتعالى افراسا وآلات الحرب وجعلها وقفا فى سبيل الله ويعطيهم عند الحاجة ما يحتاجون اليه ثم يرد وبه اذا انقضت حاجتهم يختلف المصلحة فى ذلك بحسب قلة المال وكثرته۔

(المجموع شرح المهذب ج ۶ ص ۲۱۲/۲۱۳)

اگر سربراہ چاہے تو سبیل اللہ (زکوٰۃ) کی مد سے گھوڑے اور جنگی سامان خریدے اور مجاہدین کو ان کا مالک بنانے و شخصی تملیک کرنے کی بجائے، ان کو خدا کی راہ میں وقف کر دے اور یہ بر وقت ضرورت جس کی انہیں حاجت ہو بوقتِ حاجت انکو دیدیا کرے پھر مجاہدین وہ سامان واپس کر دیا کریں خزانے میں مال کی قلت و کثرت کے مطابق مصلحتیں بدلتی رہتی ہیں۔

یہاں یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ عام طور پر زکوٰۃ میں تملیک ضروری ہے اور یہ کہ مصارف میں اس کا لحاظ رکھا جائیگا کہ تملیک کی صورت موجود ہونی چاہیئے کہ احناف کا مذہب ہے اور آٹھ مصارف سے تجاوز نہ کیا جائیگا جیسا کہ دیگر ائمہ ثلاثہ کا خیال ہے لیکن اگر خزانے میں اسبات کی گنجائش نہ ہو کہ مجاہدین کو مسلح کر کے اسلحہ و دیگر ضروریات کا ان کو مالک بنایا جا سکے تو سربراہ مملکت جنگی ساز و سامان کو جو زکوٰۃ سے خریدا گیا

وقف کردے جسے مجاہدین ضرورت کے وقت استعمال کریں اور ضرورت کے پورا ہو جانے کے بعد اسے واپس کر دیا کریں۔ اس صورت میں ہمارے اس خاص معنی کی تائید کا پہلو نکلتا ہے جو ہم نے "فی سبیل اللہ" سے متعلق بیان کیا ہے کہ اس دور میں مخالفین اسلام کے ساتھ جنگ کرنے کے محاذ بہت سی صورتوں میں کھل چکے ہیں۔ کہیں اسلحہ کے ذریعے جنگ ہو رہی ہے اور کہیں تبلیغ و تعلیم کے انداز سے اور مخالفین اسلام کہیں کھلے طور پر اور کہیں اسلام کا لبادہ اوڑھ کر قریہ قریہ اور شہر شہر وارد ہو چکے ہیں اور مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے کے مختلف حیلے اپنائے ہوئے ہیں اس لئے جہاں جس تعمیری کام کے ذریعے مخالفین اسلام سے مقابلہ کی ضرورت محسوس ہو وہاں مجبوری کی صورت میں شخصی تملیک کے تصوّر سے ہٹ کر اجتماعی امور خیر پر بھی مد زکوٰۃ سے صرف کرنا جائز ہو گا اور اس پر بلاشبہ "فی سبیل اللہ" کا حکم صادق آئے گا اور اس صورت حال کا تعین ذمہ دار افراد کر سکتے ہیں کہ یہاں مخالفین اسلام اس طریقے سے کام کر رہے ہیں لہٰذا ہمیں بھی ان کے مقابلہ میں اسی طرح کام کرنا چاہیئے تاکہ وہ اس آڑ میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازش نہ کر سکیں۔

تحدید نصاب

رہا تحدید نصاب کا سوال تو اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت نے نصاب زکوٰۃ کے سلسلے میں چاندی اور سونا دونوں کو نصاب زکوٰۃ میں معتبر قرار دیا ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم و بخاری و مسند امام احمد رحمۃ اللہ علیہ میں حضرت جابر و ابو سعید خدری رضی اللہ عنہما سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ۔

لیس فیما دون خمس اواق — پانچ اوقیہ چاندی سے کم میں

من الورق صادقة۔ زکوٰۃ نہیں۔

نصوص مشہور اور اجماع اہل اسلام کی روشنی میں طے شدہ ہے کہ ایک اوقیہ چالیس درہم کی ہوتی ہے تو پانچ اوقیہ کے دوسو درہم ہوئے مطلب یہ ہوا کہ دو سو درہم سے کم ہوں تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے اور سونے کے بارے میں بھی متعدد احادیث آئی ہیں۔ سنن دارقطنی میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کان یاخذ من کل عشرین دینارا نصف دینار۔	نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر بیس دینار میں سے نصف دینار زکوٰۃ لیا کرتے تھے۔

ابوداؤد شریف میں سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعا روایت ہے کہ۔

اذا کانت لک مائتا درھم وحال علیھا الحول ففیھا خمسۃ دراھم ولیس علیک شیئ یعنی فی الذھب حتی تکون لک عشرون دینارا فاذا کان لک عشرون دینارا وحال علیھا الحول ففیھا نصف دینارا۔	یعنی جب تمہارے پاس دوسو درہم ہوں اور ان پر ایک سال گذر جائے تو ان میں پانچ درہم زکوٰۃ ہے اور جب تمہارے پاس سونا بیس دینار ہو اور دو سال گذر جائیں تو اس میں نصف دینار ہے۔ حدیث میں "ولیس علیک شیئ الخ" سے ثابت ہوتا کہ زکوٰۃ و عشر کے بعد کوئی ٹیکس وصول کرنا جائز نہیں۔

اس حدیث میں چاندی اور سونے کا نصاب بتا دیا گیا ہے۔ لیکن یہ مسئلہ دریافت

مطلب ہے کہ آج ہمارے پاس لین دین نہ سونے سے ہے اور نہ ہی چاندی سے اگرچہ بین الاقوامی اعتبار سے کرنسی کا زر سونا ہی طے پایا گیا اور کرنسی کی قیمت میں سونے کی قیمت کے لحاظ سے کمی بیشی ہوتی رہتی ہے تاہم زکوٰۃ کی وصولی کے لئے سونے اور چاندی کے دو نصابوں میں سے کس کو دارومدار ٹھہرایا جائے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ زکوٰۃ کے لئے چاندی کو ہی نصاب قرار دیا جائے اور اس کی دو وجوہات ہیں ایک یہ کہ چاندی کا بطور نصاب ہونا۔ ایک متفق علیہ اور سنت صحیحہ مشہورہ سے ثابت شدہ امر ہے حتیٰ کہ بعض روایات میں سونے کی زکوٰۃ واجب شدہ حصہ کے لئے چاندی کا ذکر ہے چنانچہ امام ابن حزم کی المحلیٰ میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اہلیہ کا سونے کے بیس مثقال کا ایک ہار تھا تو:

فامرها ان تخرج عنه خمسة دراهم (المحلی ج ۶ ص ۷۹)	آپ نے اسے حکم دیا کہ اس کی زکوٰۃ میں پانچ درہم ادا کرو۔

(فقہ الزکوٰۃ ج ۱ ص ۲۵۰)

ایک مثقال ایک دینار کا ہوتا ہے تو اس سلسلے میں نصف دینار یا نصف مثقال بھی فرمایا جا سکتا تھا لیکن پانچ درہم کہہ کر اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہو سکتا ہے کہ جب سونا اور چاندی نصاب قرار پانے میں زیر بحث آئیں تو نصاب چاندی ہی ٹھہرے گی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ چاندی کو نصاب قرار دینے میں مستحقین کا نفع ہے کیونکہ اس صورت میں زکوٰۃ ادا کنندگان کی تعداد زیادہ ہو گی اسی لئے مصر میں بیس سے کچھ اوپر ریال نصاب زکوٰۃ تجویز پائے ہیں اور تقریباً پچاس ریال مملکت عربیہ سعودیہ اور خلیج کی دیگر عرب امارات میں بھی یہی مقدار نصاب قرار شدہ ہے

اگرچہ علامہ یوسف قرضاوی کے نزدیک سونے کو نصاب قرار دینا قابل ترجیح خیال ہے جس کے کچھ دلائل بھی انہوں نے بیان کئے ہیں تاہم جہاں زکوٰۃ کے وجود کا فلسفہ ہے اس کی رو سے چاندی کو نصاب مقرر کرنا قرین مصلحت و موجب افادیت ہے کیونکہ اس سے ایک تو زکوٰۃ دہندگان کی تعداد میں اضافہ ہوگا اور لوگ ادائے زکوٰۃ جیسے نیک عمل کی سعادت سے زیادہ سے زیادہ تعداد میں مشرف ہوں گے۔ علاوہ ازیں وجوبِ زکوٰۃ کا فلسفہ دولت میں تحریک پیدا کر کے غریب لوگوں کے ہاتھوں تک اسے پہنچانا ہے اور دولت کی زیادہ سے زیادہ تحریک اسی صورت میں عمل میں آسکتی جس صورت میں زکوٰۃ دہندگان کی تعداد زیادہ ہو جس قدر زکوٰۃ دہندگان کی تعداد زیادہ ہوگی اسی قدر دولت میں تحریک زیادہ ہوگی اور جس قدر تحریک زیادہ ہوگی اسی قدر افلاس و غربت میں کمی آئے گی۔ جب کہ سونے کو نصاب قرار دینے میں یہ فائدہ حاصل نہ ہوگا۔ لہذا نصاب زکوٰۃ چاندی کو ہی ٹھہرایا جائے۔

اگر کسی کے پاس سونا ہے تو اس پر زکوٰۃ ساڑھے سات تولے اور ایک سال گذر جانے پر ہی زکوٰۃ عائد ہوگی۔ ساڑھے سات تولے سونے کا کم از کم نصاب زکوٰۃ ہے اسی طرح چاندی پر بھی اس کے نصاب کی حد تک ہونے اور سال بھر پڑے رہنے کے بعد ہی زکوٰۃ فرض ہوگی اور چاندی کا نصاب کم از کم ساڑھے باون تولے ہے۔ سونا ہو یا چاندی ہو اس کا چالیسواں حصہ دینا ہوگا خواہ وہ اسی سے دیں یا اس چالیسویں حصہ کی قیمت دیں دونوں صورتیں جائز ہیں۔ اگر سونا ساڑھے سات تولے یا چاندی ساڑھے باون تولے سے زیادہ ہو تو زائد میں اس وقت تک زکوٰۃ واجب نہ ہوگی جب تک کہ وہ زائد کل نصاب کے پانچویں حصہ کو نہ پہنچے اور جب

پانچویں حصّہ کو پہنچ جائے تو اس نصاب کے ساتھ اوپر کے پانچویں حصہ کی بھی زکوٰۃ واجب الادا ہوگی۔ مثلاً چاندی کا بھاؤ چالیس روپے فی تولہ ہے تو ساڑھے باون تولے کے اکیس سو ۲۱۰۰/- بنتے ہیں۔ اگر اس قدر رقم بینک میں ہے اور اسے سال بھی گذر گیا تو اس پر زکوٰۃ واجب ہو جائیگی۔ اگر اس دوران اس نے بینک میں اور رقم دو یا تین سو زائد جمع کرا دی اور اسے ایک سال گذر گیا تو اگلے سال زکوٰۃ صرف اکیس سو کی ہی وضع کی جائے گی اوپر کی رقم کی نہیں کیونکہ اوپر کی رقم کل نصاب یعنی اکیس سو کا پانچواں حصّہ نہیں بنتی ہاں اگر اس نے چار سو بیس روپے جمع کرا دیئے اور اس پر سال گذر گیا تو اب اکیس سو کے ساتھ چار سو بیس روپے کو ملا کر رقم پچیس سو بیس روپے کا چالیسواں حصّہ زکوٰۃ کا وضع کیا جائے گا کیونکہ چار سو بیس روپے جو زائد جمع ہوئے وہ کل نصاب یعنی اکیس سو روپے کے پانچویں حصّہ کے برابر ہیں۔ اسی طرح پھر اگلے سال تک کے دوران اس نے کچھ اور رقم جمع کرائی تو وہ زائد رقم جب تک پھر کل نصاب یعنی اکیس سو کے پانچویں حصّہ یعنی چار سو بیس تک نہ ہو اس زائد کی زکوٰۃ وضع نہ کی جائیگی بلکہ زکوٰۃ پچیس سو بیس روپے کی وضع کی جائیگی اور وہ زائد رقم اگر پانچویں حصّہ نصاب کے برابر ہو تو پھر اس کل نصاب کی دونوں زائد رقومات کے ساتھ زکوٰۃ وضع کی جائیگی غرضیکہ ایک خمس سے دوسرے خمس تک کے درمیان کی رقم پر زکوٰۃ نہیں بلکہ وہ معاف ہے یہی خود چاندی اور سونے کے نصابوں کا حکم ہے۔ چنانچہ فتاوی درمختار میں ہے۔

وما بین الخمس الی الخمس عفو (الدر المختار طبع دھلی صہ۱۳۲)	یعنی دو خمسوں کے درمیان جس قدر مال ہوگا وہ معاف ہوگا۔

یعنی اس پر زکوٰۃ عائد نہ ہوگی۔

اور یہ ملحوظ خاطر رہے کہ چونکہ زکوٰۃ کے نصاب کا دارومدار چاندی پر ہے اس لئے چاندی کے بھاؤ کی کمی بیشی کے مطابق نصاب کی رقم بھی کم و بیش ہوتی رہے گی اور اس کی صورت یہ ہوگی کہ جب زکوٰۃ کی کٹوتی کا سالانہ موقع آئے گا تو اس وقت چاندی کے بھاؤ کے مطابق ساڑھے باون تولے کی جو رقم بنیگی اسی کے حساب سے زکوٰۃ وضع کرنا ہوگی۔

فقیر و مسکین میں فرق زکوٰۃ کے مصرف وہ آٹھ قسم کے لوگ ہیں جن کا قرآن کریم کی سورۃ توبہ میں ذکر ہے انما الصدقات للفقراء الخ آیت ۶۰ یعنی زکوٰۃ صرف غریبوں، نرے ناداروں اور انہیں کے لئے ہے جو اسے حاصل کرکے لائیں اور جن کے دلوں کو اسلام سے الفت دی جائے اور گردنوں کے چھڑانے میں (صرف کی جاتے) اور مقروضوں کے لئے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں اور طالب علموں اور مسافر کے لئے ہے (یعنی فقراء مساکین و یتیم و بیوہ و جسمانی معذور و بے روزگار کے لئے)

اعلیٰحضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ترجمہ مبارکہ مسمّٰی بہ کنزالایمان ۱۳۳۰ھ فی ترجمۃ القرآن میں مسکین کا ترجمہ نرے نادار سے کیا ہے۔ یہ ترجمہ ہدایہ کے مطابق ہے۔ فرماتے ہیں۔ مسکین من لاشئی لہ (ج ا ص ۱۸۷) کہ مسکین وہ ہے جو کچھ بھی نہ رکھتا ہو۔ ساتھ یہ بھی فرماتے ہیں وھذا مروی عن ابی حنیفۃ کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہی تعریف مروی ہے۔

مؤلفۃ القلوب کا مسئلہ ابتدائے اسلام میں کچھ لوگوں کو اسلام کی طرف

مائل کرنے یا اسلام پر باقی رکھنے یا ان کے شر سے بچنے کے لئے مدِ زکوٰۃ سے حصہ دیا جاتا تھا (فتح القدیر۔ج ۲ صہ ۲۵۹) اور ایسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی تقسیم فرماتے تھے۔ جب اسلام ایک طاقت بن گیا، تو اس وقت ایسے لوگوں کو حصہ دینے کی ضرورت نہ رہی؛ لہٰذا مولفۃ القلوب کا حصہ خود بخود ساقط ہو گیا۔

اس کا واقعہ یہ ہے کہ عینیہ اور اقرع نامی دو شخص مولفۃ القلوب سے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں ان کے پاس حاضر ہوئے اور اپنا حصہ طلب کیا۔ آپ نے حضرت عمر کو خط لکھا۔ وہ دونوں صاحبان خط لے کر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، آپ نے اس کو پھاڑ ڈالا اور فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں اسلام پر قائم رکھنے کے لئے عطا فرمایا کرتے تھے، اب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غالب کر کے ایسے لوگوں سے بے نیاز کر دیا ہے۔ اب اگر تم اسلام پر قائم رہو گے تو بہتر، ورنہ تمہارے اور ہمارے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی۔ وہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں واپس حاضر ہوئے اور کہا کہ آپ خلیفہ ہیں یا عمر؟ آپ نے ارشاد فرمایا ھُوَ اِنْ شَاءَ یعنی وہی (میرے بعد خلیفہ ہوں گے) اگر چاہیں (اور منظور کریں گے) تو حضرت صدیق اکبر اور دیگر جمیع صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ سے اتفاق کیا؛ لہٰذا مولفۃ القلوب کے حصہ کے سقوط پر صحابہ کرام کا اجماع منعقد ہو گیا۔

ایک شبہ کا ازالہ

اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ حضرت عمر فاروق قرآن کریم کو کیسے منسوخ کر سکتے تھے۔ نیز یہ خبرِ واحد ہے اس سے قرآن کریم کا حکم منسوخ نہیں ہو سکتا لہٰذا اس حکم کا باقی رہنا حکومتِ وقت کی صوابدید پر موقوف

ہونا چاہیئے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں تنہا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا فیصلہ نہیں، بلکہ یہ صحابہ کرام کا اتفاق و اجماع ہے اور اجماع قطعی ہوتا ہے۔ حضرت عمر فاروق تو اس فیصلے کے مظہر قرار پائے اور اس اجماع کی سند کتاب و سنت سے کوئی نہ کوئی دلیل شرعی انہیں معلوم تھی، اگرچہ اس دلیل شرعی کا اس وقت ذکر نہ کیا گیا اور عدم ذکر عدم وجود کو مستلزم نہیں ہے پھر ممکن ہے کہ ذکر بھی ہوا ہو، مگر اسے کسی نے بھی نقل نہ کیا ہو۔ کیونکہ عدم نقل بھی عدم ذکر کو مستلزم نہیں ہے اور اس کے لئے اس قدر کہنا ہی کافی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہونے کی حیثیت سے وہ نفوس قدسیہ کسی حکم و فیصلہ پر اس وقت تک خاموش نہیں رہ سکتے، جب تک کہ انہیں اس فیصلے و حکم کی سند کتاب و سنت سے معلوم نہ ہو، ان کا حضرت عمر فاروق اعظم کے فیصلہ مذکورہ پر خاموش رہنا اس امر کی دلیل ہے کہ انہیں قرآن و سنت کی روشنی میں یہ بات معلوم تھی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مولفۃ القلوب کو حصہ دینا اس وقت تک ہے جب تک کہ اسلام کو غلبہ و قوت حاصل نہیں ہوتی۔ نیز امام ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے فتح القدیر میں لکھا ہے کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ساتھ ہی یہ آیت تلاوت فرمائی

الحق من ربکم فمن شاء فلیومن ومن شاء فلیکفر۔ رسورۃ کہف ا

کہ تمہارے رب کی طرف سے حق (واضح ہو گیا) ہے جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر کرے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہی آیت مولفۃ القلوب کے حصہ کے سقوط کی موجب ہے (فتح القدیر۔ ج ۲۔ صہ۔ ۲۶)

رہا یہ سوال کہ آیت انما الصدقات الخ مدنی اور آیت الحق من ربکم

ایا ملکی تصوّت سے ہے' تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ موخر الذکر آیت کا نزولِ مکہ میں ہوا، تاہم اس کا حکم اور اس پر عمل بعد میں ظہور پذیر ہوا کہ ایسی کئی ایک آیات پائی جاتی ہیں جو نزول کے اعتبار سے مقدم مگر حکم و عمل کے لحاظ سے مؤخر ہیں۔ بہر صورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام بالخصوص لسان الحق سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ' وعنہم سے یہ بات ہرگز ہرگز متصوّر نہیں کہ وہ کسی ایسی نصِ قرآن کریم کی جو اپنی قطعی حالت کے ساتھ بدستور موجود ہو' خلاف ورزی کریں، کیونکہ وہ تو قرآنِ کریم کے احکام کے محافظ و پاسبان تھے' اس کے کسی حکم کی مخالفت کیسے کر سکتے تھے ؎

پاسبانِ عزّتِ ام الکتاب!
از نگاہش خانۂ باطل خراب!

مقامی مستحقین کو ترجیح

اسلامی معاشی نظام نے دُور روالوں کی نسبت قریبی و مقامی مستحقین کو ترجیح دی ہے۔ زکوٰۃ کی تقسیم میں اوّل قریب' پھر بعید کے مطابق پہلے قریبی و مقامی مستحقین کو دینے کا حکم ہے اس کے بعد اگر گنجائش ہو تو دور روالوں کو۔

چنانچہ صحیحین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ' سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل کو یمن کی ذمّہ داریاں سونپ کر روانہ کیا' تو ارشاد فرمایا اے معاذ! تم اہلِ کتاب کے پاس جا کر انہیں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دینے (اسلام لانے) کی دعوت دینا اگر وہ تمہاری بات مان لیں (اسلام قبول کر لیں) تو انہیں پنجگانہ نمازوں کی پابندی کا حکم دینا اور اس کے بعد انہیں فریضۂ زکوٰۃ سے آگاہ کرنا اور اُن کے امیروں سے زکوٰۃ وصول کر نا تو خذ

اغنیائھم وترد علی فقرائھم یعنی زکوٰۃ وہاں کے دولت مندوں سے لے کر وہاں کے غریبوں میں بانٹ دی جائے گی اور وصولی زکوٰۃ میں ان کے بڑھیا مال نہ لینا اور مظلوم کی بددعا سے بچنا کہ اس کے درمیان کوئی حجاب نہیں (بخاری، مسلم)

اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

ان نقل الزکوٰۃ عن بلد الوجوب لایجوز مع وجود المستحقین فیہ بل صدقۃ کل ناحیۃ لمستحق تلک الناحیۃ۔ (مرقاۃ ج ۴، صـ ۱۱۹)	یعنی ایک شہر کی زکوٰۃ دوسرے شہر کو بھیجنا جائز نہیں، جب کہ وہاں مستحق موجود ہوں، بلکہ ہر علاقہ کی زکوٰۃ اس علاقے کے مستحقوں کے لئے ہے۔

فقہائے احناف نے اگرچہ عدم جواز کا قول نہیں کیا، تاہم کراہیت سے اتفاق کیا

ہے، ہدایہ میں ہے۔ ویکرہ نقل الزکوٰۃ من بلد الی بلد (ج ۱۔ صـ ۱۹۰)

ایک مرتبہ خراسان کی زکوٰۃ وہاں کے عامل نے شام کے بیت المال کو روانہ کر دی، خلیفۂ وقت حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا، تو آپ نے وہ زکوٰۃ خراسان کے بیت المال کو واپس بھجوا دی اور ہدایت کی کہ اسے خراسان کے مقامی مستحقوں میں بانٹ دیا جائے (عمدۃ القاری، شرح بخاری، ج ۸ صـ ۲۳۸)

البتہ اگر ایک شہر کی زکوٰۃ وہاں کے مقامی مستحقوں کی ضرورت سے زیادہ ہے اور زکوٰۃ دینے والے کا کوئی ایسا قریبی رشتہ دار جسے شرعی طور پر زکوٰۃ کی ممانعت نہیں۔ دوسرے شہر میں ہے، تو اس صورت میں اس کو زکوٰۃ بھیج سکتے ہیں۔

(ہدایہ ج ۱ صـ ۱۹۰)

ہاشمیوں کو زکوٰۃ دینے کے بارے میں جمہور فقہاء احناف کی رائے

ہدایہ میں ہے کہ لا تدفع الی ھاشم کہ ہاشمیوں کو زکوٰۃ نہ دی جائے، اس کی دلیل وہ حدیث ہے جسے امام طبرانی نے معجم کبیر میں روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یا بنی ھاشم ان اللہ حرم علیکم غسالۃ الناس و اوساخہم و عوضکم منہا بخمس الخمس	کہ اے بنی ہاشم اللہ تعالیٰ نے تم پر لوگوں کا غسالہ اور میل (زکوٰۃ) حرام کی ہے اور اس کے عوض تمہیں خمس کا خمس عطا کیا ہے۔
(ھدایہ ج ۱ - ص ۱۸۸)	

لہٰذا نص سے معلوم ہوا کہ بنی ہاشم پر زکوٰۃ حرام ہے، وہ آپس میں بھی ایک دوسرے کو نہیں دے سکتے، بلکہ ہاشمی لوگ اپنی زکوٰۃ غیر ہاشمی کو دیں گے، لیکن آج کے دور میں اس مسئلے پر نظر ثانی کرنا ہوگی، جیسا کہ۔

امام طحاوی کی رائے

امام الاحناف حضرت امام طحاوی رحمتہ اللہ علیہ کی رائے ہے کہ ضرورت مند معاشی بحران میں مبتلا ہاشمی حضرات لے سکتے ہیں۔ امام طحاوی نے اس سلسلے میں کچھ احادیث بھی روایت کی ہیں جن سے جواز ثابت ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ ظاہر الروایہ کے خلاف ہے تاہم آج کے پرفتن دور میں جسے معاشی مسائل نے سنگین حالات سے دوچار کر رکھا ہے۔ غیر ظاہر الروایہ پر عمل مناسب ہے۔ جب کہ امام صاحب سے ایک روایت جواز کی بھی ہے: چنانچہ فتح القدیر میں امام ابن ہمام رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہیں۔

و روی ابو عصمۃ عن ابی حنیفۃ	اور امام ابو عصمہ امام ابو حنیفہ رضی

انہ یجوز فی ھذا الزمان وان کان ممتنعا فی ذالک الزمان۔
(فتح القدیر ج ۲۔ صہ ۲۷۲)

اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ابن امام اعظم کے زمانے میں ہاشمیوں کو زکوٰۃ وغیرہ دینا جائز ہے اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ناجائز تھی۔

کفایہ حاشیہ ہدایہ میں ہے۔

الحرمۃ کانت فی عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم للعوض وھو الخمس فلما سقط ذالک حلت لہم الصدقۃ قال الطحاوی وبالجواز ناخذ۔ (ہدایہ ج ۱۔ صہ ۱۸۸)

کہ حرمت زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں عوض یعنی خمس الخمس کی وجہ سے تھی۔ تو جب خمس الخمس ساقط ہو گیا، تو ان کے لئے زکوٰۃ حلال ہو گئی۔ امام طحاوی فرماتے ہیں ہم جواز کر لیتے ہیں۔

یہ حرمت گویا اس وجہ سے تھی کہ انہیں خمس الخمس ملتا تھا اور جب خمس الخمس ساقط ہو گیا، تو ان کے لئے بر قاعدہ الضرورات تبیح المحظورات زکوٰۃ کی حرمت ساقط ہو گئی ہاشمی حضرات کو لوگوں کے صدقات نافلہ یا حیلوں کے رحم و کرم پر چھوڑنا ان کے معاشی بحران میں اضافہ کرنے کے مترادف ہے۔ ہاں اگر پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام کے بعد غریب ضرورت مند ہاشمیوں کے لئے کفالت کا الگ انتظام کر دیا جائے جس سے وہ حسب ضرورت لے سکیں، تو وہ زکوٰۃ سے بے نیاز ہو جائیں گے۔ فیعود حکم الحرمۃ۔ الغرض زکوٰۃ اسلام کے معاشی نظام میں بڑی اہمیت کی حامل ہے اگر اہل دولت اپنی دولت کی زکوٰۃ صحیح طور پر ادا کریں، تو اس سے نہ صرف ان کے دلوں سے دولت کی محبت نکل کر وہاں خدا تعالیٰ کی محبت جلوہ گر ہو گی، بلکہ معاشرہ

کے افلاس وغربت کے مارے ہوئے لوگوں کو کسی حد تک معاشی مساوات حاصل ہوگی اور اسلامی معاشرہ کو بے مثال استحکام بھی نصیب ہو گا۔

حُبِّ دولت را فنا سازد زکوٰۃ
ہم مساوات آشنا سازد زکوٰۃ

دل ز حتّٰی تنفقوا محکم کند
زر فزاید اُلفتِ زر کم کند

این ہمہ اسباب استحکامِ تست
پختہ محکم اگر اسلامِ تست

اہلِ قوت شو ز وردے یا قوی
تا سوارِ اشترِ خاکی شوی

حیلہ یا تدبیر

ہاں اگر حیلہ یا تدبیر کا عمل کر لیا جائے تب بھی درست ہے یعنی کسی غیر ہاشمی مستحق کو زکوٰۃ دی جائے گی پھر اسے اپنی طرف سے ہدیہ کے طور پر ہاشمی کو دینے کی ترغیب دی جائے وہ ہاشمی کو ہدیہ کر دے تو زکوٰۃ کی ادائیگی بھی ہو جائے گی اور کسی اختلاف کے بغیر ہاشمی کو اس کا قبول کرنا درست بھی قرار پائے گا۔ اگر ایک شخص قرض لے کر رفاہی کاموں پر خرچ کر دے پھر زکوٰۃ سے اس کا قرض اتار دیا جائے تو یہ بھی درست ہے اس طریقے و تدبیر سے ہر قومی رفاہی کام پر زکوٰۃ صرف کی جا سکتی ہے۔ حدیث بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس کی دلیل ہے عمدۃ القاری میں ہے۔ اِنّ الاشیاء المحرمۃ لعلل معلومۃ اذا ارتفعت عنہا تلک العلل حلت وان التحریم فی الاشیاء لیس لعینہا (ج ۹ ص ۹۲)

یعنی جن حرام چیزوں کی حرمت کی وجوہات معلوم ہوں جب وہ وجوہات باقی نہ رہیں تو وہ چیزیں حلال ہو جائیں گی۔ اور یہ کہ چیزیں اپنی ذات کے اعتبار سے حرام نہیں ہوتیں۔ شریعت کا یہ قاعدہ آج کے دور کی سائنسی ایجادات، ریڈیو، ٹی وی، وی سی آر وغیرہ کے بارے میں بھی تشکیک و شبہات کے دور کرنے کو بھی کافی ہے

کس کس چیز سے عشر دیا جائے

عشر کے معنی دسویں حصے کے ہیں۔ نصف عشر دبیسواں حصہ بھی اس اطلاق میں شامل ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

واٰتوحقه، یوم حصاده، (انعام ۱۴۱)
اور اس کا حق شرعی اس کے کاٹنے کے دن ادا کرو۔

صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمۃ اپنی تفسیر خزائن العرفان میں تحریر فرماتے ہیں:

معنی یہ ہیں کہ یہ چیزیں (کھیتی اور درخت) جب پھلیں کھانا تو اسی وقت سے تمہارے لئے مباح ہے اور اس کی زکوٰۃ یعنی عشر اس کے کامل ہونے کے بعد واجب ہوتا ہے، جب کھیتی کاٹی جائے یا پھل توڑے جائیں (مسئلہ) لکڑی، بانس، گھاس کے سوا زمین کی باقی پیداوار اگر بارش سے ہو، تو عشر واجب ہوتا ہے اور اگر رہٹ وغیرہ سے ہو، تو نصف عشر (تفسیر خزائن العرفان، برحاشیہ ترجمۂ اعلیٰ حضرت حمائل صہ ۲۳۶)

عشر کا نصاب

امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کے نزدیک عشر کا کوئی نصاب مقرر نہیں ہے یہ مطابق فرمان باری تعالیٰ وانفقوا من طیبات ماکسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض۔ یعنی اپنی پاک کمائی سے اور جو کچھ ہم نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کیا اس سے ہماری راہ میں خرچ کرو۔ یہ اپنے عموم کے اعتبار سے زمین کی تمام پیداوار کو شامل ہے تھوڑی ہو یا زیادہ۔ اور حدیث میں ہے کہ فما سقت السماءُ والغیمُ العشرُ وفیما

سُقِیَ بِالنَّاضِحِ نِصفُ العُشرِ ۔ یعنی جو باران و بارش سے سیراب ہو اس میں عشر ہے اور جو رہٹ سے سیراب ہو اس میں نصف عشر ہے ۔ (صحیح مسلم وغیرہ)

اور حدیث میں ہے ۔ فیما سقت السماء والعیون العشر و فیما سقی بالنضح نصف العشر ۔ یعنی جو بارش اور چشموں یا دریاؤں کے سیلاب سے سیراب ہو اس میں عشر ہے اور جو کنوئیں سے سیراب ہو اس میں نصف عشر ہے ۔ اس حدیث کو مسلم کے سوا [illegible] صحاب صحاح نے روایت کیا ۔

ان حدیثوں میں قلیل و کثیر کی کوئی قید نہیں اور پانچ وسق کا تعلق عشر سے نہیں زکوٰۃ سے ہے یعنی اگر کسی کے پاس تجارت کے لئے غلہ ہو اور سال گذر جائے تو اس کی زکوٰۃ تب لیگا جب وُہ پانچ وسق ہو اس زمانے میں غلہ کا لین دین وسق کے ساتھ ہوا کرتا تھا اور ایک وسق کی قیمت چالیس درہم ہوا کرتی تھی اس اعتبار سے پانچ کے دو سو درہم ہوا اور یہی زکوٰۃ کا نصاب ہے ۔ پھر وسق والی حدیث میں لفظ عشر بھی نہیں بلکہ لفظ صدقہ ہے جو زکوٰۃ پر دلالت کرتا ہے اور اس میں مالک کا اعتبار بھی نہیں حتیٰ کہ وقف زمین کی پیداوار کا عشر بھی دینا ہوگا ۔ (تبیین الحقائق ج ۱ ص ۲۹۲)

عشر زمین کا کرایہ ہے

زمین کے بارے میں اسلام کا نظریہ یہ ہے کہ اس کا مالک حقیقی اللہ تعالیٰ ہے ۔ اِنَّ الارض للہ (قرآن) کہ زمین کا مالک اللہ ہے اس نے اپنے بندوں کو عارضی اور مجازی طور پر مالک بنا دیا ہے کہ اپنی ضروریات کے سلسلے میں زمین سے استفادہ کریں ؛ لہٰذا عشر اس کا معاوضہ و کرایہ ہے لیکن چونکہ وہ خود کرایہ لینے سے پاک ہے ؛ اس لئے اس نے ہدایت کی کہ اسے ضرورت مندوں کو دے دو ۔ ان کے ہاتھوں میں گیا ، تو

گویا خدا کے ہاتھوں میں پہنچا کہ خدا کی مخلوق اس کا عیال ہے امام ابو یعلیٰ اور امام بزار حضرت انس اور امام طبرانی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سے راوی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

الخلق کلھم عیال اللہ، فاحبھم الی اللہ، انفعھم لعیالہ۔ (الجامع الصغیر للسیوطی ج ۲ ص ۱)

کہ کل مخلوق خدا کا عیال ہے، تو اللہ کو وہی زیادہ پسند ہے جو اس کے عیال کو زیادہ فائدہ پہنچائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ زمین خدا کی ہے ہم عارضی استفادہ کرنے والے ایک طرح سے اس کے کرایہ دار ہیں اور یہ عشر و نصف عشر وغیرہ اس کی زمین کا کرایہ ہے۔

اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و نظر کا انقلاب
بادشاہوں کی نہیں اللہ کی ہے یہ زمین

عشری زمین

عشر یا نصف عشر: عشری زمین سے لیا جاتا ہے۔ اگر کوئی قوم مسلمان ہو جائے، تو ان کی زرعی زمین اور عرب کی زمینیں اور مجاہدین وغنیمت والوں کے حصہ میں آئی ہوئی زمینیں جنہیں مسلمانوں نے آباد کیا ہو اور لاوارث ذمی کے مرنے کے بعد مسلمانوں کے قبضہ میں آنے والی زمین سب عشری ہیں۔ ان سے عشر یا نصف عشر لینے کا حکم ہے، اسی طرح جو زمین عشری ہو نہ خراجی، اس سے بھی عشر یا نصف عشر کی وصولی کا حکم ہے۔

ہند و پاک کی زمینوں کا حکم

اس صدی کے مجدد اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مولانا الشاہ احمد رضا خان بریلوی رحمتہ اللہ علیہ فتاوی مبارکہ "فتاوی رضویہ" میں فرماتے ہیں:

ہندوستان اور پاکستان کی زمینیں خراجی نہ سمجھی جائیں گی، جب تک کہ کسی خاص زمین کی نسبت خراجی ہونا دلیل شرعی سے ثابت نہ ہو، بلکہ وہ عشری یا نہ عشری نہ خراجی، اور دونوں صورتوں میں ان کا وظیفہ عشر ہے" (فتاویٰ رضویہ ج ۴ ۔ ص ۲۵۲)

عرب کی سرزمین عشری ہے

"قاضی القضاۃ امام ابی یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وارض الحجاز والمدینۃ ومکۃ والیمن وارض العرب کلہا ارض عشر۔ (کتاب الخراج ص ۶۰)؛ اور حجاز، مدینہ، مکہ، یمن اور کل عرب کی زمین عشری ہے۔

عشر و نصف عشر کی صورت

اگر عشری زمین بارش اور دریائی سیلاب یا قدرتی چشموں اور نہروں کے بے قیمت پانی سے سیراب ہوتی ہو، تو اس کی پیداوار سے عشر لیا جائیگا اور اگر ان ذرائع سے سیراب ہو جن میں خرچ کرنا پڑتا ہے، تو نصف عشر لیا جائے گا۔ ہدایہ میں ہے کہ اس پر ہونے والے مصارف کے وضع کرنے سے پہلے عشر یا نصف عشر دینا ہوگا۔

عشر زمیندار پر یا مزارع پر؟

امام اہل سنت مجدد دین وملت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ نے اپنے فتاویٰ شریف میں فقہا کے فیصلوں کی بہترین تنقیح کر کے مسئلہ کو نہایت خوبی کے ساتھ واضح فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو:

زمین اگر بٹائی پر دی جائے یعنی مزارع کے لیے پیداوار کا حصہ مثلاً نصف (½) یا ثلث (⅓) غلہ قرار دیا جائے تو مالک زمین پر صرف

بقدرِ عشر آئے گا، مثلاً مزارعت بالمناصفۃ اٹھا کی صورت میں سو من غلہ پیدا ہو تو زمیندار پانچ من عشر میں دے اور اگر (زمین اجارہ پر دی گئی جسے لوگ نقشی کہتے ہیں، مثلاً سو روپیہ بیگھ پر اٹھائی، تو ابمطابق قول صاحبین رحمہما اللہ، کل عشر مزارع پر ہے، ہمارے بلاد میں وہی (قول صاحبین) اوفق بالناس ہے۔ الخ (ج ۴۔ صہ ۴۵۴)

کیونکہ اس صورت میں زمیندار پر عشر واجب کرنا اس کے لئے ناقابلِ برداشت بوجھ ہو جائیگا جس سے اگر ایک کو معاشی سہولت ضرورت سے زیادہ حاصل ہوگی، تو دوسرے کے لئے مشکل پیدا ہو جائیگی۔

پریشان ہو کے میری خاک آخر دل نہ بن جائے
جو مشکل اب ہے یا رب پھر وہی مشکل نہ بن جائے

عشر و خراج کا مصرف

عشر کا مصرف وہی ہے جو زکوٰۃ کا مصرف ہے۔ البتہ خراج کا حکم اور ہے وہ یہ کہ خراج کا مصرف لشکرِ اسلام ہی نہیں، بلکہ تمام مصالح عامۂ مسلمین ہیں جن میں تعمیر مساجد، خرچ مساجد، وظیفۂ امام و مؤذن و بنانے پل و سرائے و تنخواہ مدرسین عالم دین و خبر گیری طلبہ علوم دین و خدمت علماء حق حامیانِ دین مشغولینِ درس و وعظ وغیرہا امور دین سب داخل ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ، ج ۴۔ صہ ۴۵۶/۴۵۷)

زمین کے عشری ہونے کی صورتیں

کسی زمین کے عشری ہونے کی آٹھ صورتیں ہیں:

۱۔ مفتوحہ اراضی کہ مجاہدین اسلام میں تقسیم کی گئیں۔ ۲۔ لڑائی کے بغیر از خود

مسلمان ہونے والوں کی زمینیں۔ ۳۔ کاشت ہونیوالی زمین کہ عشری کے قریب ہے۔ ۴۔ عشری و خراجی زمین سے یکساں قریب کاشت ہونے والی زمین۔ ۵۔ مسلمان کا مکان کہ کھیت یا باغ بن گیا۔ ۶۔ عشری زمین خرید کردہ ذمی کو مسلمان نے شفعہ میں لے لیا یا بستم شرعی سے بیع فاسد یا خیار شرط یا خیار رؤیت سے بیع ٹوٹ گئی یا خیار عیب سے بحکم قاضی واپس ہو گئی۔ ۷۔ افتادہ زمین کہ اسے مسلمان نے آباد کیا۔ ۸۔ غیر مسلم لاوارث بچے مرنے کے بعد اس کی زمین مسلمان کے قبضہ میں آگئی۔ ان سب صورتوں میں عشر یا نصف عشر ہو گا۔ جب ان زمینوں کا عشر بیت المال میں جمع ہو کر مستحقین مملکت میں تقسیم ہو گا۔ تو انشاء اللہ تعالیٰ معیشت نظام مصطفےٰ کی برکت سے مملکت پاک کے باشندوں کو فارغ البالی کا وہی مقام اور بادہ جام ہاتھ آجائے گا جسے ظالمانہ سرمایہ دارانہ نظام نے ان سے چھین لیا ہے۔

لا ایک بار پھر وہی بادہ و جام اے ساقی
ہاتھ آجائے مجھے میرا مقام اے ساقی

کونسی صورتوں میں زمین سے خراج لینے کا حکم ہے

کسی زمین کے خراجی ہونے کی صورتیں بھی آٹھ ہیں۔ ۱۔ مفتوحہ اراضی کہ غیر مسلم مفتوحین کے پاس رہنے دی گئیں۔ ۲۔ غیر مسلم بصلح اطاعت قبول کر کے ذمی کی حیثیت سے پناہ میں آگئے۔ ان کی زمینیں۔ ۳۔ غیر مسلم ذمی نے مسلمان سے عشری زمین خریدی۔ ۵۔ افتادہ (غیر آباد) زمین کہ اسے بلا اجازت سلطان غیر مسلم ذمی نے آباد کیا۔ ۶۔ مسلمان کی آباد کردہ افتادہ زمین کے قریب یا خراجی پانی سے سیراب ہو۔ ۷۔ مفتوحہ غیر منقسم اراضی کہ تا قیامت مسلمانو

کے لئے چھوڑ دی گئی۔ ۸۔ زمین کے مالک مر گئے اور وہ بیت المال میں آگئی جب ان سب اراضی کا خراج بیت المال میں جمع ہوگا، تو انشاءاللہ معاشی مشکلات حل ہوئے بغیر نہیں رہ سکتیں۔ نیز خراج کا تعلق عشر کے برعکس پیداوار کی بجائے صرف زمین سے ہے خواہ آباد کرے یا نہ۔

عشری اور خراجی پانی

بارش، کنوؤں، چشموں، دریاؤں اور عربوں کی کھودی ہوئی نہروں، غیر مسلموں کے کھودے ہوئے کنوؤں کا پانی خراجی ہے، اگرچہ بعد میں مسلمانوں کے قبضہ میں آجائے۔

خراج کی قسمیں

خراج کی دو قسمیں ہیں ایک خراج مقاسمہ یعنی پیداوار کو حصّہ آدھا یا تہائی یا چوتھائی وغیرہ کی صورت میں مقرر کیا جائے جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر کے یہودیوں پر مقرر کیا۔ دوسرا خراج موظف کہ فی بیگھہ رقم کی ایک مقدار مقرر کر دی جائے جیسا کہ امیرالمومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔ (ہدایہ وکتاب الخراج)

جزیہ

غیر مسلم جو اسلامی سلطنت کے زیر اقتدار اور پناہ میں آجائیں حکومت ان کے جان و مال و آبرو کی ذمہ دار ہوتی ہے اور اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ان غیر مسلموں سے معمولی سا ٹیکس وصول کیا جاتا ہے جس کا نام جزیہ ہے۔ اس سے جہاں غیر مسلموں کی جان و مال اور آبرو کی حفاظت کی آئینی ضمانت حاصل ہوتی ہے، وہاں اسلام کی بالادستی کا بھی اظہار ہوتا ہے اور جزیہ ہر عاقل، بالغ، آزاد اور بارو زگار غیر مسلم مرد سے لیا جاتا ہے، اور موجودہ ٹیکس جزیہ

کی جگہ ہوگا اس لیے ان سے جزیہ کی دوسری کوئی وصولی نہیں کی جائے گی' اسے جزیہ ہی قرار دیا جا سکتا ہے۔

اسلام کے معاشی نظام میں غیر مسلموں سے حسنِ سلوک

اسلام کا معاشی نظام ایک ایسا رحیمانہ اور مشفقانہ نظامِ حیات ہے کہ اس میں غیر مسلموں سے بھی ہمدردی کی بنیاد پر بہتر سلوک روا رکھا جاتا ہے۔ چنانچہ یہ جزیہ صرف ان غیر مسلموں سے لیا جاتا ہے جو مسلمانوں سے لڑنے کی صلاحیت رکھتے ہیں' اس لیے غیر مسلم عورتیں' بچے' پاگل' معذور بے روزگار اور بوڑھے اس سے مستثنیٰ ہیں۔ نیز ان کے مذہبی راہنما جو خلوت نشین اور عبادت گذار ہیں اور اپنے عامتہ الناس کو اسلام کے خلاف کوئی صلاح و مشورہ تک نہیں دیتے' وہ بھی جزیہ سے مستثنیٰ ہیں۔ نیز ان کے مالوں سے کوئی زکوٰۃ وغیرہ بھی نہیں لی جائے گی اور یہ جزیہ سال میں صرف ایک ہی مرتبہ لیا جائے گا۔ نظامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں غیر مسلم ذمیوں کو جو تحفظات اور سہولتیں حاصل ہیں اگر انہیں وہ صحیح طور پر میسر ہوں' تو وہ اس کی تاثیر فیض سے اس قدر متاثر ہوتے ہیں کہ اسلام لائے بغیر نہیں رہتے۔ خلافتِ راشدہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور اس پر شاہد ہیں ؎

جمیل تر ہیں گل و لالہ فیض سے اس کے
نگاہِ نظامِ مصطفیٰ میں وہ ہے جادو

سقوطِ جزیہ

اگر سال ختم ہونے لگا جزیہ کی ادائیگی سے قبل کوئی غیر مسلم ذمی مسلمان ہو گیا' تو اسے جزیہ معاف ہوتا ہے

اور اگر غیر مسلم ذمی پر جو جزیہ سال کے اختتام سے واجب ہو چکا تھا اور وہ مرگیا، تو جزیہ ساقط ہو گیا، نہ تو اس کے وارثوں سے لیا جاتا ہے اور نہ ہی اس کے ترکہ سے وضع کیا جائیگا (کتاب الخراج۔ طبع مصر، صـ ۱۲۲/ ۱۲۳)

اور یہ جزیہ مستقل طور پر اس وقت ختم و ساقط ہو جائیگا، جب کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے۔

جزیہ کی مقدار:

اسلام کے نظامِ معیشت میں غیر مسلموں پر جو جزیہ عائد کیا جاتا ہے، اس کی مقدار اس قدر قلیل ہے کہ وُہ برائے نام ہی ہوتا ہے؛ چنانچہ امام شمس الائمہ سرخی کتاب المبسوط اور امام ابویوسف کتاب الخراج میں فرماتے ہیں۔ مالدار ذمی سے سالانہ اڑتالیس اور متوسط درجہ والے سے چوبیس اور اس سے ادنیٰ حالت والے سے بارہ درہم شرعی وصول کئے جاتے ہیں (المبسوط ج ۱۰ صـ ۷۸ و کتاب الخراج صـ ۱۲۳/ ۱۲۴)

درہم چاندی کا ہوتا ہے جس کا وزن تولہ کا ۴/۱ حصّہ ہے، تو چار درہم گویا ایک تولہ چاندی ہوتی، چاندی کی بجائے اس کی مالیت کی رقم موجودہ نرخ کے مطابق دی جا سکتی ہے، پھر اس کی وصولی میں ان سے انتہائی نرم رویّہ برتا اور نہایت ہی شفقانہ سلوک روا رکھا جاتا ہے۔

ایک یہودی کا عجیب واقعہ

ایک مرتبہ امیر المومنین سیّدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ ایک مکان سے گزر رہے تھے کہ اس کے دروازے پر ایک بوڑھا، نابینا سوال کر رہا تھا۔ آپ نے ازراہِ شفقت اس کی کمر پر ہاتھ مارا اور پوچھا کہ تم کون ہو۔ اس نے کہا کہ وُہ یہودی ہے، اسے جزیہ دینا ہے

جس کی ادائیگی کے لئے وہ بھیک مانگتا پھرتا ہے۔ فاروقِ اعظم نے اس کا ہاتھ پکڑا، اسے اپنے گھر لائے جو کچھ توفیق تھی، اسے عنایت فرمایا اور بیت المال کے افسر کو بلوا کر اسے ہدایت فرمائی کہ اسے دیکھ لو یہ ایک نادار یہودی ہے، اس قسم کے لوگوں سے جزیہ مت لیا کرو، بلکہ اس کی ضرورت کا بندوبست کردو۔ (یعنی اس کا بیت المال سے گزارہ الاونس مقرر کردو تاکہ اسے پیٹ پالنے کے لئے بھیک بھی نہ مانگنی پڑے) خدا کی قسم یہ بے انصافی ہوگی کہ اس سے ہم جوانی میں تو جزیہ لیں اور بڑھاپے میں اسے بے یارومددگار چھوڑ دیں (کتاب الخراج، صد ۱۲۶)

اسلام کے نظامِ معیشت پر حرف گیری کرنے والے ذرا نظرِ انصاف سے اس کی برکتوں کو دیکھیں جو بلا تمیز اپنے پرائے سب پر بیار نثار کی جارہی ہیں۔ فرنگی نظامِ حیات کا سرکارِ مدینہ کے نظامِ حیات سے موازنہ فرما کر خود ہی صحیح فیصلہ کریں ۔

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ
سُرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

غیر مسلم نادہندوں کے ساتھ سلوک

اسلام کے نظامِ معیشت میں مسلمان تو مسلمان ہے غیر مسلم نادہندگان سے بھی جو حسن سلوک برتا جاتا ہے اس کی کہیں مثال نہیں ملتی، اس کے برعکس آج کے نام نہاد ترقی پسند و مہذب دور میں جس طرح مجبور عوام کے ساتھ بہیمانہ سلوک کیا جاتا ہے، وہ بھی کسی سے پوشیدہ نہیں۔

اسلام کے سراپا رحمت و شفقت نظامِ معیشت کو رجعت پسندی کا طعنہ دینے والے حق و انصاف کے نام کی کسی چیز سے اگر واقف ہیں تو وہ غور کریں کیا یہی نام نہاد جدید اور

ترقی یافتہ نظامِ معیشت بہتر ہے جس میں مجبور عوام سے بسود در سود وصول کیا جاتا ہے اور ناداری و غربت سے ادائیگی نہ کرنے والے کو پابند سلاسل کر کے جیل میں ڈالا جاتا ہے اور اگر اس کے باوجود وہ بیچارہ نادار آدمی ٹیکس کی رقومات کسی مجبوری سے نہ دے سکے، تو اس کی جائداد جو اس کی ضروریات زندگی تک کی کفایت نہیں کر سکتی نیلام عام کر کے اس سے سرکاری قرضے وصول کیے جاتے ہیں؟ یا اسلام کا وہ نظام معیشت بہتر ہے جس میں مسلمان تو کجا نادہندگان غیر مسلموں سے بھی مشفقانہ سلوک کیا جاتا ہے اور ان سے کسی طرح کی زیادتی و تشدد کو ہرگز برداشت نہیں کیا جاتا؟ اس لیے یہ کہنا بجا ہو گا کہ اسلام کا نظام معیشت ہی ایک واحد نظامِ حیات ہے جو اپنے پرائے سے قطع نظر انسانی قدروں کا سچا محافظ ہے اور اس حقیقت کا اعتراف وُہ حضرات ضرور کریں گے جن کا سینہ عقل و شعور اور عدل و انصاف سے روشن ہے اور جو اس روشنی سے محروم ہیں۔ وُہ اپنی کج فہمی پر روئیں، اسلام کے نظام معیشت کا کیا قصور ہے؟

میرے شرر میں بجلی کے جوہر
لیکن نیستاں تیرا ہے نمناک

امام قاضی ابو یوسف علیہ الرحمتہ کتاب الخراج میں فرماتے ہیں:

ہمیں ہشام بن عمروہ نے اپنے باپ عروہ سے، انہوں نے سعید بن زید سے روایت کی ہے کہ ان کا اہل کتاب کے ایک گروہ سے گزر ہوا، جنہیں دھوپ میں کھڑا کیا گیا تھا۔ سعید بن زید نے اس کی وجہ دریافت کی جواب ملا کہ یہ لوگ جزیہ نہیں دیتے، انہیں اس کا دکھ ہوا، وہ سیدھے

حاکم کے پاس گئے اور کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے۔ آپ نے فرمایا من عذاب الناس عذبہ اللہ (جو لوگوں کو عذاب دیگا اسے اللہ تعالیٰ عذاب دے گا) اس پر ان کی رہائی ہو گئی۔

(کتاب الخراج صہ ۱۲۵)

اس کے بعد امام موصوف لکھتے ہیں سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ شام سے واپس تشریف لا رہے تھے کہ آپ کا کچھ ایسے لوگوں سے گزر ہوا جنہیں دھوپ میں کھڑا کر کے ان پر زیتون کا تیل ڈالا جا رہا تھا۔ آپ نے اس کی وجہ دریافت کی عرض کی گئی کہ یہ لوگ جزیہ نہیں دیتے، آپ نے فرمایا کیا کہتے ہیں۔

قالوا یقولون لا نجد قال فدعوھم لا تکلفوھم ما لا یطیقون فانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تعذبوا الناس فان الذین یعذبون الناس فی الدنیا یعذبھم اللہ یوم القیامۃ وامر بھم فخلی سبیلھم۔

(کتاب الخراج صہ ۱۲۵)

(وفتوح الشام اردو ج ۲ صہ ۲۸۴)

انہوں نے عرض کی کہ کہتے ہیں ہم دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔ آپ نے فرمایا پھر ان کو چھوڑ دو۔ ایسے بے ہمت لوگوں کو تکلیف نہ دیا کرو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ لوگوں کو (قابلِ درگزر بات میں) تکلیف دیا کرو جو لوگوں کو (قابلِ درگزر بات میں) عذاب دیں گے خدا روزِ قیامت انہیں عذاب دے گا۔ آپ نے انہیں رہا کر دینے کا حکم دیا، تو انہیں رہا کر دیا گیا ہے۔

آدمیت احترام آدمی! باخبر شو از مقام آدمی!

اس کی نفرت بھی عمیق اس کی محبت بھی عمیق
قہر بھی ہے اس کا اللہ کے بندوں پہ شفیق

قحط سالی میں قطع ید کی ممانعت

اسلام کے معاشی نظام کی برتری اور سربراہِ اسلام کی شفقتِ عامہ کا یہ عالم قابلِ دید ہے کہ قحط سالی میں چونکہ معاشی بدحالی کا دَور دورہ ہوتا ہے، اس لیے فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اس زمانہ میں قطع ید کی ممانعت فرما دی تھی؛ چنانچہ امام ابوعبید فرماتے ہیں کہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خیر خواہی اور معاملہ فہمی اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ آپ نے زمانۂ قحط میں چوروں سے ہاتھ کاٹنے کی سزا بھی ساقط فرما دی تھی اور فرمایا کہ زمانۂ قحط میں ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں دی جائیگی اور ایسے ہی وجوہ کی بنا پر آپ نے سو بکریوں کے ریوڑ کے مالک کو بوقتِ ضرورت زکوٰۃ لینے کی اجازت دے دی تھی (کتاب الاموال، ج ۲ - صہ ۳۳۱) کہ بکریوں سے کچھ حاصل نہیں ہوتا، کیونکہ وہ بھوک سے دودھ دینا بند کر دیتی ہیں اور دودھ پہ تو مالک کی روزی کا انحصار ہوتا ہے۔ قحط سالی اور معاشی بدحالی کے زمانے میں چوروں سے عفو درگذر کرنا نظامِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرۂ امتیاز ہے اس لئے یہ کہنا یقیناً بجا ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیا ہوا نظامِ زندگی پوری زندگی انسانیت کے لئے پیغام فوز و فلاح اور سراپا عفو و اماں ہے۔

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی، جو اماں ملی تو کہاں ملی
مرے جرمِ خانہ خراب کو ترے عفوِ بندہ نواز میں

حضرت علی کی ایک تحصیلدار کو نصیحت

امام بیہقی سنن کبریٰ اور امام ابو یوسف کتاب الخراج میں روایت کرتے ہیں کہ قبیلہ بنو ثقیف کا ایک شخص کہتا ہے کہ مجھے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے سابور علاقہ کا تحصیل دار مقرر کیا اور روانگی کے وقت مجھے حکم دیا کہ دیکھو روپیہ پیسہ کی وصولی میں کسی کو کوڑے نہ مارنا اور نہ ان کے خوراک کے سامان کو فروخت کرنا اور نہ ان کے موسم سرما اور گرما کے کپڑے نیلام کرنا اور نہ ہی ان کے جانوروں کو جن سے وہ کام کرتے ہیں اور نہ کسی کو ایک ٹانگ پر کھڑا کرنا۔ تحصیل دار نے عرض کی کہ اس صورت میں تو میں اسی طرح خالی ہاتھ واپس آؤں گا جیسے خالی ہاتھ گیا تھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا: افسوس کہ ہمیں حکم ہی یہی ہے کہ جو چیز فاضل اور ضرورت سے زائد ہو، اس سے محصول کریں، تو اگر تو نے میرے حکم کی خلاف ورزی کی، تو خدا تعالیٰ تجھے میرے بغیر ہی پکڑے گا اور اگر مجھے علم ہو گیا، تو میں تجھے معزول کر دوں گا۔ تحصیل دار کا کہنا ہے کہ حضرت علی کے حسب ارشاد روانہ ہوا۔ فعلت بالذی امرنی بہ فرجعت ولم انتقص من الخراج شیئاً۔ یعنی میں نے خراج کے وصول کرنے سے متعلق حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی ہدایات پر عمل کیا، تو پورا خراج لے کر لوٹا اور خراج سے کچھ بھی کم نہ تھا۔

یہ اسلام کی انتہائی رحمت و شفقت ہے کہ سرکاری ٹیکس اسی طرح لطافت و شفقت سے وصول کیا جاتا ہے کہ اس سے نہ کوئی بھوکا رہتا ہے، نہ پریشان و تنگ۔

لہٰذا ہمیں تہذیب حاضر کی اندھی تقلید کرنے کے بجائے اس سے استغنا و اعراض کر کے اپنے خدا و مصطفےٰ جل وعلا و صلی اللہ علیہ وسلم کے دیئے ہوئے نظام معیشت کو

نافذ کر کے اپنی عزت رفتہ کو واپس حاصل کرنا چاہیئے جس میں مسلمانوں کے لئے حقیقی ترقی کا راز مضمر ہے اور جو ہماری صحیح منزل و معراج ہے ؎

نہ ڈھونڈھ اس چیز کو تہذیب حاضر کی تجلی میں
کہ پایا میں نے استغنا میں معراج مسلمانی

جزیہ کی قلیل مقدار پر جرجی زیدان جیسے متعصب عیسائی کو تسلیم کرنا پڑا کہ جزیہ کی جو رقم اسلامی سلطنت میں غیر مسلم رعایا سے لی جاتی ہے، وہ اس رقم سے بہت ہی کم ہے۔ جو وہ اسلام سے قبل روم و ایران کی حکومتوں کو دیا کرتے تھے اب جب کہ غیر مسلم حکومت پاکستان کو مختلف ٹیکس دیتے ہیں جو جزیہ سے کہیں زیادہ ہے تو ٹیکسوں کی موجودگی میں ان سے جزیہ کی وصولی نہیں ہوگی، البتہ جزیہ میں انہیں فائدہ ہے کہ وہ تھوڑا ہوگا اور ٹیکس زیادہ ہے۔

جزیہ کے مصارف

جزیہ کے مصارف وہی ہیں جو خراج کے ہیں۔ (کما فی کتب الفقہ)

وقف

وقف کے معنیٰ ہیں کسی منقولہ یا غیر منقولہ شیئ کو اپنے ذاتی ملک سے خارج کر کے خالص اللہ کی ملک میں کر دینا تاکہ اس کا نفع واقف کی حسب خواہش بندگان خدا کو ملتا رہے۔ وقف ایک صدقہ جاریہ ہے کہ وقف کرنے والے کو ہمیشہ ہمیشہ (تا وجود موقوف) اس کا ثواب پہنچتا رہتا ہے اور بہتر وقف وہی ہے، جس کی مسلمانوں کو زیادہ ضرورت ہو جس کا نفع بھی زیادہ ہو۔ مثلاً کتابیں خرید کر کتب خانہ قائم کرنا اور اسے دین کے لئے وقف کرنا کہ اس سے اہل علم استفادہ کرتے رہیں اور وقف کرنے والے کو ثواب ہوتا

رہے۔

اسی طرح مدرسہ قائم کرنا اور اس کے لئے جائداد اور زمین، دکانیں و باغات وقف کرنا تاکہ اس کی ضروریات خود بخود پوری ہوتی رہیں جس سے اس کا وجود ہمیشہ کے لئے قائم رہے، یہ نہایت اعلیٰ درجے کا کام ہے۔ اس کے بعد مساجد کا قیام و تعمیر اس کے باقی رفاعی اداروں کی تعمیر ہے جو جائداد فقراء المسلمین پر وقف کی گئی، وہ بیت المال کی تحویل میں ہوگی جہاں سے فقراء المسلمین امداد پاتے رہیں گے۔

آج سے کچھ عرصہ قبل مسلمانوں میں اپنی آخرت سنوارنے کا جذبہ خوب تھا جس کی وجہ سے وہ اپنی جائدادیں نیک کاموں اور دینی اداروں کے لیے وقف کر کے انہیں خود کفیل بنا کر دین و دنیا میں بلند مقام حاصل کر جاتے تھے مگر آج بخل و کنجوسی کا خوب دور دورہ ہے۔ جائدادیں بنانے اور سمیٹنے کا جذبہ و رجحان ترقی پر ہے۔ خدا تعالیٰ اس مادہ پرستی اور ہوس ساختی سے بچا کر مسلمانوں کو پھر سے وہی جذبہ کہن عطا فرمائے۔ آمین ۔

شراب کہن پھر پلا ساقیا ‏ ‏ وہی جام گردش میں لا ساقیا
جوانوں کو سوز جگر بخش دے ‏ ‏ میرا عشق میری نظر بخش دے

کرا الارض

کرا الارض حکومت کی مملوکہ اراضی کا سالانہ کرایہ اور لگان ہے جو کاشت کاروں پر عائد کیا جاتا ہے۔ ایسی زمینوں کو اسلام کی اصطلاح میں ارض المملکتہ یا ارض المحوزہ کہتے ہیں اور جو لاوارث زمین ہو کر جنگ سے مفتوح ہو کر وقف علی المسلمین ہو گئی، اس کی بھی آمدنی بیت المال

میں جاتی ہے اور جنگ سے مراد کفر و اسلام کی جنگ ہے کہ ایک طرف کفار ہوں اور دوسری طرف سے مسلمان اعلاء کلمۃ الحق کیلئے لڑتے ہوں، اس کے سوا کوئی اور وجہ جنگ نہ ہو۔

یہی دینِ محکم یہی فتح باب!
کہ دنیا میں توحید ہو بے حجاب!

عشور

ایران اور روم کی سلطنتوں کا دستور تھا کہ جب کوئی مسلمان تاجر مالِ تجارت لیکر ان کی حد میں داخل ہوتا، تو وہ اس سے محصول (کسٹم ڈیوٹی) لیا کرتے تھے اور اگر وہ سال میں متعدد بار آمد و رفت رکھتا، تو ہر بار محصول لیتے۔ لیکن جب غیر مسلم اسباب تجارت لیکر آتا اسلامی مملکت اس سے کوئی محصول نہیں لیتی تھی۔ اس صورت حال سے غیر مسلم تاجر فائدے لے، و مسلم تاجر خسارے میں رہتے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے جب امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اس بارے میں خط لکھا، تو آپ نے فرمان جاری کیا کہ تم بھی ان سے کسٹم ڈیوٹی لیا کرو، اسے اسلامی اصطلاح میں عشور کہتے ہیں۔

خذ انت منهم كما ياخذون من تجار المسلمين۔	تم بھی غیر مسلم تاجروں سے ٹیکس لیا کرو جیسے وہ مسلمان تاجروں سے لیتے ہیں۔
(کتاب الخراج صـ ۱۳۵)	

اور اس فرمان میں مسلمان تاجروں سے محصول لینے کا حکم بھی شامل تھا، لیکن اس طرح کہ غیر مسلم ذمی سے کل مال لے کر گزرے، بیسواں حصہ اور غیر مسلم حربی سے دسواں اور مسلمان سے چالیسواں (وہی زکوٰۃ کا) حصہ لیا جاتے۔ ساتھ ہی یہ ہدایت بھی درج

تھی جس مال کا مسلمان سے چالیسواں حصہ اور ذمی سے بیسواں اور حربی سے دسواں حصہ لیا جائے' اس کی مالیت دو سو درہم سے کم نہ ہو'
اگر کوئی شخص بہت سے مال کو اس قدر کئی قسطوں میں کر کے لے جائے جس کی مالیت دو صد درہم سے کم ہو' تب بھی اس سے کوئی ٹیکس نہ لیا جائے۔ نیز یہ بھی کہ جس مال سے ایک بار کسٹم ڈیوٹی لی جائے۔ اگر اسے تاجر واپس لے جا کر پھر دوبارہ لے آئے جب بھی اس مال سے کسٹم ڈیوٹی نہ لی جائے' جب تک کہ وصولی کو سال نہ گزرے؛ البتہ غیر غیر مسلم حربی سے ہر بار کسٹم ڈیوٹی وصول کی جائے گی، غیر مسلم ذمی اور مسلمان تاجر سے' دونوں سے نہیں۔ نیز اس میں یہ ہدایت بھی تھی کہ اگر مسلمان تاجر اس بات کا حلف اٹھائے کہ اس مال کی اس نے زکوٰۃ ادا کر دی ہے' تو اس سے بھی کسٹم ڈیوٹی نہ لی جائے (کتاب الخراج صہ ۱۳۳/۱۳۴)

قارئین! غور فرمائیں کہ اسلام کو عوام کی حالت سدھارنے اور ان کی معیشت کو بہتر بنانے میں کس قدر احساس ہے۔ اسلام کے نظام معیشت میں ملک کے عوام سے متعلق جو جذبہ صادقہ کارفرما ہے' اسے ایک حقیقت بین کی آنکھ دیکھ کر تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتی؛ لیکن جنہوں نے اپنی آنکھ پر تعصب کی عینک چڑھا رکھی ہو۔ انہیں اس حقیقت کا ادراک کیسے حاصل ہو سکے

کیا خبر اس کو ہے یہ راز کیا؟
دوست کیا ہے' دوستی کی راز کیا؟

فائدہ راقم کی رائے میں ادائیگی' زکوٰۃ کا سرٹیفیکیٹ یا رسید کا مصدقہ کا تمہ بھی پیش کرنا فی زمانہ مزید موجب حصول طمانیت ہو گا کہ ج

کے مسلمان جھوٹی قسم اٹھانے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتے اور یہ سرٹیفکیٹ یا رسید کسی سرکاری یا نیم سرکاری ادارہ کی طرف سے مصدقہ ہو۔

عشور (کسٹم ڈیوٹی) کی شرعی حیثیت

عشور یعنی کسٹم ڈیوٹی جو مسلمان سے لی جائے وُہ زکوٰۃ اور جو ذمی و حربی غیر مسلم سے لی جاتے وُہ خراج متصور ہو گی، چنانچہ امام ابو یوسف کتاب الخراج میں فرماتے ہیں:

وکل ما اخذ من المسلمین من العشور فسبیله سبیل الصدقة وسبیل ما یوخذ من اهل الذمة جمیعا و اهل الحرب سبیل الخراج۔ صد ۱۳۳

اور جو عشور مسلمانوں سے لیا جاتا ہے وہ زکوٰۃ کے طور اور جو غیر مسلم ذمیوں اور حربیوں سے لیا جاتا ہے، وہ خراج کی مد سے متصور ہو گا۔

یعنی ہر ایک کو متعلقہ مد میں جمع کر کے اس کا حساب اندراج اسی کے ساتھ رکھا جائے گا:

ضرائب

ضرائب (ہنگامی ٹیکس) بھی بیت المال کے لئے ہوتے ہیں۔ اگر کفار کے ساتھ جنگ ہو جاتے اور بیت المال خالی ہو اور لوگوں کو ان کی ضروریات میسر نہ آ رہی ہوں جس سے تباہی و بربادی اور ہلاکت کا قوی اندیشہ منڈلا رہا ہو اور غنی و سرمایہ دار لوگ بھی وہ تمام مالی حقوق ادا کر چکے ہوں جو ان پر عائد ہوتے تھے۔ لیکن بایں ہمہ ملکی ضروریات پوری نہ ہو رہی ہوں یا قحط سالی سے بربادی و ہلاکت کا قوی اندیشہ بدستور باقی ہو، تو اس صورت میں سرمایہ داروں پر ہنگامی اور وقتی ٹیکس لگائے جائیں گے، ان کا نام ضرائب ہے۔

ان سے جبھی اور غریب و پریشان حال لوگوں کی معاشی ضرورت پوری کی جائیگی۔ بجائے اس کے کہ ہم غیر ملکوں سے قرض کی بھیک مانگتے پھریں۔ اپنے ملک کے دولت مندوں سے ان کے حسبِ استطاعت وقتی ٹیکس لے کر ملکی معیشت و ضرورت کو سنبھالا دیا جاسکتا ہے۔ بلکہ ہمارے اسلاف کی روایت تو یہ ہے کہ اہلِ ثروت و غنی لوگ اپنی صداقتِ نیت اور خلوصِ للّٰہیت کی بناء پر معاشی بدحالی اور غربت و فقر میں مبتلا لوگوں کی خود ہی خبر گیری کرتے اور ان کی اس حد تک معاونت فرماتے تھے کہ افلاس و غربت کے مارے ہوؤں کو زبان پر حرفِ شکایت لانے کی ضرورت ہی کم محسوس ہوتی تھی۔

اب تلک یاد ہے قوموں کو حکایت انکی!
نقش ہے صفحۂ ہستی پہ صداقت انکی!

ضرورتاً ہنگامی امداد سے اگر اہلِ استطاعت گریز کرنے لگیں، تو حکومتِ اسلامیہ ان سے جبری طور پر بھی امداد لے سکتی ہے۔ چنانچہ ہدایہ میں ہے۔

وللامام ان یفعل ذالک فی مال العادل عند الحاجۃ ففی مال الباغی اولی والمعنیٰ فیہ الحاق الضرر الادنیٰ لدفع الاعلیٰ	یعنی سربراہِ مملکت ملک کے وفادار دولت مندوں کے مالوں میں (ہنگامی ٹیکس عائد کرنے کا) تصرف کرسکتا ہے۔ تو وُہ ملک کے بے وفاؤں (جو ملکی ضروریات میں استطاعت کے باوجود تعاون نہیں کرتے، بلکہ آمادہ بر فساد رہتے ہیں) کے مالوں میں ضررِ اعلیٰ کے دفع کو تصرف
(ھدایہ شریف ج ۱ صـ ۵۸۵)	

کر سکتا ہے۔

اور امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کی مبسوط شریف میں ہے کہ حرب ہوازن میں ضرورت درپیش تھی، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان سے کچھ زرہیں اس کی بلا اجازت استعمال کے لیے لے لی تھیں (المبسوط ج ۱۰ صہ ۱۲۶)

نظام مصطفےٰ میں موجودہ بے ہنگم ٹیکسوں کی کوئی گنجائش نہیں

لیکن نظام مصطفےٰ

صلی اللہ علیہ وسلم میں ان موجودہ بے ہنگم ٹیکسوں کی کوئی گنجائش نہیں جو حکومتیں عوام پر بلاجواز مسلط کرتی ہیں، یہ سراسر عدل و انصاف کے خلاف اور خالص جبر و ظلم ہے اور یہ ظالمانہ اور بے رحمانہ ٹیکس محض مقتدر ہستیوں کی عیاشیوں اور ہوس پرستیوں سے باز آ کر اسلامی زندگی اختیار کریں، تو غریبوں پر اس قدر ظالمانہ ٹیکسوں کا بوجھ نہ لادنا پڑے۔

قارئین! غور فرمائیں کہ جس ملک کے سربراہ کی یہ حالت ہو۔

"جو ملک کے خزانے سے اپنے لئے ایک کروڑ دس لاکھ روپے سالانہ یعنی تیس ہزار روپے کے روزانہ وصول کرتا تھا اور دوسرے اخراجات اس کے علاوہ تھے۔ پاکستان کے خزانے سے انہوں نے اپنے لئے بیس لاکھ روپے کی ایک کار خریدی جس کا نام مرسیڈیز ۶۰۰ ہے"

(ہفت روزہ "اسلامی جمہوریہ" ۲۱، فروری ۱۹۷۸ء صہ ۳۲)

اور جس سربراہ کی یہ حالت ہو:

"دفتر خارجہ کے سفارتی ذرائع سے اور حکومت پاکستان کے خرچ

پر نیویارک سے پانچ سو ڈالر کے سوٹ، سے ایک سو ڈالر کی قمیض
روم سے ایک سو ڈالر کے بوٹ اور پیرس سے معدنی پانی منگوایا جاتا
تھا اس کے علاوہ اس کی پسندیدہ چائے سنگاپور سے منگوائی جاتی تھی"
("نوائے وقت لاہور" ۱۷ رمضان المبارک ۱۳۹۶ھ)

ایسے سربراہِ مملکت کو "مملکت" اور عوام کا خیر خواہ کہنا چاہیئے یا بدخواہ، جبکہ عوام بھوکوں مر رہے ہوں اور سربراہ کی عیاشی کا یہ عالم ہو کہ وہ اپنے ملک اور وطنِ عزیز کا پانی پینا بھی پسند نہ کرتا ہو اور غیر ملکوں کا معدنی پانی نوش کرے۔

ہم کو میسر نہیں مٹی کا دیا بھی!!
گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن

بہر صورت قرآن و سنت، اسلام اور مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیے ہوئے نظامِ حیات میں عوام پر ٹیکس عائد کرنے کی اس وقت تک اجازت نہیں، جب تک کہ خزانے میں کچھ موجود ہو۔ درِ مختار طبع انڈیا مطبع احمدی میں ہے۔

وکرہ الجعل ای اخذ المال من الناس لاجل الغزاۃ مع الفیئ ای مع وجود شیئ فی بیت المال۔ صہ ۳۳۷)

یعنی مجاہدین کے لئے لوگوں سے ضروریات کا سامان پکڑ لینا اس وقت تک ناجائز ہے جب تک کہ بیت المال میں کچھ موجود ہے۔

اور خزانہ تو مسلمانوں ہی کی ضروریات کے لئے ہے لان بیت المال مُعدٌّ لنوائب المسلمین (شامی ج ۳ صہ ۲۲۷) حکام کی عیاشیوں کے لئے نہیں علامہ امام ابن عابدین درِ مختار کی بالا مسطورہ عبارت کی شرح میں فرماتے ہیں:

وللامام ان یکلف الناس بان یقوی بعضھم بالکراع الی الخیل والسلاح وغیرہ ذالک من النفقۃ والزاد۔ (رد المحتار ج ۳ - صہ ۱۳۷)

کہ حاکم جنگی ضرورت کے وقت اجب کہ خزانے میں کچھ نہ ہو ، ضرورت مندوں کے لئے صاحب استطاعت لوگوں سے جبری طور پر سواریاں واسلحہ اور سفر خرچ دلوا سکتا ہے۔

اسی طرح ہدایہ فتح القدیر و عنایہ میں ہے۔ وما وظف الامام لتجہیز

الجیش وفداء الاساری الخ (ج ۳ صہ ۱۲۵ و ج ۷ - صہ ۲۲۲ و ج ۷ - صہ ۲۲۱/۲۲۲)

اور ضرورت کے پورے ہوتے بعد ٹیکس کے بغیر اصلی اشیاء جو جبراً لی گئی تھیں، مالکوں کو واپس کردی جائیں گی اور اگر کوئی چیز ضائع ہوگئی، تو مالکوں کو اس کی قیمت دی جائیگی ، چنانچہ مجمع الانہر میں ہے :

بشرط الضمان فاذا زالت الحاجۃ یرد ان کان قائما والا فقیمتہ (ج ۱ - صہ ۶۲۲)

یعنی بشرط ضمان پھر رفع ضرورت کے بعد اگر وہ چیز موجود ہو تو وہی مالک کو لوٹا دی جائیگی ، ورنہ اس کی قیمت۔

اسلام جان اور مال کا تحفظ دیتا ہے

یہ اس لئے کہ ہمارا دین ، دین اسلام ہے اور یہ مسلّم ہے کہ اسلام جان و مال کا مکمل تحفّظ دیتا ہے۔ دار الاسلام میں ہر شخص کی جان و مال واجب الاحترام اور واجب العصمۃ ہے۔ حدیث شریف میں ہے :

عصموا منی دماءھم واموالھم (مسکوٰۃ ج ۱ - صہ ۱۲)

کہ میں ہر مسلمان کو جان و مال کا مکمل تحفظ دینے کا ذمّہ دار ہوں۔

اور جان و مال و عزت و ناموس کا صحیح محافظ اسلام یعنی نظامِ مصطفےٰ ہی ہو سکتا ہے، بلکہ اسلام تو دارالاسلام میں موجود پناہ گزیں غیر مسلموں کو جان و مال کا مکمل تحفظ دیتا ہے اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اسلام کیسا عادلانہ نظامِ حیات ہے کہ ذاتی ملکیّت کو تحفظ دیتا ہے اور حاجت مندوں کی ضروریات کا کفیل بھی ہے۔
ایسے عظیم الشان اور حیات افزا نظامِ مقدس کے ہوتے ہوئے کیپٹلزم اور سوشلزم ایسے سوائے زمانہ نظام بے معنی ہو کر رہ جاتے ہیں ؎

ہفت کشور جس سے ہو تسخیر بے تیغ و تفنگ
تو اگر سمجھے تو تیرے پاس وہ ساماں بھی ہے

فیئ

اگر کفار مسلمانوں کے لشکر سے خائف و مرعوب ہو کر مال چھوڑ کر بھاگ جائیں اور وہ مال مسلمانوں کے ہاتھ لگے، اسے فیئ کہتے ہیں اور اس کے بھی تین حصے کئے جاتے ہیں۔ عمدۃ القاری شرح بخاری میں ہے:

وابو حنیفۃ یقسمہ، ثلاثا — کہ امام ابو حنیفہ اسے تین حصوں میں بانٹنے کا فرماتے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۱۰ - صـ ۲۲۴)

خمسِ غنیمت

مالِ غنیمت میں سے پانچواں حصہ فقراء و مساکین اور یتیموں کے لئے بیت المال میں رکھا جاتا ہے۔
لیکن اس وقت فیئ کی طرح یہ مد بھی موجود نہیں ہے۔

صدقات

صدقات نافلہ اور فقراء و مساکین اور یتیموں کے لئے نذر کئے ہوئے اموال بھی بیت المال میں جمع ہوتے ہیں جہاں سے مستحقین کو دیئے جاتے ہیں۔

اموالِ فاضلہ

یہ متفرق آمدنیاں :
۱. لاوارث لوگ فوت ہوجائیں اور اپنے پیچھے جائداد چھوڑ جائیں۔ ۲۔ مرتد کے زمانۂ ارتداد کا کمایا ہوا مال۔ ۳۔ ناجائز ذرائع سے حاصل کی ہوئی دولت بحق بیت المال ضبط کرلی جاتی ہے۔ یہ سب اموالِ فاضلہ ہیں جو بیت المال میں رکھے جاتے ہیں۔

کانیں

زمین کے وُہ خزانے جو قدرت نے اس میں پیدا کئے اگر سرکاری زمین میں دستیاب ہوتے تو کل بیت المال کے لئے ورنہ پانچواں حصہ بیت المال کے لئے۔ حدیث شریف میں ہے۔ و فی الرکاز الخمس کہ قدرتی خزائنِ ارضی میں خمس ہے۔ (کما فی الہدایہ ج ۱ صہ ۱۸۳)

دفینے

کسی زمین میں دفن کیا ہوا مال دفینہ کہلاتا ہے، اگر یہ کسی کو دستیاب ہوا اور اس کا مالک بھی کوئی نہ بنے، تو چار حصے دستیاب کرنے والے کے اور پانچواں حصہ بیت المال کا ہوتا ہے (کما فی الہدایہ)

سواری ٹیکس

بسوں، ٹرکوں، کاروں، سکوٹروں، موٹر سائیکلوں اور تانگوں پر ٹیکس وغیرہ، لیکن اس کی موجودہ مقدار زیادہ ہے اُسے کم کرنا ہوگا اور اگر اس کے بغیر مملکت کا کام چل سکے، تو اس ٹیکس کے عائد کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ اس کا نہ ہونا ہی بہتر ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ جب اسلام کا نظامِ حیات مکمل طور پر نافذ ہوگا۔ تو اللہ تعالیٰ آسمان سے ایسی برکتیں نازل فرمائے گا کہ سواری ٹیکس جیسے بوجھوں کی مصیبت سے قوم کو نجات مل جائے گی۔

آسماں ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش!
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہوجائے گی

ذرائع مواصلات: سرکاری بسیں، گاڑیاں (ریلوے) جہاز اور محکمۂ ٹیلیفون اور محکمۂ ڈاک کی آمدنی۔

برقیات: بجلی (الیکٹرک) کی آمدنی۔

سیاحت و زیارت: اسی طرح غیر ملکیوں کی سیاحت و زیارت کی آمدنی۔

تجارت: بنکوں سے سودی نظام کو ختم کر کے انہیں شریعت کے مطابق مضاربت مشارکت کے اصولوں پر چلایا جائے گا، اس کے منافع بھی بیت المال میں جمع ہوں گے۔

صنعت: اسی طرح سرکاری فیکٹریاں بھی جو آمدنی پیدا کرتی ہیں اس سے ورکروں کی زندگی خوشحال بنانے کے بعد فاضل آمدنی بھی بیت المال میں جمع ہو۔ مملکتِ اسلامیہ کی مندرجہ بالا پیداواری مدّت اور ذرائع آمد بہت وسیع ہیں، ان کے مقابلے میں اخراجات محدود ہیں۔ اگر ملکی معیشت پر عیاش و فضول خرچ کی بجائے قناعت پسند، امانت دار قیادت کا کنٹرول ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ ملک میں غربت و افلاس باقی رہ جائے۔

اس قدر ہو گی ترنم آفریں بادِ بہار!\
نکہت خوابیدہ غنچے کی نوا ہو جائے گی

کورٹ فیس کی ممانعت: کورٹ فیس چونکہ حصولِ انصاف کی فیس ہے، اس لئے یہ جائز نہیں

نظامِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں اس کی گنجائش نہیں۔ اسے ختم کردیا جائے تاکہ ہر شخص کو انصاف کے مواقع مفت حاصل ہوں۔

گزارہ الاؤنس اور تنخواہیں

اسلام کا معاشی نظام اس لحاظ سے بھی دُنیا بھر کے نظاموں سے اعلیٰ و برتر ہے کہ اس میں لوگوں کی معاشی کفالت کا پورا اہتمام ہے، حتیٰ کہ اس میں نومولود بچے تک کو گزارہ الاؤنس دیا جاتا ہے۔ اور اسلام نے اس وقت یہ اقدام کیا، جب کرۂ زمین پر کسی بھی معاشرے میں اس کا تصوّر تک نہیں ملتا تھا۔ اگر آج کسی غیر اسلامی معاشرہ میں یہ چیز پائی جاتی ہے تو وُہ اسلامی معاشرہ کی تقلید میں ہی ہے۔ لہٰذا حقوقِ انسانی کے تحفظ و نگہداشت کا سہرا خادمانِ اسلام کے ہی سر ہے۔ اسلام کے معاشی نظام میں وظائف کا نظم ونسق کئی ایک شعبوں پر مشتمل ہے۔ ہر ایک شعبہ کے لئے الگ الگ حساب کتاب رکھا جاتا ہے۔

فوج کی تنخواہ

فوج کے جوان جو فوجی خدمت و حاضری پر ہیں، ان کے لئے باقاعدہ ماہانہ تنخواہ ہوتی ہے۔ فوج کی تنخواہیں باضابطہ طور پر سیّدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے جاری فرمائیں۔ یہ تنخواہیں اس قدر ہوتیں کہ فوجیوں کے روزمرّہ کے ضروری اخراجات بآسانی پورے ہوتے۔ یہاں تک کہ جب کسی فوجی کے ہاں کوئی بچّہ جنم لیتا، تو اس کی تنخواہ کے اس کے بچّے کا ماہانہ وظیفہ بھی جاری کیا جاتا اور بچوں کے وظائف صرف فوج کے لئے ہی نہیں تھے سب کے لئے تھے، کیونکہ اسلام کے معاشی نظام کا دائرہ رحمت سب کے لئے یکساں ہیں،

ی نگاہ میں چھوٹا بڑا ایک سا ہے ؎

اسے واسطہ کیا کم وبیش سے
نشیب و فراز وپس وپیش سے

شیر خوار بچّہ کا وظیفہ

بشر بن غالب سے روایت ہے کہ حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا گیا کہ نومولود بچوں کا وظیفہ کب سے جاری ہو گا؟ انہوں نے فرمایا اسی وقت سے جب کہ وہ پہلی آواز نکالے (کتاب الاموال ج ۱ صہ ۳۹۹)

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بچّے کا وظیفہ اس وقت تک جاری نہ کرتے جب تک کہ اس کا دودھ نہ چھڑایا جاتا، لیکن بعد میں انہوں نے اعلان کیا کہ:

لوگو! اپنے بچوں کا دودھ چھڑانے میں جلدی نہ کیا کرو، ہم ہر مسلمان بچّے کی پیدائش کے وقت ہی سے اس کا وظیفہ جاری کریں گے اور یہی حکم انہوں نے تمام اسلامی مملکت میں بھیج دیا کہ مسلمان کے ہر بچّے کا اس کی پیدائش ہی سے وظیفہ مقرر کیا جائے۔

(کتاب الاموال ج ۱ صہ ۴۰۰)

بچّوں سے ہمدردی

مدونہ کبری اور اس کے حاشیہ میں امام مالک اور حضرت نافع سے مروی ہے کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایک رات تاجروں کے ایک قافلہ نے مدینہ منورہ کی عیدگاہ میں قیام کیا۔ حضرت عمر فاروق نے حضرت عبدالرحمن بن عوف سے فرمایا کہ یہ لوگ تھکے ماندے ہیں سو جائیں گے تو انہیں کوئی ہوش نہ رہے گا چلئے ہم دونوں

آج رات ان کا پہرہ دیں کہیں چور ان کا سامان نہ لے جائیں۔ دونوں رات بھر پہرہ دیتے اور نوافل پڑھتے رہے۔ اس دوران ایک بچے کے رونے کی آواز آئی۔ آپ اُس طرف تشریف لے گئے اور اس کی ماں سے فرمایا اے خدا کی بندی بچے کو مت رُلا یہ کہہ کر واپس تشریف لے آتے۔ اس کے بعد پھر اس بچے کے رونے کی آواز آئی آپ پھر تشریف لے گئے اور اس کی ماں کو وہی بات فرمائی حتیٰ کہ تین بار ایسا ہوا۔ آخر میں آپ نے جا کر اس کی ماں کو ڈانٹ کر فرمایا کہ تو کیسی بُری ماں ہے تیرا بچہ آج رات بھر کیوں بیقرار رہا ہے؟ اس نے کہا اے خدا کے بندے (اسے معلوم نہ تھا کہ یہ امیر المومنین ہیں) میں اس کا دودھ چھڑانا چاہتی ہوں مگر یہ نہیں چھوڑتا۔ آپ نے پوچھا کہ اس کا دودھ کیوں چھڑوا رہی ہو؟ کہنے لگی اس لئے کہ حضرت عمر کسی بچے کا وظیفہ اس وقت مقرر نہیں کرتے جب تک کہ وہ دودھ نہ چھوڑ دے۔ آپ نے پوچھا کہ یہ کتنے ماہ کا ہے۔ کہنے لگی اتنے ماہ کا ہے۔ آپ نے فرمایا جلدی مت کر۔ پھر آپ نے مسجد نبوی میں آکر صبح کی نماز پڑھائی تو بچوں کے غم میں اس قدر روئے کہ نماز میں آپ کی قرأۃ لوگوں کو واضح سنائی نہیں دے رہی تھی۔ پھر جب سلام پھیرا تو منادی کے ذریعے اعلان کرا دیا کہ لوگو! اپنے بچوں کا دودھ چھڑانے میں جلدی نہ کیا کرو۔ ہم آج کے بعد ہر مسلمان بچے کا وظیفہ مقرر کر دیں گے اور یہ ملک کے طول و عرض میں بھی جاری کر دیا گیا (المدونۃ الکبریٰ ج ۱۔ صہ ۳۰۳)

عمر کے ساتھ بچے کے وظیفہ میں اضافہ

محمد بن بلال المدینی اپنے باپ کی وساطت سے اپنی دادی کے بارے میں روایت کرتے ہیں وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ

عنہ کی خدمت میں حاضری دیا کرتی تھیں، ایک دن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو وہ نظر نہ آئیں تو آپ نے اپنے گھر والوں سے دریافت کیا کہ فلاں خاتون دکھائی نہیں دیتیں کیا وجہ ہے؟ ان کی اہلیہ نے عرض کی آج رات اس کے ہاں بچہ ہوا ہے حضرت عثمان نے (باوجود دیکہ اس کی طرف سے کسی قسم کی درخواست تک نہ بھیجی گئی تھی، خلیفہ نے محض اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے) محمد بن بلال کی دادی کے پاس پچاس درہم اور ایک چادر بھیجی اور فرمایا کہ یہ تیرے بیٹے کا وظیفہ ہے اور چادر سے اس کے کپڑے بنالے۔ جب یہ بچہ ایک سال کا ہو گا ہم پچاس کی بجائے اس کا وظیفہ سو درہم کر دیں گے۔ کتاب الاموال۔ ج۔ ا صہ ۲۰۰

ہے سوزِ دروں سے زندگانی
اٹھتا نہیں خاک سے شرارہ

خلیفۂ وقت کو جب کسی بچہ کی ولادت کا علم ہوتا تو وہ درخواست طلب کئے بغیر اس کا وظیفہ جاری کر دیتے	امام ابواسحاق اپنے دادا اخیار سے

راوی ہیں کہ ان کا گزر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سے ہوا، تو حضرت عثمان نے ان سے پوچھا:

بڑے میاں! آپ کے کتنے بچے ہیں؟ انہوں نے عرض کی کہ امیر المؤمنین میرے ساتھ کنبہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہم نے تمہارے لیے اتنا وظیفہ مقرر کر دیا ہے (راوی کو یہ مقدار یاد نہ رہی) اور تمہارے بال بچوں میں سے ہر ایک کے لئے سو سو درہم مقرر کیے۔ (ایضاً صہ ۲۰۰)

غربت کی ہوا میں باور ہو!!
ساقی تیرا نم سحر ہو!!

میت کا ترکہ وارثوں کے لئے اور اس کے عیال کا خرچ اور واجب الادا قرض حکومت کے ذمہ

اسلام کے معاشی نظام کی بے مثال خوبیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس میں سماجی تحفظ کا خوب اہتمام کیا گیا ہے اور وہ اس طرح کہ اگر کوئی مر جائے تو اس کا ترکہ وارثوں کا ہوگا، مگر اس کے عیال کا خرچ اور واجب الادا قرض مملکتِ اسلامیہ کے بیت المال (خزانہ) کے ذمہ ہوتا ہے؛ چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ رسول اللہ تعالیٰ اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فمن توفی من المومنین فترك دینا فعلی قضاءه ومن ترك مالا فهو لورثته (متفق علیه)	کہ جو مسلمان فوت ہو گیا اور اس کا قرضہ ہو تو اسربراہِ مملکت کی حیثیت سے) اس کی ادائیگی میرے (خزانے کے) ذمہ ہے اور جو مال چھوڑے وہ اس کے وارثوں کے لئے ہے۔
مشکوٰۃ ج ۱ - صہ ۲۵۲)	

یعنی مرنے والے کا اگر ترکہ ہو تو اس کا قرض اس کے ترکے سے ادا ہو گا۔ اور اگر قرض نہ ہو تو وہ ترکہ وارثوں میں تقسیم ہو گا۔ ہاں مال و ترکہ اگر کچھ نہ ہو گا اور قرض ہی قرض ہو گا، تو وہ بحکم امیر المؤمنین سرکاری خزانے سے ادا ہو گا۔ یہ حکم عام ہے کہ امیر المؤمنین رعایا کے لئے باپ کی حیثیت رکھتا ہے اور باپ کی شفقت پدری ادائیگی

قرض کا باعث ہے۔ اس حکم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مختص نہیں کرنا چاہیئے جیسا کہ ہم نے بین القوسین حیثیت کی قید لگا کر اس حکم کے عموم کی طرف پہلے ہی اشارہ کر دیا ہے۔ اسی طرح ایک اور حدیث ہے جسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

انا اولی بالمومنین من انفسہم فمن مات وترک مالا فمالہٗ لموالی العصبۃ ومن ترک کلا او ضیاعا فانا ولیہ فلادع لہٗ (ج ۲ صہ ۹۹۸/۹۹۷ طبع مجتبائی۔)

میں مسلمانوں کے ان کی جانوں سے زیادہ قریب ہوں، جو مسلمان مر جائے اور مال چھوڑ جائے، وہ اس کے وارثوں کا ہے اور جو قرض یا محتاج کنبہ چھوڑ جائے اس کے اخراجات کی ذمہ داری مجھ پر ہے۔ تم مجھے یاد کیا کرو۔

کتاب الاموال میں ہے کہ جو شخص (قرض یا عیال داری کا) بار چھوڑ کر مرے گا، وہ ہمارے ذمہ ہے اور جو شخص مال چھوڑ کر مرے گا، وہ اس کے وارثوں کا ہوگا۔ (ج ۱ صہ ۳۹۹)۔

حقائق ابدی پر اساس ہے اس کی
یہ زندگی ہے، نہیں ہے طلسم افلاطوں
عناصر اس کے ہیں روح القدس کا ذوق جمال
عجم کا حسن طبیعت عرب کا سوز دروں

علما و اساتذہ ائمہ و موذنین اور طلبا علم دین کے وظائف

علمائے کرام وائمہ و خطبا

اور موذنین کے وظائف باقاعدہ و باضابطہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جاری

فرماتے تھے اور وہ اسلامی مملکتوں میں بھی جاری ہے کیونکہ علماء و فقہاء اہل علم حضرات جو قرآن و حدیث اور دیگر علوم اسلامیہ کی خدمات انجام دیتے ہیں اور جو ان علوم کے سیکھنے میں مصروف ہیں اور اسی طرح جو دنیاوی علوم و فنون مفیدہ کے معلم و متعلم ہیں، ان کے وظائف بھی ان کے حسب شان مقرر رہتے ہیں۔

علماء اگرچہ دین کے علوم کی تعلیم اور فرائض کی بجاآوری خالص اللہ کے لیے کرتے ہیں؛ تاہم اسلام کے نظام میں پابندی اوقات کا ان کو معقول مشاہرہ دیا جاتا ہے جو اعلیٰ افسروں اور وزیروں کے برابر ہوتا ہے تاکہ کسی نہ کسی جذبے سے لوگ اپنے بچوں کو علم دین پڑھانے کی طرف مائل ہوں اس سے علوم دینیہ کی تجدید و بقا میں مدد ملتی ہے۔ اور اگر علماء کا وقار اور ان کے مشاہرے نسبتاً کم ہوئے تو لوگ اپنے بچوں کو علم دین پڑھانے سے گریز کریں گے جس سے ملک و ملت اور اسلام کو ناقابل تلافی نقصان پہنچے گا۔ جس کا مشاہدہ اب ہم کر چکے ہیں، نیز علمائے کرام کا فکر معاش سے آزاد ہونا ملک و ملت کی اولین ضرورت ہے۔

اس جہاں میں اک معیشت اور سو افتاد ہے
روح کیا اس دیس میں اس فکر سے آزاد ہے

فقراء و مساکین اور بے روزگاروں کے لئے گزارہ الاونس

اسلامی نظام نے فقراء، مساکین اور بے گاروں کے ماہانہ وظائف مقرر کئے ہیں، اس میں نادار، بے روزگار، مریض، بوڑھے معذور، یتیم اور بیوگان سب شامل ہیں، حکومت اسلامیہ کا بیت المال سب کی ضروریات زندگی کا حد ضرورت تک کفیل ہوتا ہے۔ فتوح البلدان میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ

عنہ نے ان مستحقین کی خوراک کی مقدار مقرر کرنے کے لئے اچھی خوراک کھانے والے چند آدمیوں کو بلا کر انہیں دو وقت کا کھانا کھلایا اور اسی حساب سے ہر شخص کی خوراک بیت المال سے ماہانہ طور پر مقرر کر دی۔ کتاب الاموال میں سفیان بن وہب سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ میں مدی اور قسط دو پیمانے لے کر فرمایا:

"میں نے ہر شخص کے لئے ماہانہ ایک مدی (ایک من چھتیس سیر) گندم دو قسط (سوا چار سیر) زیتون کا تیل مقرر کر دیا۔ حاضرین میں سے ایک نے عرض کی کہ غلاموں کا بھی؟ فرمایا ہاں غلاموں کا بھی (ج ۱ صہ ۴۱۰)

حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو مشورہ دینا

امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کتاب الخراج میں لکھتے ہیں کہ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا: فاجزل لہم فی العطاء والرزق لایحتاجون صہ ۱۱۳

کہ علماء کے وظائف بھاری مقرر کیجئے تاکہ وہ معاشی فکر و احتیاج سے بالاتر ہو کر ملک و ملت کی خدمت کریں۔ چنانچہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس پر عمل کیا اور علماء کے بھاری مشاہرے مقرر کر کے انہیں فکر معاش سے مستغنی کر دیا۔

قرآن مجید پڑھنے پر وظیفہ

سعید بن ابراہیم سے مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے گورنروں کو فرمان بھیجا کہ "لوگوں کو قرآن مجید سیکھنے پر وظیفے دو" گورنروں نے آپ کی خدمت میں لکھا کہ آپ کے حکم کی تعمیل کی گئی ہے اور کچھ ایسے لوگوں نے بھی قرآن

مجید سیکھنا شروع کر دیا جنہیں سوائے وظیفے کے اور کوئی کشش تعلیم قرآن کے حصول میں نہیں ہے (اور یہ اچھی بات ہے کہ کسی طرح قرآن تو سیکھ لیں گے) آپ نے پھر لکھا کہ لوگوں کو شرافت و مروت اور نیک صحبت کی بنا پر بھی وظیفے دو۔ (کتاب الاموال ج ۱ صد ۳۶۸)

اسید بن عمرو سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب معلوم ہوا کہ ایک گورنر حضرت اسعد رضی اللہ عنہ نے یہ اعلان کیا ہے کہ جو قرآن مجید پڑھے گا' میں اس کا نام دو ہزار وظیفہ پانے والوں میں درج کر دوں گا۔ تو انہوں نے کہا کہ اُف کیا (یہ زمانہ بھی ہمیں دیکھنا پڑا کہ) کتاب اللہ (کے علم کو اسلامی جذبے سے نہیں محض وظیفے کے طمع سے (پڑھنے پر (بھی) وظائف دیے جائیں گے۔ (کتاب الاموال ج ۱۔ صد ۳۲۸)

تعلیم قرآن پر تنخواہ

ابو غیلان سے مروی ہے کہ عمر بن عبد العزیز نے یزید بن ابی مالک دمشقی اور حارث بن یحمد اشعری کو دیہاتی لوگوں کو دینی تعلیم دینے کے لئے بھیجا اور ان کے لیے تنخواہ مقرر کر دی، مگر حارث نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس بارے میں حضرت عمر بن عبد العزیز کو اطلاع دی گئی' تو آپ نے جواب میں لکھا کہ یزید نے جو کچھ کیا (کہ تعلیم قرآن پر تنخواہ قبول کر لی) اس میں کوئی خرابی معلوم نہیں ہوتی اور ہماری دعا ہے کہ خدا تعالیٰ ہمارے اندر حارث جیسے (بے لوث خدمت کرنے والے) لوگوں کی کثرت کرے۔" (کتاب الاموال ج ۱ صد ۳۲۸)

ہیں لوگ وہی جہاں میں اچھے
آتے ہیں جو کام دوسروں کے

تعلیم حدیث پر معاوضہ

جس طرح دوسرے علوم کی تعلیم و تدریس پر اجرت لینا جائز ہے اسی طرح تعلیم و تحدیث حدیث پر بھی معاوضہ و اجرت لینا جائز ہے۔ چنانچہ صاحب المجتبیٰ امام عبدالرحمٰن نسائی علیہ الرحمۃ کے شیخ یعقوب بن ابراہیم علیہ الرحمۃ حدیث کی روایت پر اجرت لیتے تھے۔ المجتبیٰ یعنی سنن امام نسائی میں ہے:

کان یعقوب لایحدث بھذا الحدیث الا بدینار (سنن نسائی ج ۱ ص ۔۔)

یعنی شیخ یعقوب بن ابراہیم علیہ الرحمۃ ایک دینار لے کر ہی اس حدیث کی روایت کرتے تھے۔

اور وہ حدیث جسے یعقوب بن ابراہیم علیہ الرحمۃ دینار لے کر روایت فرماتے تھے

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لایبولن احدکم فی الماء الدائم ثم یغتسل منہ (نسائی ج ۱ ص ۲۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص رکے ہوئے پانی میں ہرگز پیشاب نہ کرے کہ اس میں نہانا پڑے گا۔

جو علماء قومی و دینی کاموں پر مامور ہیں انکی معاشی کفالت حکومت کے ذمہ ہے

جو علماء قومی اور دینی کاموں پر مامور ہیں اُن کی معاشی

کفالت حکومت کے ذمہ ہے۔ چنانچہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے کیا۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہے کہ آپ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو یمن میں کسی کام کے لئے بھیجا۔ جب واپس آئے تو حضور نے انہیں اس خدمت کا صلہ دیا۔ کما فی النسائی اسی طرح بیہقی میں امام زہری سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عتاب بن اسید کو مکہ مکرمہ کا عامل بنایا تو ان کے لئے چالیس اوقیہ سالانہ مقرر فرمائے اور ایک اوقیہ چالیس درہم کی ہوتی ہے (عنایہ شرح ہدایہ ج ۱۰ صہ ۲۷ طبع مصر)

الاختیار اور الہدایہ میں ہے:

وَيَجُوزُ الإِجَارَةُ عَلَى التعليم والإمامة في زماننا وعليه الفتوى لحاجة الناس اليه۔ (الاختیار ج ۲ صہ ۶۰ والہدایہ ج ۳ صہ ۳۰۱)	کہ تعلیم قرآن وحدیث وغیرہ اور امامت و اذان ایسے نیک کاموں (بہ پابندی اوقات) کا معاوضہ جائز ہے کہ لوگوں کو اس کی ضرورت ہے۔

معلوم ہوا کہ علماء کا درس و تدریس پر وظیفہ لینا بلاشبہ جائز ہے اور یہ دراصل پابندی اوقات کا وظیفہ ہوتا ہے جس میں یہ درس و تدریس ایسی دینی خدمت انجام دیتے ہیں، اس پر علم فروشی کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ علم فروشی کے معنی یہ ہیں کہ طمع و لالچ میں دیدہ دانستہ غلط بیانی کی جائے یا علم کی بات چھپا دی جائے حالانکہ اس کے اظہار کا بھی وقت اور ضرورت ہو۔ اجرت لے کر وقت خرچ کرنا اور اوقات کی پابندی کرنا قابل معاوضہ چیز ہے بس اسی کی اجرت اور اسی کا مشاہرہ ہوتا ہے نہ یہ علم و فتویٰ فروشی ہے اور نہ ہی رشوت۔ یہ بلاشبہ جائز اور رشوت بلاشبہ حرام و ناجائز۔ اس کا احادیث میں جو ذکر وارد ہے جیسا کہ رشوت لینے کی مذمت و ممانعت

ایک امر مسلّم ہے۔

رشوت کی ممانعت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت دینے اور لینے والے پر لعنت فرمائی اور اس پر بھی جو رشوت کا دلال ہے (ابو داؤد و ابن ماجہ عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ و ترمذی عنہ و عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ و احمد و بیہقی عن ثوبان رضی اللہ عنہ)

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کسی کی سفارش کرے اور وہ اسے کچھ ہدیہ دے اور یہ قبول کرلے، تو وہ سود کے دروازوں میں سے ایک بڑے دروازے پر جا پڑا۔ (ابو داؤد عن ابی امامۃ رضی اللہ عنہ) حکام کا معاملہ علماء کے معاملہ سے مختلف ہے اور وہ یہ کہ۔

ہدیہ علماء کے لئے جائز اور حکام کے لئے ناجائز

حاکم اور افسر کو ہدیہ وصول کرنا جائز نہیں بلکہ یہ رشوت ہے جیسا کہ اکثر لوگ حکام کو ڈالی یا تحفہ اور گفٹ کے نام سے دیتے ہیں اور اس سے مقصود صرف یہی ہوتا ہے کہ اگر کوئی معاملہ ہوگا، تو ہماری رعایت کریں گے۔ اگر اس کی چیز واپس کر دی، تو اسے تکلیف ہوگی، تو وہ اس کی چیز کو لیکر اس کی مناسب قیمت دے دے۔ کم قیمت دیکر لینا بھی جائز نہیں اور اگر کوئی اس چیز کو رکھ کر چلا گیا۔ اسے معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کون تھا: تو اس چیز کو بیت المال (قومی خزانے) میں بطور امانت داخل کر دے خود نہ رکھے جب دینے والا معلوم ہو جائے تو اسے واپس کر دے۔ اسی طرح حاکم کو رعیت سے قرض و عاریت لینا اور مفت کام کرانا بھی جائز نہیں۔ (در مختار مع الشامی ج ۵ صہ ۳۷۲)

واعظ و مفتی و مدرس و امام و خطیب مسجد قبول کر سکتے ہیں ، اجبکہ یہ کسی محکمہ کے افسر نہ لگے ہوں ، ورنہ ان کے لئے بھی وہی مسئلہ ہے جو حاکم و افسر کے بارے میں گزرا کہ انہیں جو کچھ دیا جاتا ہے ، وہ ان کے علم و دین کا اعزاز ہے ۔ کسی چیز کی رشوت نہیں ہے ۔ اگر مفتی کو فتوے کی رعایت کے لئے ہدیہ دیا کہ وہ اس کے حسب خواہش ہی فتویٰ دے خواہ غلط ہی کیوں نہ ہو ، تو دینا لینا دونوں حرام اور فتویٰ بتانے کی اجرت بھی حلال نہیں ، ہاں لکھنے کی اُجرت لے سکتا ہے ، فتاویٰ شامی میں ہے ۔

وانّما یحلّ علی الکتابۃ لانّہا غیر واجبۃ علیہ ۔ (شامی ج ۵ ص ۳۷۲)	اور فتویٰ لکھنے کی اجرت لے سکتا ہے کہ لکھنا اس پر شرعاً واجب نہیں ۔

اور یہ جو گزرا کہ شیخ یعقوب بن ابراہیم حدیث کی روایت پر ایک دینار اُجرت لیتے تھے ، اس کا محمل یہ بھی ہو سکتا ہے یعنی کان رضی اللّٰہ عنہ یاخذ الدینار علی تحدیث ذالک الحدیث کتابۃ لا علی نفس روایۃ الحدیث واللّٰہ اعلم ۔ نیز حکام و افسران کو ان کے جو رشتہ دار احباب اُن کے عہدہ سے بیشتر ہدیہ کرتے تھے ، وہ اب بھی لے سکتے ہیں ، مگر معمول سابق سے زیادہ نہیں ۔ ہاں اگر ہدیہ دینے والا اب مالی اعتبار سے ترقی کر گیا ہے اور ہدیہ میں اضافہ اسی مالی فراوانی کی بنا پر ہے ، تو کل کے قبول کر لینے میں حرج نہیں ہے کہ مقصود اخلاص ہے طمع نہیں ۔

اخلاص عمل مانگ نیاگان کہن سے !
شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را !

رشوت کی تعریف و حکم

رشوت اس مال کو کہتے ہیں جسے ضرورت مند شخص اس شرط پر حاکم کو دے تاکہ وہ اس کے

حق میں فیصلہ دے یا کسی ایسے شخص کو اس شرط پر دے جو حاکم سے اس کا کام کرا دے گا (شامی ج ۵ ص ۳۶۲)

اور اگر ایک شخص کسی کا کام بلا طمع کر دے پھر وہ اسے کچھ دے تو اس کے لینے میں حرج نہیں اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے جو کراہت منقول ہے وہ ان کے تقوٰی پر مبنی ہے (شامی ج ۵ ص ۳۶۲) یعنی یہ اگرچہ جائز ہے، تاہم لینے والے کو اس سے پرہیز بہتر ہے۔

مجبوری و بے بسی میں رشوت کا مسئلہ

فقہاء اسلام نے اس امر کی تصریح فرمائی ہے کہ ظالم و جابر آدمی سے اپنی جان و عزت بچانے یا اپنا حق وصول کرنے کے لئے بے بس و مجبور انسان رشوت دینے پر گنہگار نہ ہوگا، بلکہ اس کی بجائے رشوت لینے والا ظالم ہی دوہرے گناہ میں ملوث اور عذاب کا مستحق ہوگا۔ (فتح القدیر شرح ہدایہ ج ۷ ص ۲۵۵)

ایک شبہ کا ازالہ

جب حاکم کو ہدیہ لینا جائز نہیں، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت حاکم اعلیٰ کی بھی تھی، تو آپ ہدیے اور تحفے کیوں قبول فرما لیتے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ (بنا بر عصمت و عفت) یہ آپ کی خصوصیت ہے چنانچہ علامہ حصکفی فرماتے ہیں:

ومن خصوصیته علیه الصلٰوة والسلام ان هدایاه له مفاده انه لیس للامام قبول الهدیة ۔ و اقره ثم تبعه خصوصیة ۔ (درمختار)	کہ یہ آپ کی خصوصیت ہے کہ آپ کے لئے حاکم ہونے کے باوجود ہدیے جائز تھے دوسرے حاکم کے لئے نہیں وہ نہ یہ خصوصیت نہ رہے گی۔

مع الشامی ج ۵ صـ ۲۷۲)

غرضیکہ علماء کے وظائف بیت المال سے مقرر کیے جائیں گے اور سب مستحقین کو کہ جن کے وظائف مقرر ہیں دینے کے بعد فاضل سرمایہ دیگر ضرورت مندوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ کہیں قرض خواہ کو قرض کے طور پر اور کہیں مقروضوں کے قرض اتارنے ہیں۔ وقس علیٰ ھذا کیونکہ سرمایہ کے ویسے پڑے رہنے سے اس کا ضرورت مندوں پر خرچ ہونا بہتر ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل

حضرت انس بن محمد سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پاس آنے والے مال پر نہ دوپہر گزرنے دیتے تھے نہ رات۔ (کتاب الاموال، ج ۱ صـ ۳۱۲)

دل بے نیاز بخشد در سینہ دارم !!
گدارا دہ شیوۂ بادشاہے۔

کتاب الاموال صـ ۳۱۲ میں اس روایت کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:
کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مال کو تقسیم فرمانے اور مستحقین تک پہنچانے میں عجلت سے کام لیتے تھے۔ اگر آپ کے پاس مال صبح پہنچتا تو آپ اسے دوپہر تک اپنے پاس نہ رہنے دیتے۔ اسی طرح اگر مال شام کے وقت آتا، تو آپ رات سے پہلے پہلے تقسیم فرما لیتے تھے اور حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میرے پاس اُحد پہاڑ کے برابر سونا ہو تو مجھے بڑی خوشی ہوگی کہ تین راتیں گزرنے سے پہلے پہلے اس میں سے کچھ بھی میرے پاس باقی نہ رہے، مگر یہ کہ مجھ پر قرض ہو اور اسے ادا کرنے کے لیے میں نے کچھ بچا لیا ہو۔

کہاں سے تو نے اے اقبال سیکھی ہے یہ درویشی
کہ چرچا بادشاہوں میں ہے تیری بے نیازی کا

حضرت جبیر بن مطعم سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غزوۂ حنین سے واپسی پر میں بھی اور لوگوں کے ساتھ آپ کے ساتھ جا رہا تھا کہ کچھ دیہاتی عرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے لگ گئے اور آپ سے مانگنے لگے۔ ایک کیکر کے درخت کے پاس سے گزرتے ہوئے آپ کی چادر اس میں الجھ گئی۔ آپ ٹھہر گئے اور فرمانے لگے میری چادر چھوڑ دو، فرمایا اگر ان کیکر کے درختوں کے پتوں کے برابر بھی اونٹ یا مویشی ہوتے تو میں وہ بھی تم میں تقسیم کر دیتا اور تم دیکھ لیتے کہ میں نہ تو بخیل ہوں اور نہ دروغ گو اور نہ ہی بزدل۔

(کتاب الاموال ج ۱ صہ ۴۱۳)

سب مال ضرورت مندوں میں بانٹ دیا

صحیح ترمذی میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انصار میں سے کچھ حاجت مند لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور آپ سے مالی امداد کا سوال کیا۔ آپ نے انہیں حسب ضرورت عطا فرمایا انہوں نے پھر سوال کیا آپ نے عطا فرمایا۔ صحیحین میں ہے کہ یہاں تک کہ جو مال جمع تھا سب دیدیا اور کچھ بھی باقی نہ چھوڑا فرمایا ما یکون عندی من خیر فلن ادخرہ عنکم۔ یعنی جو مال میرے پاس ہوتا ہے اسے تم میں سے روک کر جمع کر کے نہیں رکھتا (ترمذی ج ۲ صہ ۱۲۳)۔

اس حدیث کی شرح میں امام عینی لکھتے ہیں۔ انّ السّلطان اذا علم بحاجۃ لاحد الی المال لا یحل لہ ان یدخر منہ شیئاً (عمدۃ القاری شرح بخاری ج ۴۔

ص ۱۶۲) یعنی حاکم کو جب ہے تو اسے جائز نہیں کہ وہ مال کو اس سے روک رکھے بلکہ قومی خزانے سے اس کی حاجت رفع کرنا اس کا فرض ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول و فعل سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ بیت المال اسرکاری خزانہ ملک و قوم کی امانت ہے۔ عمدۃ القاری میں ہے۔ ان للمسلمین حضا فی بیت المال یعنی بیت قومی خزانہ میں عوام کا حق ہے جسے وہ ضرورت کے وقت حکومت سے لے سکتے ہیں (عمدۃ القاری ج۔۹۔ ص ۵۳)۔

مملکت کا سربراہ اور امیر ملک اسے مفاد عامہ کے لئے ہی مصرف میں لانے کا ذمہ دار ہے اسے اس بات کی اجازت ہرگز نہیں کہ بیت المال یا قومی خزانے کو نفس پرستی اور اقربا پروری کا ذریعہ بنائے اس سلسلے میں سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ملاحظہ فرمائیے جو آپ نے درس عبرت کے طور پر ہمارے لئے چھوڑی ہے۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا اپنے ایک قریبی رشتہ دار سے برتاؤ

امام ابن جریر طبری اپنی تاریخ میں فرماتے ہیں کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا ایک قریبی رشتہ دار آپکی خدمت میں حاضر ہوا اور کچھ مانگا، آپ نے اسے ڈانٹ ڈپٹ کر کے نکال دیا کسی نے آپ سے عرض کی۔

یا امیر المومنین فلان سألک فزبرتہ واخرجتہ فقال انہ سألنی من مال اللہ فما معذرتی ان لقیتہ ملکا۔ خائنا فلولا سألنی من مالی

کہ یا امیر المومنین آپکے فلاں قریبی رشتہ دار نے آپ سے سوال کیا تو آپ نے اسے جھڑک دیا آپ نے فرمایا اس نے مجھ سے خدا کے مال (قومی سرکاری خزانے) سے مانگا تھا تو اگر میں خیانت پسند حکمران خدا کے حضور پیش ہوا تو میرے پاس کیا

قَالَ فَارْسَلَ اِلَيْهِ بِعَشْرَةِ اٰلَافٍ — عذر ہوگا؟ ہاں! وہ میرے ذاتی مال سے
(تاریخ الطبری ج ۵ صہ ۱۹) — سوال کرتا تو میں اسے کچھ ضرور دیتا۔ پھر آپ نے اپنے ذاتی مال سے دس ہزار کی رقم اس کے پاس بھیج دی۔

اس واقعہ و روایت میں تین باتیں قابلِ تقلید ہیں، ایک کہ سربراہِ مملکت ایک ایسی شخصیت ہی ہونی چاہیئے جس کا دل و دماغ قرآن و سنت اور فقہ اسلام کے نور سے منور اور خوفِ خدا سے بھرپور ہو تاکہ امورِ مملکت میں اس کا ہر اقدام و تصرف خدا اور رسول جل وعلا و صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع اور دیانت و امانت پر مبنی ہو، دوسری یہ کہ وہ بخل و کنجوسی کی وصف مذموم سے بھی منزہ و پاک ہو، تیسری یہ کہ قومی اور ملی مفاد کے تحفظ کے لئے اپنے اور پرائے سب کے لئے سختی اور درشتی کی ضرورت ہے۔

حفاظت پھول کی ممکن نہیں ہے
اگر کانٹے میں ہو خوئے حریری

قومی خزانہ جسے اسلامی فقہ میں بیت المال کہنا چاہیئے قوم کے لئے ہے۔ سربراہِ مملکت کو نہ صرف اس حقیقت کا علم ہونا ضروری ہے بلکہ اسے اس بات کا فکر بھی دامن گیر ہونا چاہیئے کہ ملک کے عوام اس کے ہوتے ہوئے معاشی مصائب میں مبتلا نہ ہونے پائیں، اس سلسلے میں سیرتِ فاروقی کی ایک اور روایت قابلِ تقلید ہے۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ایک مسافر عورت کی امداد کو پہنچنا

امام ابن جریر طبری اپنی تاریخ میں فرماتے ہیں ایک مرتبہ سیدنا عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ رات کے وقت حسبِ معمول گشت پر تھے اور حضرت اسلم رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ہمراہ تھے، آپ نے کچھ

دور آگ جلتی دیکھی حضرت اسلم سے فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ رات اور سردی کی وجہ سے وہاں کوئی مسافر ٹھہرنے پر مجبور ہوا ہے۔ آیئے چل کر اس کی خبر لیں۔ چنانچہ ہم تیز تیز چلتے ہوئے وہاں جا کر دیکھا۔ تو وہ ایک عورت تھی جس نے ایک خیمہ میں پناہ لے رکھی تھی۔ اس کے ہمراہ کچھ بچے تھے۔ اس نے ہانڈی آگ پر چڑھا رکھی تھی اور بچے بھوک سے بلک رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَصْحَابَ الضَّوْءِ، یا اصحاب النار کہنا پسند نہ فرمایا (کہ قرآن میں اصحاب نار، دوزخیوں کو کہا گیا ہے) عورت نے سلام کا جواب دیا۔ آپ نے فرمایا کہ کیا میں قریب آسکتا ہوں۔ اس نے کہا ہاں بھلائی کا ارادہ ہے تو آسکتے ہو۔ ورنہ نہیں۔ آپ نے قریب ہو کر پوچھا تمہارا کیا حال ہے؟ اس نے کہا رات کو سردی سے مجبور ہو کر ہمیں یہاں ٹھہرنا پڑا ہے۔ آپ نے پوچھا یہ بچے کیوں بلک رہے ہیں؟ کہنے لگی بھوک سے۔ آپ نے پوچھا اَیُّ شَیْئٍ فِیْ ھٰذِہِ الْقِدْرِ کہ اس ہانڈی میں کیا ہے؟ قَالَتْ مَاءٌ اُسْکِتُھُمْ بِہٖ حَتّٰی یَنَامُوا اللّٰہُ بَیْنَنَا وَبَیْنَ عُمَرَ بولی کہ اس میں پانی ہے اس بہانے میں بچوں کو بہلا کر انہیں خاموش کر رکھا ہے تاکہ وہ سو جائیں اور ہمارے اور عمر کے درمیان اللہ ہی فیصلہ کریگا۔ آپ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ تجھ پر رحم کرے، عمر کو تمہارا کیا علم؟ بولی کہ وہ ہمارا والی ہو کر ہم سے بے خبر ہے۔ آپ وہاں سے جلدی سے اٹھے اور اسلم کو ساتھ لیکر بیت المال تشریف لائے اور وہاں سے آٹے کی بوری، گھی کا ڈبہ اور دوسری ضروریات کی چیزیں لیں اور اسلم کہتے ہیں مجھے فرمایا کہ یہ سامان میری پیٹھ پر رکھ دو۔ میں نے اصرار کیا کہ نہیں میں اٹھاؤں گا۔ آپ نے فرمایا انت تحمل عنی وزری یوم القیامۃ کہ روز قیامت میری کوتاہی کا بوجھ تم ہی اٹھاؤ گے۔ آخر میں نے آپ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے وہ سامان آپ کی پیٹھ پر رکھ دیا اور ہم تیز تیز

چلتے ہوئے وہاں پہنچے۔ آپ نے اس بوری وغیرہ کو عورت کے پاس جا کر اتار دیا اور کچھ آٹا نکال کر اسے گوندھ دیا اور عورت سے فرمایا کہ تم مجھے آٹے کے پیڑے بنا بنا کر دیتی جاؤ اور میں روٹی پکاتا جاؤں۔ چنانچہ روٹی پک گئی۔ پھر آپ نے ہانڈی آگ پر رکھ دی۔

وَجَعَلَ يَنْفُخُ تَحْتَ الْقِدْرِ وَكَانَ ذَا لِحْيَةٍ عَظِيْمَةٍ فَجَعَلْتُ اَنْظُرُ اِلَى الدُّخَانِ مِنْ خَلَلِ لِحْيَتِهٖ (تاریخ الطبری ج ۵۔ صد ۲۱)

اور ہانڈی کے نیچے خود ہی آگ کو پھونکنے لگے۔ آپ کی داڑھی بہت بھاری اور گھنی تھی۔ میں دھوئیں کو آپ کی داڑھی کے بیچ سے نکلتا ہوا دیکھ رہا تھا۔

یہاں تک کہ سالن تیار ہو گیا۔ تو آپ نے ہانڈی نیچے اتار لی اور عورت سے فرمایا: پیالے دو۔ اس نے پیالے دیئے۔ آپ پیالوں میں سالن ڈال کر عورت کو اور اس کے بچوں کو روٹی پکڑاتے گئے یہاں تک کہ انہوں نے پیٹ بھر کر کھانا کھا لیا اور آپ نے ان کے لئے بستر لگا دیئے پھر ایک طرف ہو کر بیٹھ گئے۔ عورت آپ کو بے ساختہ دعائیں دینے اور کہنے لگی۔

جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا اَنْتَ اَوْلٰى بِهٰذَا الْاَمْرِ مِنْ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ تاریخ الطبری ج ۵۔ صد ۱۲

خدا تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ امیر المومنین کی بہ نسبت آپ ہی خلافت کے زیادہ لائق ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ دعا دیجئے۔ تم جب امیر المومنین کے پاس آؤ گی تو انشاء اللہ تم مجھے وہاں پاؤ گی۔ حضرت اسلم فرماتے ہیں کہ میں آپ سے کہتا تھا کہ آپکی بڑی شان ہے آپ مجھ سے کوئی بات نہ فرماتے! اور خاموشی سے بیٹھے رہے۔ پھر اس عورت کے بچے آپس میں کشتی کرنے، کھیلنے اور ہنسنے لگے اور پھر آرام سے سو گئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور مجھ سے فرمایا کہ اے اسلم بچے بھوک سے بیدار تھے اور روتے

تھے مجھے انہیں اس طرح آرام و سکون اور خوشی میں دیکھے بغیر جانا پسند نہ تھا۔ پھر ہم وہاں سے رخصت ہوتے اور واپس آ گئے۔

حدیث بندۂ مومن دل آویز
جگر پُرخوں، نفس روشن، نگہ تیز

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس طرح کے کئی ایک مثالی واقعات و روایات ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ اسلامی مملکت کے سربراہ کی ذمہ داری کس قدر ہے اور اسے عوام کی معاشی تکلیف کا احساس کس قدر ہونا چاہیئے اور یہ کہ قومی خزانے میں عوام کا کس قدر حق ہے۔ افسوس کہ آج کے حکمران آنکھیں کھولیں اور زبانی ہمدردی کے اظہار کی بجائے عوام کی صحیح خدمت کریں اور اس احساس و ادراک کو اپنے اندر پھر سے پیدا کریں جو ہمارے اسلاف میں کارفرما تھا۔

آتی ہے صبح دم صدا عرش بریں سے
کھو گیا کس طرح تیرا جوہر ادراک ؟

امام ابن جریر طبری رحمتہ اللہ علیہ متوفی ۳۱۰ھ اپنی مشہور

فرات کے کنارے پر اگر کوئی اونٹ بھوک سے مر جائے تو عمر اس کا بھی جوابدہ ہوگا

تاریخ "تاریخ الطبری" میں لکھتے ہیں کہ حضرت عمر نے فرمایا کہ

وَاللّٰہِ الَّذِیْ بَعَثَ مُحَمَّدًا بِالْحَقِّ	اس خدائے برتر کی قسم جس نے
لَوْ اَنَّ جَمَلًا هَلَكَ ضِيَاعًا بِشَطِّ	حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ
الْفُرَاتِ خَشِيْتُ اَنْ يَّسْأَلَ اللّٰہُ	بھیجا، اگر ایک اونٹ دریائے فرات کے کنارے

واقعی میں سخت مشکل میں ہوں' میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے گھر لے گئے جہاں میں نے اوپر تلے بہت سی تھیلیاں رکھی دیکھیں۔ پھر آپ نے فرمایا یہ ہے وہ مقام جہاں اللہ کی نظر میں آل خطاب کو آزمایا جا رہا ہے۔ اللہ کی قسم اگر ہم سخاوت کرتے ہوئے اسے تقسیم کر دیں' تو میرے سامنے میرے دو پیشرو بزرگوں (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ) کی مثال ہے جنہوں نے میرے لئے اس طرح کا قابل تقلید نمونہ چھوڑا ہے۔ میں نے عرض کی' آیئے امیرالمومنین ہم مل کر اس مسئلہ پر غور کریں۔ چنانچہ ہم بیٹھ گئے اور ہم نے ضرورت مندوں اور مستحقوں کی فہرستیں تیار کیں جس میں مدینہ والوں کے نام لکھے' اللہ کی راہ میں جہاد کرنیوالوں کے نام لکھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے نام لکھے' پھر دوسرے لوگوں کی فہرستیں بنائیں' اسی طرح ہم نے حساب لگایا تو لوگوں کے لئے دو دو دینار آئے' پھر ہم نے وہ سب کچھ ان فہرستوں کے مطابق تقسیم کر دیا (کتاب الاموال ج ا ص ۴۱۳/۲۱۴، ۲)۔

جب تک نہ زندگی کے حقائق پہ ہو نظر
تیرا زجاج ہو نہ سکے گا حریف سنگ

سونے کے ڈھیر بلا تاخیر تقسیم کر دیئے'

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

مجھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بلوایا' جب میں حاضر ہوا تو میں نے ان کے سامنے بھوسہ کی طرح سونے کے ڈھیر بکھرے دیکھے۔ آپ نے فرمایا "آؤ اسے اپنی قوم (مسلمان بھائیوں) میں تقسیم کر دو۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس نے یہ دولت اپنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روک کر مجھے کیوں دی' معلوم نہیں کہ اس میں میرے

لیے کوئی بھلائی ہے یا برائی" پھر میں نے فہرست کے مطابق لوگوں کو بلایا اور اس سونے کو تقسیم کرنے میں منہمک ہو گیا تو مجھے بآواز بلند رونے کی آواز سنائی دی میں نے دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رو رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں "قسم بخدا جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ نبی بنا کر بھیجا یہ ناممکن ہے کہ اس نے یہ دولت اپنے نبی اور ابوبکر سے تو کسی برائی کے قصد سے روک لی ہو اور عمر کو یہ دولت کسی بھلائی کے لئے دے دی ہو" (کتاب الاموال ج ۱ صہ ۳۱۴)

حضرت علی کا بیت المال میں جھاڑو پھیرنا

امام ابن المدائنی مجمع سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا۔

اِنَّ عَلِیًّا کَانَ یَکْنُسُ بَیْتَ الْمَالِ ثُمَّ یُصَلِّیْ فِیْہِ رَجَاءَ اَنْ یَّشْھَدَ لَہٗ اَنَّہٗ لَمْ یَحْبِسْ فِیْہِ الْمَالَ عَنِ الْمُسْلِمِیْنَ۔

(الصواعق المحرقہ، صہ ۱۲۹)

یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ بیت المال میں موجود سارا مال مستحقین میں تقسیم کرنے کے بعد وہاں جھاڑو پھیرتے پھر اس میں اس امید پر نماز پڑھتے کہ یہ جگہ روز قیامت اس بات کی گواہی دے کہ میں نے اس میں مسلمانوں کی ضروریات سے روک کر کوئی مال نہیں رکھا ہوا۔

بیت المال کی فاضل دولت حضرت معاویہ نے تقسیم کر دی

عطیہ بن قیس سے مروی ہے کہ حضرت امیر معاویہ نے ہمارے سامنے تقریر فرمائی اور وہ مال تقسیم کر رہے تھے "تمہارے بیت المال میں ان وظائف کے بعد (جو وظیفہ خوروں کو دیئے) پچ

رہتا ہے جو تم کو دیا جا رہا ہے۔ میں اس بچے ہوئے مال کو تمہارے سامنے تقسیم کر رہا ہوں، لیکن یاد رکھو۔ اگر آئندہ سال بچ گیا، تو وہ تم میں تقسیم ہو گا، نہ بچا، تو اس بارے میں ہم سے ناراض نہ ہونا، کیونکہ یہ مال ہمارا تو ہے نہیں، یہ تو وہ ملکی دولت امانت ہے جو اللہ تعالیٰ تمہارے لئے ہمارے پاس بھیجتا ہے (کتاب الاموال ج ا ص ۳۱۴)۔

مجھے رازِ دو عالم دل کا آئینہ دکھاتا ہے
وہی کہتا ہوں جو کچھ سامنے آنکھوں کے آتا ہے

بیت المال کی فاضل دولت کے مصارف

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے حضرت عبد الحمید بن عبد الرحمٰن کو جو عراق کے گورنر تھے، لکھا کر لوگوں کو ان کے وظائف دے دو، اس کے جواب میں عبد الحمید نے لکھا "کہ میں لوگوں کو ان کے وظائف دے چکا ہوں اور اس کے بعد بھی بیت المال میں مال بچا ہوا ہے"۔ اس پر حضرت عمر بن عبد العزیز نے انہیں لکھا "اب ایسے لوگوں کو دیکھو جو مقروض ہوں، لیکن انہوں نے یہ قرضہ کسی فضول خرچی یا بے راہ روی کے سلسلے میں نہ لیا ہو اور ان کے قرضہ جات بیت المال میں بچی ہوئی رقم سے ادا کر دو"۔ اس پر انہوں نے حضرت عمر بن عبد العزیز کو لکھا کہ میں نے ایسے مقروض افراد کے قرضے بھی ادا کر دیئے ہیں، بایں ہمہ بیت المال میں رقم بچی ہوئی ہے۔ اس پر حضرت عمر بن عبد العزیز نے لکھا کہ "اب ایسے کنواروں کو تلاش کرو جو نادار ہوں اور شادی کرنا چاہتے ہوں، تو تم ان کی شادی کرا دو اور ان کے حق مہر بیت المال سے ادا کرو"۔ عبد الحمید نے لکھا کہ "میں یہ بھی کر چکا ہوں"

پھر بھی بیت المال میں رقم بچ رہی ہے" آپ نے لکھا وہ کہ اب اپنے ذمیوں (غیر مسلموں کو) تلاش کرو، جن پر جزیہ (ٹیکس) مقرر ہے اور وہ اپنی زمین کا انتظام کر سکیں، کیونکہ وہ مستقل ہمارے ملک کے باشندے ہیں، اس لئے ہمیں ان کی امداد و اعانت کا خیال رکھنا چاہیئے (کتاب الاموال ج ۱ ص ۲۱۵)۔

جلانا ہے مجھے ہر شمع دل کو سوزِ پنہاں سے!
تیری تاریک راتوں میں چراغاں کر کے چھوڑوں گا

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے میں مستحقین کے جو وظائف مقرر فرمائے تھے، ان میں کمی نہ ہوگی، بلکہ حالات کے تحت جو کہیں سے کہیں پہنچ گئے ہیں، ان میں اضافہ کیا جائے گا، مگر کمی کا تو سوچا ہی نہیں جا سکتا۔ اس سلسلے میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا فرمان ملاحظہ ہو:

کم دینے والے کو بددعا

حضرت عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ممبر پر تشریف فرما ہوئے اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا۔

"ہم نے تمہارے لیے (خوراک سے متعلق) ماہانہ وظائف مقرر کر دیئے ہیں، پھر انہوں نے مدی اور قسط دو پیمانے ہاتھ میں لے کر انہیں نمایاں کرتے ہوئے ہلایا اور فرمایا جو مستحقین لوگوں کو اس مقررہ مقدار سے کم دے۔ خدا اسے ایسا اور ایسا کرے"۔ یعنی کم دینے والے کو بددعا دی"۔
(کتاب الاموال ج ۱ ص ۲۱۰)

اسلامی مملکت کے سربراہ کو جو عوام سے ہمدردی ہونی چاہیئے۔ اس روایت

سے اس کا اندازہ لگانا کوئی چنداں مشکل نہیں، ان کی ہمدردی محض لفظی یا نمائشی نہیں عملی ہوا کرتی تھی اور ان کی شفقت عامہ کا یہ عالم کہ جیسے باپ اپنی اولاد کے بیجا تنگ کرنے والوں کو بد دعا دینے پر طبعی لحاظ سے مجبور ہوتا ہے۔ اسی طرح آپ کی زبان سے بھی بہ تقاضائے طبیعت بد دعا سرزد ہو رہی ہے ؎

یہ آگہی میری مجھے رکھتی ہے بے قرار
خوابیدہ اس شرر میں ہیں آتشکدے ہزار

اسلام کے نظامِ معیشت میں اراضی و زراعت پر نظر

اراضی کی دو قسمیں ہیں: جب کوئی ملک فتح ہو تو ابتدائی طور پر اس کی اراضی دو قسموں میں منقسم پائی جاتی ہے:

۱۔ ایسی زمین جس کا کوئی مالک نہ ہو' اسے اسلامی فقہ میں ارضِ مباحہ کہتے ہیں۔

۲۔ ایسی زمین جس کا کوئی خاص شخص مالک و متصرف ہو۔

اب ہم اوّل الذکر اراضی پر کچھ فقہی بحث کرتے ہیں تاکہ اسلام کے نظامِ معیشت میں اراضی سے متعلقہ مسائل خوب واضح ہو جائیں۔

ارضِ مباحہ کی قسمیں: ۱۔ وہ زمینیں ہیں جو آبادی کے قرب میں واقع ہوں اور آبادی کی ضروریات کے لئے ہوں جن سے متعلقہ آبادی کے لوگ مشترکہ مفادات اٹھاتے ہیں جیسے سڑکیں، گلی کوچے، قبرستان، عیدگاہ، چراگاہ و تیراندازی و گھوڑدوڑ یا فوجی مشق کے میدان

۲۔ وہ زمینیں جو آبادی کی ضروریات مشترکہ میں مصروف نہیں، مگر قابلِ زراعت

استفادہ ہیں، انہیں اراضی بیت المال کہتے ہیں۔

۳۔ پہاڑی اور سنگلاخ اور غیر آباد جنگلات کی زمینیں جو نہ تو کسی آبادی کی ضروریات میں مصرف ہوں اور نہ ہی سر دست استفادہ و کاشت کے قابل ہوں البتہ محنت و مشقت کے بعد اس قابل ہو سکتی ہوں۔ ایسی زمینوں کو فقہ کی اصطلاح میں ارضِ موات (غیر آباد) زمینیں کہتے ہیں۔ اوّل الذکر یعنی مباحہ زمینوں کے بارے میں شریعتِ اسلامیہ کا فیصلہ یہ ہے کہ انہیں امیر المومنین ایک سربراہِ مملکت سے لے کر ایک عام آدمی تک کوئی بھی ان میں مالکانہ تصرف نہیں کر سکتا، وہ جوں کی توں مفادِ مشترکہ عامہ کے لئے وقف کی طرح مصرف میں ہیں گی۔

نمک وغیرہ کی کانوں اور تیل

نمک وغیرہ کی کانوں اور تیل کے چشموں کا حکم

یا پٹرول کے چشموں کا حکم شرعی بھی یہی ہے کہ وہ کسی کے تصرفِ مالکانہ کے متحمل نہیں بلکہ وہ رفاہِ عامہ کے لیے حکومت کی زیر نگرانی کام آئیں گے اور ان کی آمدنی ملکی مصارف و اخراجات میں صرف ہوگی۔ اور امام ابو عبید کتاب الاموال میں فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابیض بن حمال مازنی کی خواہش پر انہیں مارب کی زمینیں عطا فرمائیں۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ نمک کی کانیں اور مفادِ عامہ کی چیزیں ہیں تو آپ نے وہ واپس لے لیں کہ فرد کے مفاد سے مقدم ہے۔ یہ اسلامی تہذیب و تمدن اور اسلامی معیشت کا اس وقت کا نظام ہے جب پوری دنیا پر نفسی نفسی کا عالم طاری تھا اور قومی و اجتماعی مفاد کا کہیں نام و نشان تک نہ تھا اور نہ ہی آج نظام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اس کا صحیح تصور مل سکتا ہے ہاں اہل مغرب کی عقل عیار کے

ایسے بلند بانگ دعوے غرور سننے میں آتے ہیں جن کے پس پردہ حقوقِ انسانی کا خون بہتا ہوا دکھائی دیتا ہے ۔

جہاں مغرب کے بتکدوں میں کلیساؤں میں مدرسوں میں
ہوس کی خونریزیاں چھپاتی ہے عقلِ عیّار

ثانی الذکر یعنی اراضی مباحہ کا قسم ثانی جنہیں بیت المال کہا جاتا ہے اس کی مندرجہ ذیل صورتیں ہیں :-

ا۔ وہ زمینیں جو کسی علاقے کے فتح کے وقت کسی کی مملوک نہ تھیں ۔

ب۔ وہ زمینیں جو اگرچہ شرع میں کسی کی مملوک تھیں، مگر مالک لاوارث مرگیا ۔

ج مملوکہ مفتوحہ اراضی دیگر مالِ غنیمت کی طرح پانچ حصوں میں منقسم ہونگی اس کا پانچواں حصہ بیت المال کا ہوتا ہے ۔

د کفار کی مملوکہ زمین جو جنگ کے ذریعے حاصل کی گئی جسے سربراہِ مملکت غانمین میں تقسیم کرنے کی بجائے ساری کی ساری بیت المال کے لئے چھوڑ دی ۔

ھ۔ یا امام اس میں سے خاص خاص زمینوں کو بیت المال کے لئے مخصوص کر دے ۔

و۔ زمین کا مالک زمین چھوڑ کر بھاگ گیا اور غائب او ر لاپتہ ہو گیا جس کا پیچھے کوئی وارث نہیں ۔

ز ۔ معرکہ جنگ میں قتل ہونے والے لاوارث کی زمین ایسی اراضی بیت المال کی قسم ٹھہر پاتے گی ۔

(فتاویٰ شامی وکتاب الاموال وبدائع صنائع)

بیت المال کی اراضی کی آمدنی کا مصرف

وہی لوگ ہیں جن کے حقوق کا بیت المال کفیل ہے مثلاً یتیم، نادار، بیوائیں، مسافر، مریض، معذور، فوج، پولیس، علماء، عدلیہ و انتظامیہ و رفاہِ عامہ مثلاً دریاؤں، نہروں کے پُل مساجد و مدارس و شفاخانوں اور خانقاہوں کی تعمیرات وغیرہ۔

بیت المال کی اراضی میں سربراہ کے اختیارات

بیت المال کی اراضی و دیگر اموال بیت المال کی طرح سربراہِ مملکت یعنی امام المسلمین یا امیر المومنین کی نگرانی اور ذمہ داری میں رہے گی، انہیں امام المسلمین شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں اپنی صوابدید کے مطابق کام میں لانے کے احکام نافذ کرے گا۔

منافع اٹھانے کی صورتیں

بیت المال کی زمینوں سے مندرجہ ذیل صورتوں میں فوائد اٹھائے جائیں گے۔

۱۔ قابلِ زراعت اراضی میں کھیتی باڑی کرائی جائے، خواہ حکومت اپنے وسائل سے کھیتی باڑی کرائے یا کاشتکاروں کو بٹائی وغیرہ پر دے اور اس کی آمدنی بیت المال میں جمع کرائے اور اس کا باقاعدہ حساب ہو جسے مملکت کا کوئی بھی ذمہ دار فرد چیک کر سکے۔

۲۔ سکنی جائدادوں کو کرایہ پر دے کر اس کی آمدنی بھی باضابطہ طور پر بیت المال میں جمع کرائی جائے۔

۲۔ اگر ضرورت پڑ جائے، تو ان اراضی یا جائدادوں کو فروخت کرے اور ان کی قیمت بیت المال میں جمع کرائی جائے۔

۳۔ امام کی طرف سے ان کی اراضی یا جائدادوں میں کچھ حسب ضرورت و صوابدید کسی ایسے شخص کو بخشش کی جا سکتی ہیں جس نے ملک و ملت اور اسلام کے لئے کوئی قابل قدر خدمات انجام دی ہوں یا ایسے شخص کو جو فقر و فاقہ یا معذوری رکھتا ہو (ان مسائل کی مزید تفاصیل کتاب الاموال کتاب الخراج وغیرہ میں موجود ہے)

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک زمین بیت المال کے بمنزلے ہے امام المسلمین کو حق ہے کہ وہ اس میں سے حسب صوابدید کسی ایسے شخص کو جس کی اسلام کو ضرورت ہو زمین کا ٹکڑا بخش دے جب کہ وہ یہ سمجھے کہ ایسا کرنا اسلام و مسلمانوں کے حق میں مفید ہے۔ پھر فرماتے ہیں۔

ولا اریٰ ان یترکَ ارضاً لا ملکَ لاحدٍ فیها ولا عِمارةَ حتی یقطعها الامامُ فان ذالکَ اَعمرُ للبلادِ واَکثرُ للخراجِ۔ (کتاب الاموال ج ا ص ۶۱)	کہ میں جائز نہیں سمجھتا کہ غیر مملوکہ غیر آباد زمینوں کو یوں ہی چھوڑے رکھے بلکہ کسی آباد کار کو جاگیر کے طور پر دے دے کہ اس سے خدا کی زمین آباد ہوگی اور آمدنی بکثرت ہوگی۔

ہمارے ملک کا وسیع و عریض معتد بہ حصہ ویران پڑا ہے اس کی آبادی کی طرف توجہ کرنے کی شدید ضرورت ہے، اسے آباد کرنے سے انشاءاللہ ہماری معاشی تکالیف کا کافی حد تک ازالہ ہو جائے گا

وسعتِ عالم میں رہ پیما ہو مثلِ آفتاب — دامنِ گردوں سے ناپید ہوں یہ داغِ سحاب

ارضِ موات (غیر آباد) کا مسئلہ

اراضی مباحہ غیر مملوکہ کے
تیسرے قسم کو ارضِ موات

(یعنی غیر آباد زمین) کہتے ہیں اس کے بارے میں شریعت اسلامیہ کا فیصلہ یہ ہے کہ سربراہِ مملکت یعنی (حکومت) سے اجازت لے کر جو چاہے آباد کرے وہ اس کا مالک سمجھا جائیگا۔

جو زمین آباد کرے وہی اس کا مالک ہے

کا یہی مطلب ہے
کہ جو شخص سرکاری

(یعنی بیت المال کی) غیر آباد زمینوں کو سربراہِ مملکت (حکومت) سے اجازت لے کر آباد کرے وہ اس کا مالک ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

مَنْ اَحْیٰ اَرْضًا مَیْتَۃً فَہِیَ لَہٗ
(الجامع الصغیر سیوطی ج صہ ۱۶)

یعنی جس نے غیر مملوکہ غیر آباد زمین کو آباد کیا، وہ اس کی ہوگی۔

اور آباد کاری کے لئے تین سال کی اجازت دی جائے گی۔ اگر اس مدت میں آباد نہ کر سکا، تو اس سے واپس لے کر اسے دی جائے گی جو اسے آباد کریگا اور اگر کچھ آباد کر سکا اور کچھ نہیں تو آباد کو اس کے پاس رہنے دیا جائے گا اور غیر آباد کو واپس لے کر وہ دوسرے بے زمین خواہش مند کو دی جائے گی، چنانچہ کتاب الخراج میں مروی ہے:

مَنْ کَانَتْ لَہٗ اَرْضٌ ثُمَّ تَرَکَہَا ثَلَاثَ سِنِیْنَ فَلَمْ یَعْمُرْہَا فَعَمَرَہَا قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ فَہُمْ اَحَقُّ بِہَا وَفِیْ رِوَایَۃٍ لَیْسَ لِمُتَحَجِّرٍ حَقٌّ

کہ جس کو زمین دی گئی، پھر اس نے اسے تین سال تک غیر آباد چھوڑا آباد نہ کیا تو دوسرے لوگوں نے (امام کے اذن سے) اسے آباد کیا، تو وہی اس کے حق دار ہیں۔

بَعْدَ ثَلٰثِ سِنِیْنَ (ص ۶۱، ۶۵) اور تین سال کے بعد زمین کو غیر آباد حالت میں روک کر رکھنے والے کا کوئی حق نہیں یعنی اسے تین سال سے آئندہ مہلت نہیں دی جائے گی۔

زمین کو آباد کرنا ضروری ہے خود کرے یا کرائے

زمین کو آباد کرنا ضروری ہے۔

خود کرے یا کسی دوسرے سے آباد کرائے چنانچہ کتاب الخراج میں ہے۔ یَزْرَعُھَا اَوْیُزْرِعُھَا وَیُوَاجِرُھَا (ص ۶۵) کہ خود کاشت کرے یا مزارعت پر کاشت کو دے (وایضاً رواہ النسائی وغیرہ) زمین جب تک آباد کی جارہی ہے اسے واپس نہیں لیا جاسکتا جب کہ امام المسلمین نے زمین ہی کی تملیک کردی ہو۔ صرف منافع کی نہیں؛ یعنی صرف تمتیعاً نہ دی، بلکہ تملیکاً دی ہو۔ پھر مالکِ زمین اس میں ہر طرح کے تصرّف کا مجاز ہوگا۔ ہبہ، بیع وغیرہ اور اس میں وراثت بھی جاری ہوگی اور اگر زمین کی بجائے صرف زمین سے منافع اٹھانے کی اجازت دی گئی تھی تو یہ اجازت بوقتِ ضرورت و مصلحت منسوخ کرکے اس سے زمین واپس لی جاسکتی ہے جیسا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے حکومت پر متمکن ہوکر کیا تھا۔

ذاتی ملکیت کا مسئلہ

اسلامی نظامِ معیشت ایک ایسا نظام ہے جو ہر طرح کے افراط و تفریط سے پاک ہے

یہ ایک معتدل راستہ ہے اسلام شخصی اور ذاتی ملکیت کو حقوقِ انسانی میں سے ایک اہم حق تصور کرتا ہے اور کسی شخص یا پارٹی اور حکومت کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ مالک کی اجازت کے بغیر تصرّف کرنا حرام اور ناجائز ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ (الآیۃ) ۔ اے مسلمانو! آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ، مگر جو سودا تمہاری باہمی رضامندی سے ہو۔

اسلام میں جائز طریقے سے تجارت اور سرمایہ کاری کی اجازت ہے

اسلام جائز طریقے سے تجارت وسرمایہ کاری کی اجازت

دیتا ہے یعنی اسلام کے نظام معیشت میں ہر شخص اسلام کے اصول تجارت کے مطابق تجارت میں ترقی کر کے سرمایہ حاصل کر سکتا ہے مگر اس اندیشے سے کہیں لامحدود سرمایہ کسی شخص واحد کے ہاتھوں میں مرتکز ہو کر عوام الناس کے مفاد عامہ کو متاثر نہ کر لے اس پر زکوٰۃ و صدقات ایسے عوامی حقوق عائد کر دیئے جن کی ادائیگی کے بعد ایک فرد یا چند افراد کے ہاتھوں میں لامحدود سرمایہ و دولت جمع نہیں ہو سکتی اور نہ ہی مطلق العنان سرمایہ داری کی نوبت آتی ہے۔

اس آیت کریمہ میں باہمی رضامندی کے سوا ایک دوسرے کے مال کی ممانعت کر دی گئی ہے اور ممانعت میں چوری، خیانت، غصب (زبردستی چھین لینا) جوا اور سود وغیرہ سب شامل ہیں۔ (تفسیر خزائن العرفان صہ ۱۳۲)

بلکہ ان حقوق کی ادائیگی سے دولت میں تحریک و گردش کا عمل جاری رہتا ہے جس سے امیر ہوں یا غریب سب مستفید ہوتے رہتے ہیں۔ اس لئے تاجرین کو بیرون ملک سے مال درآمد کرنے اور اندرون ملک سے بیرون ملک مال برآمد کرنے کی بھی عام اجازت ہے۔ اس

لیے اسلام میں لائسنس پر کسی پارٹی یا فرد کی اجارہ داری قابلِ برداشت نہیں، مگر ملک سے باہر مال برآمد کرنے کی اجازت اس وقت نہ دی جائے گی جب کہ ملک کے صارفین ضرورت مندوں پر مہنگائی کے مسلط ہونے کا اندیشہ ہو اور نہ ہی باہر سے مال درآمد کرنے کی کسی ایسی صورت کو برداشت کیا جا سکتا ہے جس سے ملک کا سرمایہ بیرونِ ملک چلا جائے اور ہم غیر ملکیوں کی امداد و اعانت کے محتاج ہو جائیں۔ آج یہ بات تجربہ میں آ چکی ہے کہ بڑی طاقتیں غریب ملکوں کو لین دین کے ذریعے اپنی غلامی میں جکڑ لیتی اور ان پر اپنے نظریات مسلط کیے بغیر نہیں رہتیں اور یہ صورت حال ایک مسلمان ملک کے لئے قابلِ برداشت نہیں ہو سکتی، کیونکہ اس سے بالواسطہ اسلام کی عظمت و سربلندی پر بُرا اثر پڑ سکتا ہے ؎

وہی ناں ہے تیرے لئے ارجمند
رہے جس سے دنیا میں سر بلند

غریبوں کا ہمدرد اسلام

غریبوں کا صحیح اور سچا ہمدرد اسلام ہی ہے غریبوں کی ہمدردی کے تقاضے پورے کرنے کے لیے ضروری ہے کہ سرمایہ داروں اور دولت مندوں سے زکوٰۃ و صدقات اور عشر وغیرہ ایسے مالیے وصول کر کے معاشرہ کے مفلوک الحال اور غریب و مستحق افراد میں صرف کیے جائیں تاکہ معاشرہ میں خوشحالی کا دور دورہ ہو اور انشاء اللہ اس سے ہمارے ملک کا معاشرہ اضطراب دینے والے جین کے بھنور سے بخوبی نکل آئے گا۔ نیز چھان بین اور صحیح تحقیق کی جائے اور پتہ چلایا جائے کہ تقسیم ہند سے قبل انگریزوں نے اپنے پاؤں جمانے اور اپنے اقتدار کے استحکام کے لیے جن جن لوگوں کو جاگیریں بخشیں اور ان کی وفاداریاں

حاصل کیں اور انہیں اپنے مخصوص خطابات سے نوازا۔ پھر پاکستان بننے کے بعد انہوں نے زمینوں اور وڈیروں کی حیثیت سے غریبوں کا استیصال کیا۔ ان کی وہ جاگیریں واپس لی جائیں اور مستحقین میں تقسیم کی جائیں، کیونکہ ایسے جاگیردار اب بھی نہ صرف غریبوں کو اپنا غلام بناتے ہوتے ہیں، بلکہ اسلام کے نظام کے نفاذ میں بھی حائل بنے ہوتے ہیں، لیکن اس بات کا خیال رہے کہ اس کی زد میں ایسے لوگ نہ آنے پائیں جو اپنے جائز ذرائع سے کما کر یا آباؤ اجداد سے وراثت میں زمینوں کے مالک چلے آ رہے ہیں، کیونکہ ایسے لوگوں کی زمینوں پر ان کی مرضی کے بغیر قبضہ کرنا سخت ممنوع ہے۔

کسی کی جائز کمائی پر ناجائز قبضہ کا مسئلہ

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ یعنی ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے نہ ہتھیاؤ۔ حدیث شریف میں ہے:

مَنْ اَخَذَ شِبْرًا مِّنْ اَرْضٍ بِغَيْرِ حَقٍّ طُوِّقَهٗ مِنْ سَبْعِ اَرْضِيْنَ (کتاب الخراج صہ ۶۲)

جس نے کسی کی بالشت بھر زمین پر بھی ناجائز قبضہ کیا، وہاں سے ساتویں زمین تک کو طوق بنا کر اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا۔

صحیح بخاری میں سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

من اَخَذَ مِنَ الْاَرْضِ شَيْئًا بِغَيْرِ حَقِّهٖ خُسِفَ بِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِلٰى سَبْعِ

کہ جس نے کسی کی زمین ناحق قبضے میں لی اسے قیامت کے روز ساتویں زمین

أَرَضِينَ (الجامع الصغیر ج ۲ ص ۱۶۰) — تک دھنسا دیا جائے گا۔

اس کی شرح سراج منیر میں ہے:

أَيْ يُجْعَلُ كَالطَّوْقِ فِي عُنُقِهِ حَقِيقَةً وَيُعَظَّمُ عُنُقُهُ لِيَسَعَ ذَالِكَ أَوْ يُطَوَّقُ إِثْمَ ذَالِكَ وَيَلْزَمُهُ لُزُومَ الطَّوْقِ۔

(سراج منیر ج ۳ ص ۳۲۲)

یعنی واقعی طور پر زمین کو طوق کی طرح کر کے اس کے گلے میں ڈالا جائے گا اور اس کی گردن کو اس قدر لمبا کیا جائے گا کہ اس میں زمین کا طوق پڑ سکے یا زمین کے غصب کا گناہ طوق کی صورت میں اس کے گلے میں ڈالا جائے گا۔

قومی ملکیّت کی اصطلاح بے معنی ہے

اسلام کی نظر میں قومی ملکیّت کی اصطلاح بے معنی

ہے کیونکہ کسی شئی کا مجموعہ یا کل اس کے افراد و اجزاء کے ہی تابع ہوتا ہے۔ جب تمام افراد کو حق ملکیت سے محروم کر دیا جائے تو ان کا مجموعہ کیا چیز ہے جو تمام املاک کا مالک کہلاتا ہے جب افراد محروم ہو گئے تو ان کا مجموعہ بھی محروم ہو گیا اس اصطلاح میں فریب کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اس کے برعکس سرکاری ملکیت ایک اصطلاح معقول ہے۔ قومی ملکیت تو شیخ چلی کی عجیب و غریب بے معنی اصطلاح ہے۔ سابقہ حکومت نے لوگوں کے نجی تجارتی ادارے ان سے چھین لئے۔ پھر کسی کو تو معاوضہ دینے کا اعلان کیا اور کہا گیا کہ چونکہ ان کے ادارے سرکاری تحویل میں لئے گئے ہیں۔ اس لئے تمہیں معاوضہ ملے گا اور کسی کو معاوضہ دینے سے انکار کر دیا اور کہا گیا کہ چونکہ ان کے ادارے قومی تحویل میں لئے گئے ہیں، اس لئے انہیں معاوضہ نہیں ملے گا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان اداروں کی نہ تو سرکار مالک قرار پائی

اور نہ ہی سابقہ مالکان، تو کون مالک ہوا؟

اک جنوں ہے کہ باشعور نہیں

تحدید ملکیت

اسلام نہ تو سرمایہ داری کی طرح بے لگام ملکیت کی اجازت دیتا ہے کہ جائز و ناجائز ہر ذریعے سے دولت کمائی جائے اور جہاں دل چاہے اسے خرچ کیا جائے، بلکہ اسلام سرمایہ جمع کرنے پر دو طرح کی پابندی عائد کرتا ہے ایک یہ کہ ذرائع اور وسائل آمدنی جائز ہوں جن سے کسی کا استیصال لازم نہ آئے اور خدا و مصطفےٰ جل و علا و صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات کے مطابق ہوں اور دوسرے یہ کہ اس سرمایہ کا مصرف صحیح ہو یعنی اس سرمایہ کو خدمت اسلام و اعانت مستحقین اور اپنی ضروریات میں صرف کیا جائے جس کی بحث گزر چکی اور نہ ہی اشتراکی اور سوشلسٹ نظام کی طرح شخصی و انفرادی ملکیت کو ممنوع قرار دیتا ہے، وہ اہل دولت کو زکوٰۃ وصدقات اور توریث ایسے احکام و قوانین کے نظام عمل کا پابند کرتا ہے جس سے معاشرہ ہمہ گیر سطح پر استیصال کا شکار ہونے کی بجائے مکمل طور پر خوشحال اور فارغ بالی کی نعمت سے مالا مال ہو جاتا ہے۔ نظام زکوٰۃ اور نظام وراثت معاشرہ کی خوشحالی کی ضمانت اور تحدید ملکیت کا قدرتی ذریعہ ہیں، بالخصوص نظام وراثت جب کسی سرمایہ دار کے مرنے کے بعد عمل میں آتا ہے تو اس نظام عمل نے اس کی جائداد منقسم ہو کر متعدد ہاتھوں میں چلی جاتی ہے جس سے اس کے خاندان کے بہت سے مفلس محتاج خوشحال ہو جاتے ہیں۔ زکوٰۃ و توریث نظام عمل تحدید ملکیت کا منطقی و قدرتی اور نہایت ہی کامیاب نظام ہے، اس کے مقابلے میں انسان کے بنائے ہوئے تحدیدی قوانین غیر منطقی اور غیر مؤثر ثابت ہوتے ہیں۔ لہذا اس کے مقابلہ میں ان کی کوئی حیثیت

باقی نہیں رہتی۔

نظامِ وراثت

ہمارے ملک کے تقریباً نوے فیصد مسلمان نظامِ وراثت سے گریزاں اور مستحق وارثوں کے استیصال کا عمل اختیار کئے ہوتے اور سب سے زیادہ استیصال بیچاری لڑکیوں کا ہو رہا ہے۔ لڑکی کے ماں باپ استیصال پر مبنی ظالمانہ رواج کی آڑ لے کر جہاں لڑکیوں کی حق تلفی کے مرتکب ہوتے ہیں، اور اُن کا دل دکھاتے ہیں، وہاں مسلمان کہلانے کے باوجود عملی طور پر خداوندِ قدوس کے احکامِ وراثت سے کفر و انکار کر کے اپنی قبر میں آگ بھرتے ہیں ؎

آہ یہ قومِ نجیب چرب دست و تر دماغ
ہے کہاں روزِ مکافات اے خدائے دیرگیر؟

(الکافی کتاب الاموال) ؎

در غمِ دیگر بسوز و دیگراں را بسوز!
گفتمت روشن حدیثے گر توانی دار گوش

اور اگر وہ لوگ مسلمان نہ ہوتے ہوں، تو صلح نامہ میں فریقین کے درمیان ان تینوں کے بارے میں جو معاہدہ طے پائے گا، اس پر عمل درآمد ضروری ہوگا اور دیگر صورتوں کی تشریح پہلے گزر چکی ہے۔

محمد تقی امینی کی ایک غلط فہمی کا ازالہ

مولوی محمد تقی امینی ناظم دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ذاتی ملکیت کے خلاف اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

جن لوگوں نے اسلام کے نام پر موجودہ دور کی انفرادی ملکیت پر اصرار

کیا ہے، وہ دراصل اس وقت کے اسلام کی نمائندگی کر رہے ہیں، جب کہ مسلمانوں میں ذاتی منفعت و حصولِ اقتدار خود مقصد بن گیا تھا، اس بناء پر ان کی بات زیادہ توجہ کے لائق نہیں ہے۔ (احکام شرعیہ صہ ۲۱۳)

محمد تقی صاحب ذاتی ملکیت ختم کرانے کے درپے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ذاتی ملکیت کے خلاف پہلے سے ایک نظریہ قائم کر لیا ہے۔ پھر اس نظریے میں دلائل لاتے چلے گئے، چونکہ سرے سے ہی یہ نظریہ غلط اور سوشلسٹ و اشتراکیت نواز حضرات کا اثر ہے جو امینی صاحب پر چھایا ہوا ہے جس کی تائید میں انہیں صحیح دلائل میسر نہ آ سکے، اس لئے انہوں نے بعض اکابر کی عبارات کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ہے

سر دیں ادراک میں آتا نہیں\
کس طرح آئے قیامت کا یقین

اراضی مفتوحہ کی دوسری قسم

مفتوحہ زمینوں کی دوسری قسم وہ ہے جو فتح کے وقت کسی کی ملکیت تصرف میں ہو۔ پھر اس کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ:

وہ صلح و امن کے ساتھ فتح ہو اور ان کے باشندے مسلمان ہو جائیں تو وہ زمینیں بدستور ان کے تصرف میں رہیں گی! امام المسلمین یا کوئی دوسرا کسی طرح کا ان میں دخل نہیں دے سکتا، چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَشْھَدُوْا اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا

کہ مجھے حکم ہوا کہ میں لوگوں سے لڑوں، یہاں تک کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ تعالیٰ کے

اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلُ اللّٰہِ	سوا کوئی معبود نہیں اور بلاشک محمد اللہ کے
وَیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوا الزَّکٰوۃَ	رسول ہیں اور نماز پنجگانہ قائم کریں اور زکوٰۃ
فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰالِکَ عَصَمُوْ	دیں، جب وہ یہ کریں، تو ان کے جان و
مِنِّیْ دِمَاءَ ھُمْ وَاَمْوَالَہُمْ	مال میری طرف سے محفوظ ہو گئے، مگر اسلام
اِلَّا بِحَقِّ الْاِسْلَامِ وَحِسَابُھُمْ	کے حق (قصاص و حدود) میں (ان کا
عَلَی اللّٰہِ (متفق علیہ)	مواخذہ ہوگا) اور (ان کے باطن) کا
	حساب اللہ کے ذمہ ہے۔

مدینہ منورّہ کے انصار چونکہ پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے، اس لئے انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی اراضی کے ساتھ بھی یہی کیا کہ جو زمین جس کے پاس تھی، اس کے پاس رہی۔ البتہ انصار نے خوش دلی سے وہ زمینیں حضور کے حوالے کر دیں۔ جہاں پانی نہیں پہنچتا تھا، تو آپ نے بعض صحابہؓ کو ان زمینوں کی جاگیر بخشش فرما دی تاکہ وہ آباد کر کے ان سے خود بھی فائدہ اٹھائیں اور ان کے ذریعے سے دیگر مخلوق بھی۔

اس کتاب میں بہت سے غلط مفروضے قائم کئے گئے ہیں اور بعض مسائل میں مصنّف زبردست غلط فہمیوں کا شکار ہوئے جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ سرِدست ہم ذاتی ملکیت کے بارے میں ان کے دلائل کا جائزہ لیتے ہیں۔ موصوف لکھتے ہیں کہ:

"حکومت جس کی زمین و جائداد پر چاہے قبضہ کر کے اسے قومی و سرکاری تحویل میں لے سکتی ہے۔"

اس سلسلے میں موصوف کا وہی نظریہ ہے کہ جو زمانۂ حال کے سوشلسٹوں اور اشتراکیوں کا ہے۔ اس سلسلے میں موصوف نے بعض موجودہ زمانے کے مصنّفین کی عبارات

پیش کی ہیں جن کے بارے میں کچھ معلوم نہیں کہ وہ کس نظریے کے لوگ ہیں، ممکن ہے کہ وہ بھی سوشلسٹ ذہنیت کے لوگ ہوں' اس لئے ان کا حوالہ چنداں اہمیت نہیں رکھتا اور علامہ ابن حزم ظاہری کے حوالہ جات بھی ہیں۔ ابن حزم چونکہ بہت سے نظریات میں منفرد اور جمہور سے الگ ہیں' یہاں تک کہ اجماع کے بھی خلاف کر جاتے ہیں" اس لیے ان کی بات میں بھی کوئی وزن نہیں ہے یا کہا جا سکتا ہے کہ موصوف نے ان کی عبادات کا مفہوم بھی اسی طرح غلط سمجھا ہوگا جس طرح انہوں نے دوسرے محققین کی ان عبارات کا مفہوم غلط سمجھا جنہیں ہم عنقریب پیش کرنے والے ہیں۔ چنانچہ موصوف علامہ عینی کے حوالہ سے عبارت درج کرتے ہیں۔

إِنَّ حُكْمَ الْأَرَاضِيْ إِلَى الْإِمَامِ۔ زمین کا معاملہ امام (حکومت) کے سپرد ہے (حکومت جو چاہے کرے)

موصوف نے عینی کی یہ عبارت قطع برید کر کے اس قدر لکھ دی ہے جس سے ان کے انفرادی ملکیت کو ختم کرنے کے خود ساختہ نظریے کو تقویت مل سکے' کیونکہ موصوف کا یہ نظریہ عام اراضی کے بارے میں ہے' اگرچہ وہ کسی کی ملکیت میں ہو' جب کہ علامہ عینی کی اس عبارت کا تعلق صرف ان اراضی سے ہے جو کسی کی مملوک نہیں ہیں جیسے وادیاں اور پہاڑوں وغیرہ کی غیر آباد اور غیر مملوکہ زمینیں۔ موصوف علامہ عینی کا مقصد سمجھنے سے قاصر رہے ہیں۔ علامہ عینی کا مقصد یہ ہے کہ انہیں چراگاہ کے لئے مخصوص کرنے کا حق امام کو ہے' یعنی ان زمینوں کا معاملہ بادشاہ یا حکومت کے سپرد ہے' وہ جس قدر چاہے اسی قدر بیت المال کے جانوروں کے لیے چراگاہ میں توسیع کے لئے عوام الناس کو وہاں جانوروں کے چرانے سے روک سکتی ہے' اگرچہ لوگ پہلے وہاں سے

فائدہ اٹھاتے چلے آرہے ہوں۔

علامہ عینی کی پوری عبارت ملاحظہ ہو:

وَانما یحمی الامام مالیس یملک لاحد مثل بطون الاودیۃ والجبال والموات وان کان ینتفع المسلمون بتلک المواضع فمنا فعھم فی حمایۃ الامام اکثر قلت حصر الحمی للہ و رسولہ یدل علی ان حکم الاراضی الی الامام الخ۔	یعنی امام اس زمین کو چراگاہ ایسی سرکاری ضروریات کے لیے لے سکتا ہے جس کا کوئی مالک ہو جیسے وادیوں کے بیچ کی زمین اور پہاڑوں کی اور غیر آباد غیر مملوک زمین اگرچہ ان مقامات سے عام مسلمین مشترکہ فائدے اٹھاتے ہوں، تو ان کے مشترکہ منافع امام کی چراگاہ بنانے میں زیادہ ہیں۔
(عمدۃ القاری ج ۱۲ صـ ۲۱۳)	میں کہتا ہوں باکے عنوان الحمی للہ ورسولہ کہ چراگاہ بنانا صرف خدا اور رسول کا حق ہے کا معاملہ امام (حکومت) کے سپرد ہے اور یہ کہ چراگاہ قرار دینا یا کسی
ان کلا منھما لا یکون الا فیما لا مالک لہ	کو آباد کرنے کے لئے دینا، دونوں حکم اس زمین سے متعلق ہیں جن کا کوئی مالک نہیں ہیں۔
(عمدۃ القاری ج ۱۲ صـ ۲۱۴)	

اور امام قسطلانی ارشاد الباری شرح بخاری میں بھی یہی فرماتے ہیں، ملاحظہ ہو:

وانما یحمی الامام مالیس بمملوک الخ (ج ۴ صـ ۲۰۶)	کہ حکومت اس زمین میں تصرف کر سکتی ہے جو کسی کی ملکیت نہیں ہے۔

امام نووی علیہ الرحمۃ کا سلطان مصر کو لوگوں کی زمینوں کو سرکاری تحویل میں لینے سے منع کرنا

ایک مرتبہ سلطان مصر نے لوگوں سے کہا کہ تم لوگ اپنی اپنی زمینوں کی ملکیت کے کاغذ پیش کرو، ورنہ ہم تمہاری اراضی کو بیت المال کے حق میں ضبط کرلیں گے۔ اس وقت کے بے نظیر عالم دین امام نووی علیہ الرحمۃ کو معلوم ہوا، تو آپ نے اس بادشاہ کے اس خیال کے خلاف آواز اٹھائی اور دلائل سے ثابت کیا کہ اگرچہ کسی کے پاس ملکیت نامے نہ ہوں، مگر وہ پشت در پشت قابض چلے آرہے ہوں، وہ مالک ہی ہیں۔ ان سے زمینیں چھیننا ظلم اور ناجائز ہے۔ تو بادشاہ اس خیال سے باز آگیا۔ (شامی ج ۴ - ص ۱۸۱)

یہ اس صورت میں ہے کہ جب مذکورہ قابضین کسی دوسرے کی مملوکہ زمین پر غاصبانہ طور پر قابض نہ ہوں جیسا کہ پہلے مدلل گزر چکا ہے۔ اگر کسی نے کسی دوسرے کی زمین پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہو تو اس سے وہ زمین لے کر اصلی مالک کو واپس دی جائے گی۔

تقی امینی کی ایک اور خیانت

افسوس کہ سوشلزم و اشتراکیت کے اہل قلم پاکستان ایسی سرزمین میں کہ جسے صرف پھیلانے کے لئے قلم جیسی مقدس دیانت کا خون کرنے اور اس عظیم امانت میں خیانت کرنے سے بھی باز نہیں آتے۔ چنانچہ کتاب مذکورہ میں حکومت کے حق میں ہر قسم کے بے پناہ اختیارات ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

غرض حکومت اپنے اختیارات میں کسی ایک طریق تنظیم و تقسیم کی پابند نہیں ہے بلکہ مفاد عامہ کے پیش نظر اس کے اختیارات کافی وسیع ہیں اور

انفرادی اور اجتماعی ہر طریق کی اجازت ہے جیسا کہ قاضی ابو یوسف کہتے ہیں :-

وَاَرْجُوْا اَنْ يَكُوْنَ مُتَوَسَّعًا عَلَيْهِ فَلْيَفْعَلْ مَا شَاءَ مِنْ ذَالِكَ فَعَلَ (كتاب الخراج صـ ۶۰)

مجھے امید ہے کہ حکومت جو بھی مناسب سمجھ کر کرے گی، اس لئے وسعت اور گنجائش ہے۔

تقی امینی صاحب نے مندرجہ بالا حوالے سے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ حکومت جو چاہے کرے، اس کے لئے اسلام کے احکام و ہدایات اور قیود و ضوابط کچھ نہیں ہیں، یہ پابندیاں صرف عوام کے لئے ہیں۔ شریعت عوام کے لئے اُتری ہے۔ حکومت اس سے مستثنیٰ ہے۔ ایک عام آدمی اگر کسی کی کوئی چیز اس کی مرضی کے خلاف چھین لے، تو اس کے لئے ناجائز و حرام اور اگر حکومت قومیانے کے حیلے یا مفادِ عامہ کے ڈھونگ سے جس کی جائداد پر ہاتھ صاف کر ڈالے، اس کے لئے جائز ہے۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔

کرتے ہیں انسانوں کو غلامی پہ رضا مند
تاویلِ مسائل کو بناتے ہیں بہانہ

حالانکہ بات یوں نہیں یہاں امام ابو یوسف حکومت کو ایسے کلی و مطلق العنان اختیارات نہیں سونپ رہے۔ یہ امینی صاحب ہی کی کوتاہ نظری یا خیانت کا کرشمہ ہے کہ ان کی عبارت کو اپنے خود ساختہ اشتراکیانہ نظریے پر فٹ کر گئے۔ ؎

جو چاہے آپ کا حُسنِ کرشمہ ساز کرے

لیجئے اب امام صاحب کی شروع کی عبارت ملاحظہ فرمایئے اور امینی صاحب کی دیانت و امانت کی داد دیجئے۔

فَكُلُّ أَرْضٍ أَقْطَعَهَا الإِمَامُ مِمَّا فُتِحَتْ عَنْوَةً فَفِيهَا الْخَرَاجُ إِلَّا أَنْ يُصَيِّرَهَا الإِمَامُ عُشْرِيَّةً وَذَالِكَ إِلَى الإِمَامِ (إلى أن قال) وَأَرْجُو أَنْ يَكُونَ ذَالِكَ مُوَسَّعًا عَلَيْهِ فَكَيْفَمَا شَاءَ مِنْ ذَالِكَ فَعَلَ۔

(کتاب الخراج ص ۶۰)

یعنی اہل حرب سے جنگ کے بعد فتح کی ہوئی زمین جب امام کسی کو جاگیر کے طور پر عنایت کرے تو جاگیردار کو بیت المال میں عشر نہیں خراج جمع کرانا ہوگا۔ ہاں اگر امام اس زمین کو عشری قرار دے دے تو پھر عشر ہوگا، تو ایسی صورت میں میرا خیال ہے کہ زمین کو خراجی یا عشری قرار دینے کا معاملہ امام کی صوابدید پہ ہے جو چاہے کرے'

یہ تھی امام ابو یوسف کی پوری عبارت جس کا تعلق صرف اس بات سے ہے کہ امام المسلمین کو جنگ کے ذریعے مفتوحہ اراضی کو کسی کے لیے جاگیر قرار دینے کے بعد اسے عشری یا خراجی ٹھہرانے کا اختیار ہے، مگر امینی صاحب اسے کہاں سے کہاں کھینچ تان کر لے گئے۔ دراصل سوشلسٹوں کا طریقہ ہی یہی ہے کہ وہ اپنے من گھڑت نظریات کی تائید میں ایسے کرشمے دکھاتے ہیں نیز ع

بریں قیاس کن زگلستان من بہار مرا

کے مطابق موصوف کی دوسری تحقیقات کو بھی اسی پر قیاس کر لیجیے اور جہاں حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے بعض جاگیریں واپس لے کر بیت المال کو دے دیں، تو یہ وہ جاگیریں تھیں جنہیں آباد کرنے کے لیے دیا گیا تھا، مگر لینے والے انہیں آباد نہ کر سکے، تو آباد نہ کرنے کی وجہ سے وہ واپس لینا پڑیں، انہیں زمین کی بخشش نہ کی گئی تھی، بلکہ زمین بیت المال کی تھی اور منافع آباد کرنے

والوں کے لئے جاگیر کی بخشش کی یہ دونوں صورتیں کتاب الخراج و درِ مختار و شامی وغیرہ میں موجود ہیں اور آخر الذکر زمین کا چونکہ جاگیردار مالک نہیں ہوتا۔ اس لئے امام اگر مناسب سمجھے تو اس سے واپس لے سکتا ہے، ملاحظہ ہو (شامی ج ۴ صہ ۱۹۳)

زمین کو مزارعت و بٹائی پر دینے کا مسئلہ

مزارعت کے جواز و عدم جواز دونوں کے حق میں مختلف حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔ اس بنا پر صحابہ کرام و ائمہ عظام میں مزارعت کے بارے اختلاف واقع ہوا خود احناف کے امام حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اسے جائز نہیں سمجھتے، اس سلسلے میں وہ فرماتے ہیں کہ زمین کا مالک کام کرنے والے کو ایک معین مدت تک تنخواہ مقررہ پر لے کر اس سے کام لے اس میں شرط یہ ہے اسے تنخواہ کے عوض اسے اتنی مالیت کی پیداوار دے۔ (ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی ج ۶ صہ ۲۷۵)

لیکن صاحبین امام ابو یوسفؒ امام محمد رحمہما اللہ مزارعت کو جائز سمجھتے ہیں اور صاحبین کی دلیل وہ حدیث ہے جسے امام نسائی کے بغیر اصحاب صحاح ستہ نے روایت کیا ہے، چنانچہ بخاری میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ہے۔

انّ النّبی صلی اللہ علیہ وسلم عَامَلَ اَھْلَ خَیْبَرَ بِشَطْرِ مَا یَخْرُجُ مِنْھَا مِنْ زَرْعٍ اَوْ ثَمَرٍ الخ (بخاری ج ۱ صہ ۳۱۳)

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر کے ساتھ زمین خیبر کی کچھ پیداوار یا پھل کے ایک حصے پر معاہدہ کیا۔

مزارعت میں صاحبین کے قول پر فتویٰ ہے

مزارعت میں صاحبین رحمہما اللہ

کے قول پر فتویٰ ہے چنانچہ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

والفتویٰ علیٰ قولھما لحاجة الناس الیھا و لظھور تعامل الامة (ھدایة ج ۳ ص ۳۲۳) | یعنی لوگوں کی ضرورت اور امّت کے تعامل کے ظہور کی بنا پر فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔

مقصد ہے ان اللہ کے بندوں کا مگر ایک
ہر ایک ہے گو شرحِ معانی میں یگانہ

ان اختلاف میں امت کے فائدے ملحوظ ہیں، اس مقصد میں سب ائمہ متفق ہیں: البتہ متاخرین نے اس قول کو ترجیح دی جس میں امت کا فائدہ زیادہ ہے اور وہ مزارعت کا جواز ہے یعنی کسی کو زمین اس طور پر دینا کہ کاشت سے جو پیداوار ہوگی، دونوں میں مثلاً نصف نصف یا ایک تہائی یا دو تہائیوں میں تقسیم ہوگی، اسے اسلام کی اصطلاح میں مزارعت اور یہاں کے عرف میں اسے بٹائی پر زمین دینا کہتے ہیں۔

مسئلہ مزارعت

مزارعت کا مسئلہ فقہی اعتبار سے بڑی اہمیت رکھتا ہے جس کے دو پہلو غور طلب ہیں ایک مزارعت کا جواز یعنی کیا مزارعت (زمین کی بٹائی پر دینا) جائز ہے یا نہیں؟ اور دوسرا حق شفعہ ہے یعنی کیا مزارع کو شفعہ کا حق حاصل ہے یا نہیں؟ اس کے اولین پہلو پر کچھ حضرات اپنا نقطۂ نظر پیش کر چکے ہیں اور وہ یہ کہ مزارعت خلاف اسلام ہے دوسرا پہلو یعنی مزارع کو حق شفعہ ملنا چاہیئے یا نہیں؟ شوریٰ میں اس وقت سے زیر غور ہے جب سے اسلامی نظریاتی کونسل کا مسودہ قانون شفعہ توثیق کے لئے پیش کیا گیا ہم یہاں

اس مسئلے کے دونوں پہلوؤں پر شرعی و فقہی حیثیت سے کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔

جہاں تک قرآن کریم کا تعلق ہے اس میں شک نہیں اور نہ ہی یہ حقیقت اہل علم سے مخفی ہے کہ قرآن کریم میں بظاہر اس مسئلہ پر کوئی روشنی نہیں ڈالی گئی۔ یعنی دونوں میں بظاہر اس مسئلہ پر کوئی روشنی نہیں ڈالی گئی۔ یعنی دونوں پہلوؤں کے اعتبار سے اس مسئلہ کا بظاہر قرآن کریم میں کوئی ذکر نہیں ملتا البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مبین و شارح قرآن ہونے کی حیثیت سے اس مسئلہ کو بیان کر دیا کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان مسائل کی وضاحت و تشریح کی ذمہ داری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عائد فرمائی جو قرآن میں وضاحت طلب یا بظاہر مذکور نہ تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"ہم نے تمہاری طرف ذکر یعنی قرآن اتارا کہ تم لوگوں کے لیے نازل کیے ہوئے کو واضح کرو۔"

(سورہ نحل آیت ۴۴)

اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا۔

"اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لے لو اور جس سے منع فرمائیں اس سے باز رہو۔" (سورہ حشر آیت ۷)

لہذا اہل اسلام کا اس بات پر اجماع و اتفاق چلا آرہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کے رسول اور نبی ہونے کی حیثیت سے جو کچھ ارشاد فرمایا اور جو احکام صادر فرماتے وہ بھی خدا تعالیٰ کی وحی اور درحقیقت اسی کے نازل کردہ ارشادات و احکام ہیں اس حقیقت کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے بھی واضح طور پر ہو جاتی ہے کہ

"اور وہ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خواہش سے بات نہیں کرتے

ان کی بات تو خدا کی وحی ہی ہوتی ہے جو انہیں بھیجی جاتی ہیں۔"

(سورہ النجم آیت ۴)

چنانچہ امام المفسرین امام قرطبی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث وسنت وجوب عمل میں خدا کی نازل کی ہوئی وحی کی طرح ہے۔" (التفسیر قرطبی جلد ۱۷ صفحہ ۸۵)

امام قرطبیؒ نے حضرت مقدام بن معدی کربؓ کی حدیث کا حوالہ بھی دیا ہے جو جلد اول کے صفحہ ۳۷ پر درج ہے۔

مزارعت کے بارے میں جو احادیث شریفہ وارد ہوئی ہیں وہ ایک دوسری سے مختلف ہیں کچھ حدیثوں سے مزارعت کا جواز ثابت ہوتا ہے اور بعض سے عدم جواز اسی لئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ان کے بعد کے حضرات ائمہ وفقہا میں یہ مسئلہ مختلف رہا کچھ تو مزارعت کو جائز قرار دیتے رہے اور کچھ اسے ناجائز ٹھہراتے آئے چنانچہ صحابہ کرام میں سے حضرت ابو بکر صدیقؓ عمر فاروقؓ علی مرتضیٰ اور عبداللہ بن مسعودؓ وسعدؓ وزبیرؓ و اسامہؓ ابن عمر و معاذؓ وخبابؓ اور ان کے بعد حضرات سعید بن مسیبؒ طاؤس و ابن ابی لیلیٰؒ اوزاعی وثوری و امام احمد اور امام اعظم ابو حنیفہ کے شاگرد امام ابو یوسفؒ امام محمد رحمۃ اللہ علیہم اس کو جائز قرار دیتے جب کہ حضرت ابن عباسؓ (بہ روایت دیگر حضرت ابن عمرؓ) وعکرمہ ونخعی و امام مالکؒ امام ابو حنیفہ ولیث و ابو ثور و امام شافعی رضی اللہ عنہم سے عدم جواز منقول ہے عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری جلد اول ۱۲ صفحہ ۱۶۷ فقہ حنبلی کی مشہور کتاب الانصاف

میں ہے۔

مزارعت جائز ہے اور یہی مذہب کسی شک و شبہ کے بغیر ہے اور یہی امام احمد بن حنبل کے تمام ساتھیوں (شاگردوں) کا مذہب ہے (جلد ۵ صہ ۳۸۱) اور امام ابن قدامہ المغنی میں فرماتے ہیں: "بٹائی پر زمین دینا جائز ہے بہت سے اہل علم کی یہی رائے ہیں۔

اس کے بعد امام ابن قدامہؒ، امام بخاریؒ کے حوالے سے امام ابو جعفر کا قول نقل کرتے ہیں انہوں نے فرمایا:

"مدینہ میں کوئی ایسا گھر نہیں جس کی طرف سے زمین کو چوتھائی یا تہائی حصہ کے حساب سے بٹائی پر نہ دیا جاتا ہو۔"

پھر فرماتے ہیں حضرت صدیق اکبرؓ و حضرت علی و حضرت سعد و ابن مسعود و عمر بن العزیز و قاسم بن محمد بن ابی بکر وغیرہ اور حضرت صدیق اکبرؓ اور علی مرتضیٰؓ دونوں کا خاندان و امام ابن سیرین و سعید بن مسیب و طاؤس و عبدالرحمٰن بن اسود و موسیٰ طلحہؒ و زہری و عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ ان کے صاحب زادےؒ امام ابو یوسفؒ امام محمد سب مزارعت کو جائز قرار دیتے ہیں اور حضرت معاذ و حضرت حسن و عبدالرحمٰن بن یزید سے بھی جواز مروی ہے اور حضرت عمرؓ نے مزارعت پر زمین دیتے ہوئے مزارعین سے فرمایا اگر بیج میری طرف سے ہوگا تو میرے لیے پیداوار کا آدھا ہوگا اور اگر بیج مزارعین کی طرف سے ہوگا تو ان کے لئے اس قدر (یعنی آدھے سے زیادہ) ہوگا اور امام مجاہدؒ و نخعیؒ ابو حنیفہ نے مزارعت کو پسند نہیں فرمایا اور حضرت ابن عباسؓ سے دو مختلف روایتیں ہیں۔ اور امام شافعی نے ایسی زمین بٹائی پر دینے کو جائز قرار دیا۔ جس میں کھیت اور کھجور دونوں

ہوں۔ اس کے بعد کچھ آگے چل کر امام ابن قدامہ فرماتے ہیں کہ:

"ہم جو مزارعت کو جائز قرار دیتے ہیں ہمارے لئے اس قدر سند کافی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر کو اپنی زمین بٹائی پر دی تھی پھر حضرات ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم بٹائی پر دیتے رہے۔ ان کے بعد ان کے خاندان کے افراد بھی اسی پر عمل پیرا رہے کہ اپنی زمینیں تہائی اور چوتھائی پیداوار لیکر بٹائی پر دیتے رہے"

اس کے بعد موصوف لکھتے ہیں کہ "یہ حدیث صحیح و مشہور ہے جسے امام بخاری و مسلم نے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تادم وصال اس پر عمل فرماتے رہے پھر آپ کے بعد خلفائے راشدین عمر بھر یہ عمل کرتے رہے پھر ان کے بعد ان کے خاندان کے لوگ بھی زمینیں بٹائی پر دیتے رہے۔ (المغنی لابن قدامہ جلد ۵ صفحہ ۴۱۶ تا ۴۱۸)

جو حضرات مزارعت کو ناجائز قرار دیتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ مزارعت کا عمل ایک زمانہ میں جائز تھا پھر منسوخ ہو گیا اور اس کی دلیل وہ حدیث قرار دیتے ہیں جو حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم میں مروی ہے کہ "ہم زمین کا معاملہ بٹائی پر کیا کرتے اور اس کو ناجائز نہیں سمجھتے تھے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا تو ہم نے مزارعت کا سلسلہ ترک کر دیا۔ کہتے ہیں اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مزارعت شروع میں جائز تھی بعد میں منسوخ ہو گئی لہذا یہ ناجائز ہے۔ جمہور اہل اسلام جو اس عمل کو جائز سمجھتے ہیں ان کے دلائل مقابلتاً وزنی ہیں ان میں سے ایک تو وہی حدیث ہے جسے امام بخاریؒ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین اہل خیبر کو بٹائی پر دی تھی (بخاری باب المزارعۃ، امام بدرالدین

اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں۔

"مزارعت کو جائز قرار دینے والوں کے لئے یہ حدیث عمدہ دلیل ہے"

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری جلد ۱۲ صفحہ ۱۲۷)

اور دوسری حدیث وُہ ہے جسے امام بخاری، مسلم نے حضرت عمرو بن دینار سے اپنی اپنی سندوں کے ساتھ روایت کیا۔ ان کا کہنا ہے کہ میں نے طاؤس سے کہا کہ مزارعت چھوڑ دیتے تو اچھا تھا کیونکہ لوگ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس منع فرمایا۔ انہوں نے کہا کہ اے عمر! میں اس کے ذریعے لوگوں کو کچھ دیتا ہوں ان کی مدد کرتا ہوں اور مجھے ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزارعت سے منع نہیں فرمایا بلکہ یوں فرمایا کہ کسی شخص کا اپنے بھائی کو زمین مفت دینا اس پر اجرت لینے سے بہتر ہے۔ اسی طرح صحیح بخاری میں ہے کہ امام ابو جعفر صادق جنہیں امام باقر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ مدینہ میں مہاجرین میں سے کوئی گھر ایسا نہیں جو تہائی یا چوتھائی پر زمین کی مزارعت کا معاملہ نہ کرتا ہو لہٰذا یہ کہنا قطعاً غلط ہے کہ زمین کی بٹائی کا معاملہ ابتدا میں جائز تھا پھر منسوخ ہو گیا۔ اگر ایسا ہوتا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد خلفائے راشدین و دیگر صحابہ و تابعین اور ان کے بعد کے ائمہ دین اس پر کیوں عمل کرتے۔ کیا ان کو منسوخ ہو جانے کا علم نہ ہو سکا تھا بلکہ حقیقت حال اس کے برعکس ہے وُہ یہ کہ اگر مزارعت کو ناجائز اور جائز قرار دینے والی احادیث پر کچھ قیاس آرائی کرنے کے بغیر انہیں صحابہ و تابعین و ائمہ کرام کے عمل و قول کی رو سے دیکھا جاتے تو یہ کہنا بجا ہو گا کہ مزارعت بلاشبہ جائز ہے البتہ اس کی ممانعت کی توجیہہ و تاویل کرنا ضروری ہے۔

اوّل تو اس کی توجیہہ یہ ہوگی کہ حضرت رافع بن خدیج والی حدیث اضطراب کا شکار ہونے کی وجہ سے ناقابلِ عمل ہے اور اس میں اضطراب یہ ہے کہ کہیں تو اس کی سند میں عن بعض عمومتہ ہے اور کہیں عن ظہیر بن رافع کے الفاظ ہیں اور کہیں خود اس کے سماع کا ذکر ہے اس قسم کی سند قابلِ استدلال نہیں ہوتی اور اگر اس اضطراب سے بھی قطع نظر کر لی جائے تو یہ اس لئے بھی قابلِ استدلال نہیں رہتی کہ اجماع کے خلاف قرار پاتی ہے کیونکہ ہر امام کسی نہ کسی صورت میں مزارعت کے جواز کا قائل ہے اگرچہ وُہ ہمارے ہاں مروّجہ مزارعت سے مختلف ہو اور دوسری توجیہہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حدیث رافع بن خدیج میں مذکورہ ممانعت کسی خاص صورت پر محمول کی جائے اس کی توجیہہ کی تائید خود اس رافع بن خدیج کی ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے چنانچہ صحیح بخاری و مسلم میں انہی سے رُوایت ہے کہ ہم سب لوگ مدینہ منوّرہ میں زمین کاشت کرتے کراتے تھے اور کچھ لوگ زمین کو اس طرح کرایہ پر دیتے کہ اس کے فلاں حصّے میں جو پیداوار ہوگی اس کا مالک میں ہوں گا اور اس کے دُوسرے ٹکڑے کی پیداوار تمہاری ہوگی تو کبھی ایسا ہوتا کہ زمین کے کسی ایک حصّہ میں پیداوار ہوتی اور دوسرے میں نہ ہوتی (جس سے ایک تو پیداوار اٹھا لیتا اور دوسرا محروم رہتا اور بسا اوقات جھگڑے تک نوبت پہنچ جاتی۔ لہذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمادیا۔ ممانعت کی یہی صورت ہو سکتی ہے اور اگر اس حدیث کو بالعموم مزارعت سے ممانعت پر محمول کیا جائے تو یہی کہنا پڑے گا کہ یہ منسوخ ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا زمین کو بٹائی پر دینا اس ممانعت والی حدیث کے منسوخ ہونے کی دلیل ہوگی۔ امام ابن حزم ظاہری بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ ممانعت والی

حدیث منسوخ ہے۔

"صحابہؓ کا بعد کا عمل پہلی ممانعت کے منسوخ ہونے کی دلیل ہے"۔

(المحلی جلد ۵ صفحہ ۲۱۴)

امام ابن قدامہ بھی یہی لکھتے ہیں کہ:

"مزارعت سے ممانعت والی حدیث کو منسوخ تصوّر کرنا ضروری ہے"۔

اور بعض تحقیقات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جن صحابہؓ کا جواز میں اختلاف تھا۔ انہوں نے بعد میں حقیقت حال کے واضح ہونے پر رجوع کر لیا تھا اور مزارعت کے جائز ہونے پر سب کا اجماع عمل میں آگیا تھا چنانچہ علامہ شوکانی و ابن حزم و امام ابن قدامہ بھی یہی فرماتے ہیں ملاحظہ ہو۔ (نیل الاوطار جلد ۵ صہ ۲۷۴ و المحلی جلد ۵ صہ ۲۱۴ و المغنی جلد ۵ صہ ۴۲۱) اس کے باوجود بعض حضرات کا مزارعت کو یکسر خلاف اسلام ٹھہرانا ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔

اس مسئلہ کا دوسرا پہلو مزارع کے لئے حق شفعہ ہے۔ اسلامی نظریاتی کونسل ملک کا ایک ایسا موقر ادارہ ہے جس کے اراکین جملہ مکاتب فکر کے مسلّم فاضل لوگ ہیں اور جن کی علمی وسعت اور فقہی بصیرت شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ کونسل میں زیر بحث مسئلہ پر بڑی گہرائی اور بے لاگ تحقیق کے ساتھ گفتگو کی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ ایک ایک لفظ پر تسلی بخش غور کیا جاتا ہے اور ایک دوسرے کے نقطۂ نظر کو فراخ دلی کے ساتھ سُنا جاتا ہے۔ اگر اختلاف ہو اور متفق علیہ نقطۂ نظر نہ آ رہا ہو تو جس قدر ممکن ہوتا ہے اختلاف کے دائرہ کو کم از کم کرنے کے بعد اکثریت کی بجائے پر فیصلہ

دے دیا جاتا ہے اور اختلاف تجزیے والے فضلاء کا نقطۂ اختلاف بھی ساتھ ہی نوٹ کر لیا جاتا ہے۔ ایسے اتفاقات یا مسائل کم ہیں ورنہ اکثر و بیشتر اچھی خاصی بحث و تمحیص کے بعد اتفاق رائے سے مسائل حل ہو جاتے ہیں اور خوش قسمتی کی بات یہ ہے کہ قانون شفعہ جیسے اسلامی نظریاتی کونسل نے بہ اتفاق رائے مرتب کیا۔ اس میں کسی بھی مکتب فکر کے فاضل نے مزارع کو حق شفعہ دینے پر رائے نہیں دی اور نہ ہی مذاہب مروجہ فقہ میں سے کسی مذہب میں مزارع کے لئے حق شفعہ کو تسلیم کیا گیا ہے۔

خود حق شفعہ کی فقہی تعریف ہی مزارع کو یہ حق دینے سے مانع ہے کیوں کہ شفعہ کی تعریف یوں کی جاتی ہے:

"کسی ایک شریک کے حصے کا جو ایک اجنبی کی طرف منتقل ہو چکا تھا طے کردہ معاوضہ پر دوسرے شریک کی طرف منتقل ہونا"

(نیل الاوطار جلد ۵ صفحہ ۳۳۱)

امام ابن قدامہ المغنی میں شفعہ کی تعریف لکھتے ہیں۔

"ایک شریک کا اپنے شریک کے حصہ کو اس اجنبی کے ہاتھ سے چھڑانا جس کی طرف وہ حصہ منتقل ہو گیا تھا"

(المغنی جلد ۵ صفحہ ۳۰۷)

احناف فقہا کے نزدیک حق شفعہ تین اشخاص کے لئے ہی ہے جن میں مزارع کے نام کا کوئی شخص نہیں ہے۔ ایک خلیط دوسرا شریک، تیسرا جار ملاصق شریک وہ ہے جو فروخت شدہ جائیداد میں حصہ دار ہے جیسے ایک مشترکہ جائیداد میں ایک شریک اپنا حصہ فروخت کرتا ہے تو دوسرے شریک کو شفعہ کا حق حاصل ہے۔

دوسرا خلیط وہ شخص ہے جو فروخت شدہ چیز میں تو حصہ دار نہیں ہے البتہ اس چیز سے متعلقہ حقوق میں حصہ دار ہے مثلاً دونوں کے مکان یا جائیداد تو الگ الگ ہے لیکن دونوں کی گزرگاہ اور راستہ دونوں میں مشترک ہے یا دونوں ایک ہی نالی سے اپنے اپنے کھیت کو سیراب کرتے ہیں اور تیسرا اور جار ملاصق وہ ہے کہ دونوں کے مکان تو الگ ہیں لیکن دونوں کے مکان کی چھتیں باہم پیوست اور متصل ہیں شفعہ کا معاملہ چونکہ حقوق عباد سے تعلق رکھتا ہے اس لئے صحابہ کرام اور ان کے بعد کے آئمہ دین نے اس میں از حد احتیاط برتی ہے تا کہ کسی حقدار کا حصہ غیر حقدار کو نہ پہنچ جائے۔ جس سے انہیں عنداللہ ویہ جواب دہ ہونا پڑے۔

اس میں احتیاط کا عالم یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ و ائمہ عظام نے جار ملاصق کے لئے بھی اس حق کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے، چنانچہ امام ابن قدامہ المغنی میں فرماتے ہیں کہ:

"حضرت عمر و عثمان و عمر بن عبد العزیز و سعید بن مسیب و سلیمان بن یسار و زہری و یحییٰ انصاری و ابوالزناد و ربیعہ و مغیرہ بن عبدالرحمٰنؒ مالکؒ اوزاعی و شافعی و ابو ثور و ابن منذر (و احمد بن حنبل) رضی اللہ عنہم صرف دو اشخاص کے لئے حق شفعہ تسلیم کرتے ہیں اور تیسرے یعنی جار ملاصق کے لئے اس حق کو نہیں مانتے جب کہ امام ابن شبرمہ و امام سفیان ثوری و ابن ابی لیلی و اصحاب رائے (احناف) جار ملاصق کے حق شفعہ کو تسلیم کرتے ہیں"۔ (المغنی جلد ۵ صفحہ ۳۰۸/۳۰۹)

حالانکہ احناف کے نزدیک جار ملاصق کے حق میں کئی احادیث بھی بطور دلیل موجود

ہیں لیکن وہ آئمہ ان احادیث کو ضعیف قرار دیتے ہیں یا انہیں مبہم اور غیر واضح ہونے کی وجہ سے ناقابل عمل ٹھہراتے ہیں اور یا ان میں وارد لفظ جار سے مراد شریک لیتے ہیں۔ اگرچہ احناف نے ان آئمہ کے ان شکوک و توجیہات کے اپنے طور پر جوابات بھی دیئے ہیں جن کی تفصیل عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری کی جلد ۱۲ صفحہ ۲۷ تا ۱۷ پر موجود ہے لیکن غور طلب بات یہ ہے جار ملاصق کے حق شفع میں احادیث موجود ہونے کے باوجود بھی ان آئمہ کرام نے اپنے نزدیک اس کے بارے میں غیر واضح صورت حال ہونے کی وجہ سے اسے حق شفعہ کا مستحق نہیں ٹھہرایا۔ تو کیا ایک ایسے شخص کا حق جس کا صاحب حق ہونا یقینی نہیں بلکہ مشکوک ہے اس میں ارباب اختیار و ارباب شوریٰ کے لئے لمحہ فکریہ ہے کہ وہ مزارع کو شفعہ کا حق کسی شرعی بنیاد پر دینا گوارا کریں گے۔

یہ امر محتاج بیان نہیں کہ ارباب اختیار و ارباب شوریٰ کو ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے یہ دیکھنا ہے کہ فلاں بات کہیں خلاف شریعت اور اسلامی تقاضوں کے منافی تو نہیں ہے۔ اگر ہے تو اسے دلائل شرعیہ کی روشنی میں اسلام و شریعت کے مطابق بدل ڈالیں لیکن وہ اس بات کے مجاز نہیں کہ اسلام کے ایک متفق علیہ حکم کو اپنی مرضی یا خواہشات کے تابع کر ڈالیں۔ فقہا فرماتے ہیں کہ حق شفع ایک غیر قیاسی حکم ہے کیونکہ قیاس تو یہ ہے کہ ایک شخص اب اس کا مالک ہو گیا ہے۔ جس کے نتیجے میں اس کی مرضی کے خلاف کوئی تیسرا اس چیز کو اس سے حاصل کرنے کا مجاز نہیں لیکن چونکہ شریعت میں حق شفعہ سے متعلق یہ حکم خلاف قیاس آگیا لہٰذا اسے اسی حد تک ہی تسلیم کیا جائے گا اور جن کو شریعت نے یہ حق دیا ان سے آگے کسی اور شخص کے لئے اس حق کو متجاوز کرنا نہ صرف شریعت سے تجاوز اور حقوق عباد سے کھیلنا ہے بلکہ عقل و قیاس

کے تقاضوں سے اعراض وانحراف بھی ہے۔

اسلام نے کسی کے حق کو ثابت کرنے کے لئے چار راستے متعین کر دیئے ہیں. قرآن حکیم سنت رسولؐ اجماع اور قیاس شرعی مزارع کے لئے حق شفعہ کو ثابت کرنے کے ان چار راستوں میں سے کسی ایک راستہ کو اختیار کرنا ضروری ہے۔

جیسا کہ ابھی عرض کیا جا چکا ہے کہ یہاں ہے ہی نہیں بلکہ یہ مسئلہ ہی خلاف قیاس ہے چنانچہ المغنی اور ہدایہ میں ہے:

"شفعہ اصل وبنیاد (قیاس) کے خلاف ثابت ہو رہا ہے لہذا ایسے ان اشخاص کے سوا جنہیں شریعت نے یہ حق دیا کسی اور کے لئے ثابت نہیں کیا جا سکتا" ——— حق شفعہ قیاس کے طور طریقوں سے ہٹ کر ہے۔ لہذا یہ حق کسی ایسے شخص کو نہیں دیا جا سکتا جس کا کتاب یا سنت میں کوئی ذکر نہیں"

(المغنی جلد ۵ صفحہ ۳۸ وہدایہ جلد ۲ صفحہ ۳۸۷)

آخر میں گزارش ہے کہ شوریٰ کو ایک اسلامی ریاست سے منسوب ہونے کی بنا پر کسی ایسے قانون کو ہرگز قبول نہیں کرنا چاہیئے جو شرعی وفقہی دلائل سے عاری ہو اور کسی ایسے قانون پر صادر کرنے میں بلا وجہ تاخیر نہیں کرنی چاہیئے جو قرآن وسنت یا اجماع وقیاس شرعی ایسے دلائل سے آراستہ ہو۔

مزارعت کی شرطیں

ایجاب وقبول کے بعد مزارعت کے رکن چار اور اس کے جواز کی شرطیں آٹھ ہیں۔

نمبر ۱ زمین، نمبر ۲ بیج، نمبر ۳ کام، نمبر ۴ بیل (یا ٹریکٹر) اور آٹھ شرطیں یہ ہیں:

نمبر ۱ زمین زراعت کی صلاحیت رکھتی ہو۔ نمبر ۲ عاقدین کا اہل ہونا کہ معاملہ کرنے والے آزاد اور بالغ ہوں، ہاں اگر غلام یا لڑکا ہو تو وہ اپنے آقا اور سرپرست سے اجازت یافتہ ہوں۔ نمبر ۳ مدت مزارعت متعین کر لی جائے نمبر ۴ بیج کس کی طرف سے ہوگا نمبر ۵ جنس کا ذکر آجائے کہ کیا بوئے گا نمبر ۶ حصہ مقرر ہو کہ ہر ایک کو کس قدر ملے گا۔ نمبر ۷ مالک زمین کو کاشتکار کے سپرد کر دے۔ صاحب دُرِّ مختار نے آٹھویں شرط کو شرکت فی الخارج (پیداوار میں مالک زمین اور مزارع دونوں کا شریک ہونا) قرار دیا ہے۔ لیکن یہ بعینہٖ چھٹی شرط کا اعادہ ہے، چنانچہ علامہ شامی فرماتے ہیں۔

إنَّ هٰذَا الشَّرْطَ مُسْتَدْرَكٌ لِلْاِسْتِغْنَاءِ عَنْهُ بِاشْتِرَاطِ ذِكْرِ قِسْطِ الْعَامِلِ (ج ۶ صـ ۲۷)

یعنی یہ آٹھویں شرط بے فائدہ ہے کہ عامل کے حصہ کی شرط سے اس کی حاجت نہیں رہتی۔

تو آٹھویں شرط زمین کا معلوم و متعین ہونا ہے کہ یہاں سے وہاں اور ادھر سے ادھر تک جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے (ج ۱ صـ ۲۳۶ طبع مصر) اور حکیم الامت صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے بہار شریعت میں بھی اسی شرط کا ذکر فرمایا ہے (ملاحظہ ہو بہار شریعت ج ۱۵ صـ ۹۳) نیز علامہ شامی نے اس شرط کا ذکر کر دیا ہے اِنَّ مَعْرِفَةَ الْاَرْضِ شَرْطٌ (ج ۶ صـ ۲۷۶) کہ زمین کا معلوم ہونا شرط ہے۔

افادات و مسائل

اگر بیج مالک زمین کی طرف سے طے پایا تو پانچویں شرط ساقط ہو جائے گی کہ جس جنس کا بیج

مالک زمین دے گا مزارع اس کو بوئے گا۔

یا مالک مزارع سے کہہ دے کہ جو مرضی آئے بوئے تو بھی جنس کا تعین ضروری نہیں اور شرط یہ جائز نہیں کہ بیج والا پیداوار میں سے بیج اٹھائے گا اور بقیہ پیداوار کی تقسیم کی جائیگی، ہاں یہ جائز ہے کہ پیداوار میں سے پہلے عشر یا نصف عشر نکالا جائے گا اور یہ بھی جائز ہے کہ غلہ تقسیم ہوگا اور بھوسہ غلہ کے حصہ کے برابر کیا جائے گا یا جس کا بیج اس کا بھوسہ یہ بھی جائز کہ زمین مالک کی اور بیج اور کام اور بیل وغیرہ مزارع کے یا زمین اور بیج مالک کے کام اور بیل (یا ٹریکٹر) مزارع کے۔

اسلام کے نظامِ معیشت میں زراعت کی اہمیت

اشتراکی اور سوشلسٹ نظام میں تو ہوسِ نفسانی کے مخصوص عزائم کو پروان چڑھانے کے لئے مالک و مزارع زمیندار و کسان وغیرہم کے درمیان طبقاتی منافرت پھیلا کر انسانی قدروں کو پامال اور بنی آدم کے خون کو انتہائی ارزاں کیا جاتا ہے، لیکن اسلام ایک ایسا عادلانہ نظامِ معیشت ہے جس کی بنا مخلوقِ خدا کے درمیان ہر طرح کی باہمی منافرت و طبقاتیت کو ختم کر کے ان میں اخوت و الفت پیدا کرنے پر ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کھیتی کو اگانے کی نسبت اپنی طرف کر کے جہاں زراعت کے پیشہ کو نظامِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیشت میں بڑی اہمیت بخشی ہے وہاں ضمنی طور پر کاشتکار کی عزت افزائی بھی فرمائی۔ ارشاد ہے:

اَفَرَءَیْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ (واقعہ)	تم جو بوتے ہو کیا اسے تم نے دیکھا کیا تم اس کی کھیتی بناتے ہو یا ہم بناتے ہیں

کاشت کاری پیشہ حضرت آدم علیہ السلام

امام ابن حجر عسقلانی فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مستدرک امام حاکم میں مروی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا پیشہ کاشت کاری، حضرت نوح کا بڑھئی حضرت ادریس کا درزی اور حضرت موسیٰ کا بکریاں چرانا تھا (ج ۴ صہ ۲۵۹)

اس حدیث سے ایک تو دستکاری (ہاتھ کی کمائی) کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ کاشت کاری ایک ایسا مقدس پیشہ ہے جسے ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام نے اختیار فرمایا اور اسی اہمیت کو واضح کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ فرماتے ہیں جسے امام ابوداؤد نے اپنی مراسیل میں امام زین العابدین سے روایت کیا ہے۔

اِحرِثُوا فَاِنَّ الحَرثَ مُبَارِکٌ اَکثِرُوا فِیہِ مِنَ الجَمَاجِم۔
(الجامع الصغیر ج ۱ صہ ۶۳)

یعنی زمین میں کھیتی باڑی کے لیے ہل چلاؤ کہ ہل چلانا بابرکت ہے اور بیج خوب ڈالو۔

اس میں فرمایا گیا ہے کہ کھیتی باڑی کرو اور ہل چلاؤ کیونکہ کھیتی باڑی کا کام بابرکت ہے اور اس میں بیج بکثرت ڈالو۔ بلکہ بیج مت ڈالو یا مراد یہ ہے کہ نظر بد اور پرندوں سے حفاظت کے لیے کھیتی باڑی پر بکثرت ہنڈیاں لٹکاؤ ہنڈیاں لٹکانے کا امر تکلیفی نہیں بلکہ امر ارشادی ہے (ملاحظہ ہو سراج منیر شرح الجامع الصغیر ج ۱ صہ ۶۳)

صحیح بخاری کے باب فضل الزرع میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

"جو شخص درخت بوتا ہے یا کھیتی کرتا ہے اور اس سے پرندو انسان اور جانور اپنی خوراک حاصل کرتے ہیں، تو یہ عمل اس کے حق میں صدقہ بنتا ہے یعنی اجر و ثواب کا باعث ہوتا ہے (بخاری ج ۱ صد نمبر ۳۱۲ مجتبائی)

اس کی شرح میں علامہ بدر الدین عینی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کسی نے درخت لگائے، اگرچہ حصولِ ثواب کی نیت اس کے دل و دماغ میں مستحضر نہ تھی، یہاں تک کہ اگر اس نے درخت لگا کر اسے فروخت کر دیا یا اس نے کاشت کی اور اسے فروخت کر دیا پھر بھی اس کا یہ عمل اس کے لئے صدقہ ہوگا کہ اس کا یہ عمل مخلوقِ خدا کی روزی میں اضافہ کا باعث بنا (عمدۃ القاری ج ۱۲ صہ ۱۵۵ نیز فرماتے ہیں۔

فِیْہِ الْحَضُّ عَلٰی عِمَارَۃِ الْاَرْضِ لِنَفْسِہٖ وَلِمَنْ یَأْتِیْ بَعْدَہٗ (عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۱۵۶)

کہ اس حدیث میں زمین کو اپنے اور بعد میں آنے والوں کے لیے اور درختوں اور کھیتوں سے آباد کرنے کی ترغیب ہے۔

سر پہ سبزہ کے کھڑے ہو کے کہا قم میں نے
غنچۂ گل کو دیا ذوقِ تبسم میں نے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہل چلایا

کھیتی باڑی کرنا اور ہل چلانا ایک ایسا بابرکت کام ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بہ نفسِ نفیس شرف بخشا چنانچہ امام شمس الدین سرخسی المعروف بہ شمس الائمہ علیہ الرحمۃ کتاب المبسوط میں فرماتے ہیں:

أوّلُ مَنْ فَعَلَهُ آدمُ صَلَوَاتُ اللهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ عَلَىٰ مَا رُوِيَ أَنَّهُ لَمَّا أُهْبِطَ إِلَى الْأَرْضِ أَتَاهُ جِبْرِيْلُ بِحِنْطَةٍ وَأَمَرَهُ بِالزِّرَاعَةِ وَازْدَرَعَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْجُرْفِ وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ الْمُزَارِعُ يُتَاجِرُ رَبَّهُ عَزَّ وَجَلَّ (المبسوط ج۲۳ ص۲)

کہ سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے کھیتی باڑی کا کام کیا۔ بنا برآں کہ مروی ہے کہ آپ جب زمین پر اتارے گئے تو حضرت جبریل آپ کی خدمت میں گندم لائے اور اسے زمین میں بونے کا امر کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام جرف میں بہ نفس نفیس کاشت فرمائی اور فرمایا کہ کاشت کار خدا سے تجارت کرتا ہے۔

کمائی کے تین اصول

امام ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ فتح الباری میں امام الماوردی سے ناقل ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ کمائی کے تین اصول ہیں:

زراعت، تجارت اور صنعت (ملاحظہ ہو ج ۴ ص ۲۵۷) امام الماوردی علیہ الرحمۃ نے تینوں میں زراعت کو اولیت دیتے ہوئے سرفہرست رکھا ہے۔

مفکرِ اسلام مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ معاشیات کے بنیادی مسائل میں زراعت کو بہت ہی اہمیت دیتے ہوئے اپنی مشہور کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں۔

وَاعْلَمْ أَنَّهُ إِذَا اجْتَمَعَ عَشَرَةُ آلَافِ إِنْسَانٍ مَثَلًا فِي بَلْدَةٍ فَالسِّيَاسَةُ الْمَدَنِيَّةُ تَبْحَثُ

یعنی جب کسی شہر میں مثلاً دس ہزار لوگ بستے ہوں تو سیاست مدینہ ان کے اسباب معاش سے بحث کرتی ہے تو اگر

مِنْ مَكَاسِبِهِمْ فَإِنْ كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُكْتَسِبِيْنَ بِالصِّنَاعَاتِ وَسِيَاسَةِ الْبَلْدَةِ وَالْقَلِيْلُ مِنْهُمْ مُكْتَسِبِيْنَ بِالرَّعْيِ وَالزِّرَاعَةِ فَسَدَ حَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا - (ج ۲ ص ۱۰۵)

ان میں سے اکثر صنعت کاری اور شہری ریاست میں مصروف اور ان میں سے تھوڑے زراعت و جانوروں کی حفاظت میں مشغول ہوں، تو دنیا میں تباہ و برباد ہو جائیں گے۔

یعنی زراعت ملکی معیشت میں ریڑھ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اگر یہ کمزور ہے اور متبادل وسائل کی فراوانی بھی نہیں کہ ان سے تلافی و تدارک ہو سکے تو وہاں کے لوگ ترقی کی بجائے رُوبہ انحطاط و زوال ہوں گے اور ان کی حالت نہیں سدھر سکے گی اگر ملک کے اکثر باشندے زراعت پیشہ ہوں اور تمام زرعی سہولتوں سے مالا مال ہو کر محنتِ شاقہ سے کام لیں تو زمین سے وہ برکتیں ظاہر ہوں کہ ہمارے زراعت پیشہ بھائی ان کا تصور بھی نہ کر سکیں۔

دہقاں اگر نہ ہو تن آساں
ہر دانہ ہے صد ہزار دانہ
غافل منشیں نہ وقت بازی ست
وقت ہنر ست و کارسازی ست

اس حدیث کی توجیہ کہ ہل ذلّت کا باعث ہے

گزشتہ تقریر سے ثابت ہوا کہ اسلام کے نظامِ معیشت میں زراعت کو نہایت ہی اہمیت حاصل ہے لیکن صحیح بخاری کی کتاب المزارعۃ میں حضرت ابو امامہ سے مروی ہے:

سَمِعْتُ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم یَقُوْلُ فَلَا یَدْخُلُ ھٰذَا بَیْتَ قَوْمٍ اِلَّا اَدْخَلَہُ اللّٰہُ الذُّلَّ (صحیح بخاری ج ۱ صہ ۳۱۲)

میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ آپ نے ہل اور کھیتی کے دوسرے آلات کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ جس گھر میں یہ داخل ہوا اس گھر میں خدا ذلت کو داخل کرے گا۔

علماء محققین نے اس حدیث کی کئی ایک توجیہات فرمائی ہیں۔ ایک یہ کہ ہل اور دیگر آلاتِ زراعت کھیتی باڑی میں استعمال کرنے کے لئے ہیں، لیکن اس کے برعکس جو قوم انہیں اپنے گھروں میں رکھ چھوڑے یعنی کھیتی باڑی کا کام ترک کر دے تو ان کے وسائل رزق میں کمی آجائے گی جس کے نتیجے میں وہ بھوک و افلاس کی وجہ سے ذلیل و خوار ہو کر رہ جائیں گے اور دوسری توجیہ وُہ ہے جو امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ اِذَا اشْتَغَلُوْا بِالزِّرَاعَۃِ وَاتَّبَعُوْا اَذْنَابَ الْبَقَرِ وَقَعَدُوْا عَنِ الْجِہَادِ کَرَّ عَلَیْہِمْ عَدُوُّھُمْ فَجَعَلَہُمْ اَذِلَّۃً (کتاب المبسوط ج ۱۰ صہ ۸۳ سطر ۲۰-۲۱)

جب مسلمان سب کے سب زراعت میں مشغول ہوں اور بیلوں کے دُم کے پیچھے پیچھے پھریں اور جہاد ترک کر دیں تو دشمن ان پر حملہ کر کے انہیں ذلیل کر دے گا۔

حدیث مذکور کا پس منظر

اس حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حرث و زراعت کے فضائل بہت سے بیان فرمائے۔ اندیشہ تھا کہ کہیں ان فضائل کے

پیشِ نظر سب مسلمان زراعت و کھیتی کے کام میں مشغول ہو کر جہاد ایسی انتہائی اہم دینی ذمہ داری کو فراموش کر دیں اور دشمن کے ساتھ لڑنے کے فن سے بے بہرہ ہو جائیں اور دشمن اس صورتِ حال سے فائدہ اٹھا کر ان پر حملہ کر کے انہیں ذلیل و خوار کر دے' اس لئے یہ ارشاد گرامی صادر فرمایا۔

امام بخاری علیہ الرحمتہ نے اس حدیث کا عنوان قائم کیا ہے۔ یعنی بَابُ مَا یُحْذَرُ مِنْ عَوَاقِبِ الْاِشْتِغَالِ بِاٰلَةِ الزَّرْعِ اَوْ مُجَاوَزَةِ الْحَدِّ الَّذِیْ اُمِرَ بِهٖ۔ یعنی آلہ زراعت (ہل وغیرہ) سے سراسر مشغول ہونے اور زراعت میں مشغول ہونے کی مطلوبہ حد سے تجاوز کرنے کے انجام سے ڈرنے کے بیان میں "یہ بھی اسی توجیہہ کی تائید کرتا ہے جو امام سرخسی علیہ الرحمتہ نے فرمائی ہے امام بدر الملتہ والدین عینی علیہ الرحمتہ نے عمدۃ القاری شرح بخاری میں داؤدی سے یہ توجیہہ نقل کی ہے (بخوفِ طوالت ترجمہ عرض ہے)

> یہ ارشادِ نبوی ان حضرات سے متعلق ہے جو دشمنوں کی سرحدوں کے قریب ہیں' اس لیے وہ اگر کھیتی باڑی میں لگ کر جنگی فنون و تجربات کو نظر انداز کر دیں' تو دشمن ان پر حملہ کر دے گا' لیکن سرحدوں سے دور افتادہ لوگوں کے لیے زراعت کا کام ہی بہتر و مطلوب ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور تم حسبِ استطاعت دشمن کے مقابلہ کی تیاری کرو اور یہ زراعت کے ساتھ ہی قائم ہے اور جو لوگ سرحد پر یا دشمن کے قریب ہیں وہ کھیتی باڑی نہیں کر سکتے کہ انہیں جنگی فنون سیکھنا اور تجربات کرنا ہے تو دوسرے مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ ضروریات زندگی میں ان کی مدد

کرتے رہیں (عمدۃ القاری ج ۱۲ صہ ۱۵۷)

نیز اس توجیہہ کی اس حدیث سے بھی صراحت سے تائید ہو جاتی ہے جسے امام احمد بن حنبل اور امام طبرانی حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ:

اِذَا ضَنَّ النَّاسُ بِالدِّینَارِ وَالدِّرْہَمِ وَتَبَایَعُوْا بِالْعِیْنَۃِ وَاتَّبَعُوْا اَذْنَابَ الْبَقَرِ وَتَرَکُوا الْجِہَادَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَدْخَلَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِمْ ذُلًّا لَا یَرْفَعُہٗ عَنْہُمْ حَتّٰی یُرَاجِعُوْا دِیْنَہُمْ (الجامع الصغیر ج ۱ صہ ۲۹)

یعنی جب لوگ راہِ خدا میں دینار و درہم خرچ کرتے میں بخل کرنے لگیں اور ایک چیز مہنگے داموں بیچ کر اس شخص سے سستے داموں واپس خریدیں اور جہاد فی سبیل اللہ کو ترک کر کے کھیتی باڑی کے شوق میں بیلوں کی دُم پکڑ لیں، خدا انہیں ذلت میں مبتلا کریگا اور ان سے اس وقت تک ذلت نہ اٹھائے گا جب تک وہ اپنے دین کی طرف نہ لوٹیں گے۔

غرضیکہ حدیث مذکورہ کا ایک پس منظر ہے جسے ملحوظ رکھنے سے ہل ایسا ہل جیسے دیگر آلات) سے متعلق ارشادِ نبوت کا عقدہ باقی نہیں رہتا اور اس علم و آگاہی کے راز داں تو علماء کرام ہی ہیں۔ جب تک شریعت کے راز دانوں کے حضور دستِ سوال نہ پھیلائیں گے، اس وقت تک علم کی ایسی باریک گتھیاں نہیں سلجھیں گی۔

ہم اپنی دردمندی کا فسانہ!
سُنا کرتے ہیں اپنے راز داں سے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا غیب کی خبر دینا کہ کسانوں پر ظلم ہوں گے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے چودہ سو سال پیشتر یہ غیب کی خبر دی ہے کہ کسانوں پر ظلم ہوں گے اور حدیث مذکورہ آپ کی اسی پیش گوئی پر محمول ہے، چنانچہ امام ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ فتح الباری شرح بخاری میں ابن تین سے ناقل ہیں:

هذا مِنْ اَخْبَارِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمُغَيَّبَاتِ اَلْمُشَاهَدُ اَلْاٰنَ اَنَّ اَكْثَرَ الظُّلْمِ اِنَّمَا هُوَ عَلٰى اَهْلِ الْحَرْثِ (فتح الباری ج ۵ ص ۳)

یہ حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غیب کی خبروں میں سے ایک خبر ہے کہ آج مشاہدہ ہو رہا ہے کہ سب سے زیادہ ظلم کسانوں پر ہو رہے ہیں۔

اور امام بدر الملۃ والدین عینی القاری اور امام قسطلانی ارشاد الباری شرح بخاری میں امام ابن بطال سے ناقل ہیں:

وَفِي الْحَدِيْثِ عَلَامَةُ النُّبُوَّةِ قَالَ ابْنُ بَطَّالٍ وَذَالِكَ اَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِمَ اَنَّ مَنْ يَّاْتِيْ اٰخِرَ الزَّمَانِ يَجُوْرُوْنَ فِيْ اَخْذِ الصَّدَقَاتِ وَالْعُشُوْرِ وَيَاْخُذُوْنَ اَكْثَرَ مِمَّا يَجِبُ لَهُمْ لِاَنَّهٗ ذُلٌّ لِّمَنْ اُخِذَ مِنْهُمْ بِغَيْرِ الْحَقِّ اِنْتَهٰى قُلْتُ

یہ حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غیب کی خبروں میں سے ایک خبر (پیش گوئی) ہے اور یہ اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ آخری زمانے میں ایسے جاگیردار پیدا ہوں گے جو عشر و زکوٰۃ کی وصولی میں کسانوں پر ظلم کریں گے اور حق شرعی سے زیادہ وصول

قوۃ الذل وکثرتہ فی الزارعین
فی اراضی مصر فان اصحاب الاقطاعات
یتسلطون علیہم ویاخذون منہم
فوق ما علیہم بضرب وحبس
وتہدید بالغ ویجعلونہم
کالعبید المشترین فلا یتخلصون
منہم فاذا مات واحد منہم
یقیمون ولدہ عوضہ بالغصب
والظلم غالب ما ترکہ ویحرمون
ورثتہ (عمدۃ القاری شرح بخاری
ج ۴ ص ۱۷۲) (ارشاد الساری
شرح بخاری ۴ ص ۱۷۲)

کریں گے کہ اس میں کسانوں کی ناحق توہین
ہے میں (علامہ عینی) کہتا ہوں کہ سب سے
زیادہ مصر کے جاگیردار کسانوں کی تذلیل و
توہین کرتے ہیں، ان پر مسلط ہیں ان کی مارپیٹ
کرکے انہیں قید کرتے اور ان سے حق شرعی
سے زیادہ وصول کرتے ہیں اور زرخرید غلاموں
کا سا ان سے سلوک کرتے ہیں، بیچارے
کسان ان سے نجات نہیں پاتے، پھر جب
کوئی کسان مرجاتا ہے تو جاگیردار وہی سلوک
ان کے بچوں سے کرتے ہیں، اور ان کے
باپ کی اکثر جائیداد پر غاصبانہ قبضہ کرکے
انہیں وراثت کے حق سے محروم کردیتے
ہیں۔

یہ کس قدر افسوس ناک بات ہے کہ ملکی معیشت کاشتکار کی مرہون منت ہو، لیکن ایک مخصوص طبقہ استیصال کا نشانہ بھی انہیں بنائے ۔

وائے ناکامی فلک نے تاک کر توڑا اسے
میں نے جس ڈالی کو تاڑا آشیانے کے لئے

کسانوں پر سوشلسٹوں اور کمیونسٹوں کے بہیمانہ نظام

کسانوں پر سوشلسٹوں اور

اشتراکیوں نے جو مظالم ڈھائے۔ ان کی داستان نہایت دردناک اور لرزہ خیز ہے، چنانچہ لینن نے ۲۵ فروری ۱۹۱۷ء کو ایک پمفلٹ تقسیم کردیا کہ بڑی بڑی زمینداریاں ختم کرکے زمین بے زمین کسانوں میں بانٹ دی جائیگی، پھر دو ماہ بعد اپریل ۱۹۱۷ء میں لینن نے تمام زمینوں کو قومیانے کا اعلان کر دیا اور یہ اعلان گول مول تھا۔

چھوٹے درجے کے کسانوں کو بڑے زمینداروں سے لڑا دیا۔ آخر بڑے اور متوسط درجے کے زمینداروں میں ہیجان پیدا ہوا، تحریکیں چلیں۔ مارچ ۱۹۱۷ء اور جون ۱۹۱۷ء تک کے درمیانی عرصہ میں کسانوں کی سترہ تحریکوں کو بڑی سفاکی اور خونریزی کے ساتھ دبا دیا گیا اور ان پر جو مظالم ڈھائے گئے، اس کی داستان کو قلم لکھنے سے قاصر ہے جب بڑی بڑی اور متوسط درجے کی زمینداریوں کو ختم کر دیا گیا، تو اب چھوٹی چھوٹی زمینداریوں کے خاتمے کا اعلان کر دیا گیا آخر ۱۹۳۰ء تک ایک کسان بھی ایسا نہ چھوڑا گیا جس کے پاس ایک انچ بھی زمین ہو۔ ایک فرانسیسی مصنف اپنی تصنیف (THE RBOL) میں لکھتا ہے کہ اس تصادم میں پچاس لاکھ انسان قتل ہوئے۔ اہل اشتراکیت کا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ وہ انسانوں سے جذبۂ اخوت ہمدردی ختم کرکے انہیں کئی ایک طبقات میں تقسیم کرکے آپس میں لڑا دیتے ہیں، نتیجے میں لوگ ہلاک ہوگئے اور جو باقی بچے ان کا حکومت خود ہی صفایا کر دیتی ہے بیچارے کسانوں کو عشق اشتراکیت کا یہی انعام ملا کرتا ہے، لیکن بیچارے کسان ہیں کہ اپنی سادگی کی بنا پر سوشلسٹوں کے دام فریب میں آجاتے ہیں ؎

تیرے عشق کی انتہا چاہتا ہوں! مری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں!

اشتراکی اور سوشلسٹ ملکوں میں مزدوروں اور کسانوں کے ساتھ سلوک

ان کے ساتھ بھی وہی سلوک روا رکھا جاتا ہے جو ایک بے زبان جانور کے ساتھ روا رکھا جاتا ہے

جب کہ اسلام کا معاشی نظام مزدوروں اور کسانوں کو ایک مقدّس و حلال رزق کا سبب تصوّر کر کے معاشرے میں اس کا احترام پیدا کرتا ہے، لیکن اشتراکیوں نے اجتماعی اور قومی مصالح کے نام پر مزدوروں پر ایسی قیود و پابندیاں اور سختیاں عائد کر دیں کہ بیچارے مزدور انسانیت کے مقام سے گر کر کولہو کے بیل بنا دیئے گئے ان کی قوّت سے بڑھ کر کام لینا، احتجاج کرنے کے حق سے محروم کرنا اور اُن کی عورتوں اور بچّوں تک سے مشقّت لینا اور اس کے بدلے روٹی کے چند ٹکڑے اور موٹا کپڑا اور رہائشی کیمپ میں تنگ سی جگہ دینا کہ جہاں غسل خانے تک مشترک ہیں جن میں لمبی لمبی قطاروں میں کھڑا ہونا پڑے۔ پھر بھی حسبِ خواہش نہانے کی آزادی تک میسّر نہیں۔ اشتراکیت کی بدولت بیچارے مزدوروں کے حصّہ میں یہی عنایتیں ہیں اور بس۔ اور افسوس یہ ہے کہ ان عنایات کے خلاف جو کسان و مزدور آواز بلند کرے اور اسے باغی قرار دیکر چند منٹوں میں گولی سے اُڑا دیا جاتا ہے ؎

بھری بزم میں راز کی بات کہہ دی
بڑا بے ادب ہوں سزا چاہتا ہوں

اگر ان حقائق کو ملاحظہ کرنا ہو تو چین اور روس کا غیر سرکاری طور پر دورہ کر کے دیکھیں جو سرکاری مہمان وہاں جاتے ہیں، وہ وہاں کی حکومت کے مطابق ہی وہاں کا جائزہ لیتے ہیں جن میں مصنوعی طور پر سب کو خوشحال ظاہر کر کے دکھایا جاتا ہے جیسے

کے سانحے میں ہمارے فوجی قیدی جب ہندوستان کی قید میں تھے، تو وہاں کی حکومت ان کے بیانات ریڈیو سے نشر کراتی کہ ہمیں بڑے آرام سے رکھا جاتا ہے۔ ہمیں کسی طرح کی کوئی تکلیف نہیں ہے۔ ہم ایسے رہتے ہیں جیسے گھر میں ہوں، حالانکہ واپسی کے بعد انہوں نے اپنے ساتھ حکومت انڈیا کے کیے گئے سلوک کی جو داستانیں سنائیں، ان سے سننے والے کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔

محنت کشوں کے متعلق اسلام کی روح پرور ہدایات

اس کے برعکس محنت کش اور مزدور کے ساتھ اسلام جو مشفقانہ سلوک روا رکھنے کے احکام صادر فرماتا ہے، ان سے ایک عام مزدور صنعت کار اور مالک ادارہ کے سربراہ کے ساتھ برابر عزت و وقار کا حقدار ٹھہرتا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے:

حضرت معرور فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابوذر سے مقام پر ملا تو میں نے دیکھا کہ انہوں نے ایک ازار اور چادر زیب تن فرما رکھی تھی اور ان کے غلام نے بھی اسی طرح کا لباس پہن رکھا تھا (آقا اور غلام کے لباس میں کوئی فرق نہ تھا) تو میں نے حضرت ابوذر سے اس کی وجہ دریافت کی۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے ایک مرتبہ اپنے غلام کو سخت کلمہ کہہ دیا (کالی عورت کے بیٹے کہہ کر پکارا تھا) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر پہنچی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ اے ابوذر! تم نے اسے ماں (کے کالے رنگ) کی عار دلائی ہے، تم میں ابھی جاہلیت کا اثر باقی ہے۔ پھر فرمایا:

اِخْوَانُكُمْ خَوَلُكُمْ جَعَلَهُمُ   یعنی تمہارے ماتحت کام کرنے والے

اللہُ تحتَ اَیدِیکُم فَمَن کَانَ اَخُوْہُ تحتَ یَدِہٖ فَلیُطْعِمہُ مِمَّا یَاْکُلُ وَلیُلْبِسْہُ مِمَّا یَلْبَسُ وَلَا تُکَلِّفُوْھُمْ مَا یَغْلِبُھُمْ فَاِنْ کَلَّفْتُمُوْھُم فَاَعِینُوْھُمْ ۔ (صحیح البخاری ا صہ طبع دہلی)

تمہارے بھائی ہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں تمہارے ماتحت بنا دیا ہے تو جس کا بھائی اس کے ماتحت کام کرتا ہے، اسے وہی کھلائے جو خود کھاتے وہی پہنائے جو خود پہنے انہیں ان کی طاقت سے زیادہ کام نہ بتاؤ اور اگر بتاؤ تو ان کی امداد و اعانت کرو

یہ ہدایت مبارکہ معاشرہ میں مزدور کو ایک باوقار مقام عطا کرنے کے ساتھ ساتھ ایسے ضمنا اصول بھی پیش کرتی ہے جنہیں عمل میں لانے سے وُہ تمام مفاسد اور خرابیاں یکسر ختم ہو جاتی ہیں جو آج معاشرتی بے چینی کا باعث بنی ہوتی ہیں یہ وُہ اصول ہیں جنہیں محدثین و ائمہ اسلام نے اس حدیث سے اخذ کیے ہیں:

چنانچہ امام بدرالدین عینی عمدۃ القاری میں فرماتے ہیں: (بخوفِ طوالت عربی کے بجائے اس کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے)

اسلام کے نظام معیشت و معاشرت سے متعلق اہم ہدایات و اصول:

اوّل: یہ کہ اپنے ماتحت کو ایسا کلمہ کہنا ممنوع جس سے اس کی عزت انسانی میں فرق آتا ہو اور ایسی بات بھی کرنا منع ہے جس سے ایک کی برتری کے ساتھ دوسرے کی تحقیر لازم آتی ہے بلکہ اس کے برعکس ماتحت کے ساتھ احسان و شفقت سے بھرپور برتاؤ کیا جائے۔ پھر عبد کا ایک وسیع مفہوم ہے (ماتحت) خواہ وہ مزدور ہو یا خادم و نوکر اور کمزور و ضعیف ہو اور اسی طرح جانوروں کو بھی بُرا بھلا کہنا اور ان کی طاقت سے زائد بوجھ لادنا منع ہے۔

دوم : ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو اس انداز سے اپنا ترفع اور برتری نہ جتلائے کہ اس سے دوسرے کی تذلیل و تحقیر لازم آتی ہو۔ اگرچہ وہ غلام و نوکر اور مزدور ہی کیوں نہ ہو کہ برتری کی بنا کارخانہ داری یا صنعت کاری و زمینداری نہیں، بلکہ تقویٰ و پرہیزگاری ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ — کہ میرے نزدیک وہی اچھا ہے جس کا عمل اچھا ہو۔

سوم : یہ امر بھی لائق تحسین و ثواب اور از جملہ آداب ہے کہ مالک نوکر کا کھانا پینا بھی یکساں ہو، جب کھانے اور پہننے میں یکسانیت اسلام کے نزدیک محبوب و مرغوب ہے تو رہائش و سکونت میں کیوں نہ ہوگی، لہٰذا اسلامی آداب اخلاقِ عالیہ کا تقاضا ہے کہ رہنے کی سہولت بھی یکساں ہو۔ آج کے غیر عادلانہ سرمایہ دارانہ اور سوشلسٹ، اشتراکیت کے سہیمانہ نظام میں جو معاشی و رہائشی تفاوت ہے اسے اسلام پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتا کہ کوئی تو اعلیٰ و عمدہ اور ایک ایک مربع کے ایئر کنڈیشنڈ بنگلوں اور تفریح گاہوں سے لطف اندوز ہوں اور ان کے علاوہ انہیں گھر کے باہر فضا میں بھی بے پناہ سہولتیں میسر ہوں اور کسی کے تنگ و تاریک کمرے بھی مشکل سے ہوں اور نہ ہی انہیں برقی پنکھوں سے پسینہ سکھانے کی سہولت میسر ہو، احادیث میں ہے کہ جو شخص رہائش کے لئے ضرورت سے زیادہ زمین گھیرے گا، قیامت کے روز وہ اس کے سر پر رکھی جائیگی۔

چہارم : انہیں طاقت سے زائد کام نہ بتایا جائے اور نہ ہی ان سے اس قدر تسلسل سے کام لیا جائے کہ وہ تھک کر چور چور ہو جائیں۔

لِاَنَّ النَّھْیَ لِلتَّحْرِیْمِ بلاخوف کہ حدیث میں وارد ممانعت بالاتفاق تحریم کے لئے۔

پنجم: اگر انہیں طاقت سے زائد یا تھکا دینے والے تسلسل کے ساتھ کام بتاؤ تو جسمانی یا مزید مالی یا دونوں قسم کی امداد کرو گویا دفتری اوقات میں اگر مقدور سے زیادہ کام بتاؤ تو اپنے یا دوسرے معاونین کے ذریعے سے اور اوور ٹائم کی صورت میں مالی لحاظ سے ان کی مزید امداد کرو جو معمول سے زائد ہو تو بہتر ہے، ورنہ کسی صورت میں کم نہ ہو۔

ششم: سرمایہ دار اپنے نوکر، مزدور اور خادم کو اپنا بھائی سمجھے اور ایک بھائی کے دوسرے بھائی کے ساتھ کا سا سلوک کرے، وغیرہ وغیرہ۔

(ملاحظہ ہو عمدۃ القاری شرح بخاری ج ۱ صہ ۲۰۸، ۲۰۹)

اسلام کے معاشی نظام کی یہ ہدایت سنہری حروف سے لکھ لینے کے قابل ہے کہ لَا تُکَلِّفُوْھُمْ مَا یَغْلِبُھُمْ فَاِنْ کَلَّفْتُمُوْھُمْ فَاَعِیْنُوْھُمْ، یعنی کارکنوں کو ان کی طاقت سے زائد کام نہ بتاؤ اگر بتاؤ تو ان کی امداد ضروری ہے۔ گویا پیداوار بڑھانے کے شوق میں کارکن اور محنت کش کے کام و محنت میں اضافہ کی کی اجازت نہیں ہے ہاں اگر ایسا کرنا ہے تو اس کی رضا اور رغبت سے کرو اور اسے مزید مالی اعانت سے خوش کرو۔

محنت کش کی مزدوری جلدی ادا کرو

امام ابن ماجہ اپنی سنن میں حضرت ابن عمر امام ابو یعلیٰ اپنی مسند میں حضرت ابوہریرہ امام طبرانی اپنی اوسط میں حضرت جابر اور امام

حکیم ترمذی نوادر میں حضرت انسؓ سے راوی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَعْطُوا الْاَجِیْرَ اَجْرَہٗ قَبْلَ اَنْ یَجِفَّ عَرَقُہٗ (الجامع الصغیر ج ا ص ۳۱)
کہ محنت کش کو اس کی اُجرت اس کے پسینے کے خشک ہونے سے پہلے ادا کرو

مطلب یہ ہے کہ محنت کش کو اس کے کام سے فارغ ہونے کے بعد بلا تاخیر معاوضہ ادا کرو۔ خواہ اسے پسینہ آیا ہی نہ ہو یا آنے کے بعد ابھی تک خشک نہ ہوا (سراج منیر و حاشیہ شیخ الاسلام الحفنی ج ا ص ۲۴۳) اسی طرح آپ کا ارشاد ہے کہ روزِ قیامت میں اس شخص کا دشمن ہوں گا جس نے مزدور سے کام لیا ہو اور اس کی اُجرت نہ دی۔ (صحیح بخاری ج ا ص ۳۰۲ کتاب الاجازۃ عن ابی ہریرۃ)

ان تمام نصوص میں بلا تاخیر حقوق العباد کی ادائیگی کا درس ہے، بلکہ ان محنت کشوں کی ہر ممکن طریقے سے دل جوئی اور حوصلہ افزائی کا سبق ہے جن پر پیداوار کے اضافے کا دارومدار ہے۔ ظاہر ہے کہ محنت کش خوش ہوں گے، تو دل جمعی اور دلچسپی سے کام بھی کریں گے۔

مزدوروں کا منافع میں حصہ

قرآن کریم کے ارشاد یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ کیا خرچ کریں فرما دیجیے اپنے مالوں کے فاضل حصے کو۔

ازالہ شبہ

اگر آیت مذکورہ کے منسوخ ہونے کا شبہ ہو جیسا کہ بعض مفسرین سمجھتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ صحیح یہی ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے۔ آیت زکوٰۃ اس کے لیے ناسخ نہیں بلکہ آیت

زکوٰۃ کا صدقۂ واجبہ سے تعلق ہے اور اس آیت کا صدقۂ نافلہ سے۔ امام ابن جریر تفسیر طبری میں فرماتے ہیں:

بَلْ مُثْبَتَۃُ الْحُکْمِ غَیْرُ مَنْسُوْخَۃٍ (ج ۲ صہ ۲۱۵)

یعنی اس آیت کا حکم باقی ہے، منسوخ نہیں ہے۔

اس آیت کو مزدوروں کے لئے صنعت کے منافع میں حصہ کی دلیل بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔ بہر صورت قرآن کریم میں وارد جامع الفاظ اپنی معنوی وسعتوں کے اعتبار سے اس نئی تعبیر کے بھی متحمل ہیں۔ کہا جاسکتا ہے کہ آج کے حالات چونکہ پہلے سے ہی خدا علیم وخبیر کے علم میں تھے اور اسے معلوم تھا کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا جس میں محنت کشوں کے مسائل پیدا ہوں گے اور اسلام ایک ہمہ گیر اور ابدی دین ہے تو مسلمان محنت کش اسلام سے راہبری کے طلب گار ہوں گے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ وعشر کے حکم کو اپنے ارشاد وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ اور وَاٰتُوْا حَقَّہٗ یَوْمَ حَصَادِہٖ میں علیحدہ علیحدہ بیان فرما کر "العفو" کی شق بھی رکھ دی اور "العفو" کا ذکر قرآن میں صحابہ کرام کے ایک سوال کے جواب میں وارد ہوا۔ انفاق فی سبیل اللہ اخدا کی راہ میں خرچ کرنے) کی دو قسمیں ہیں۔ واجب ضروری کہ اس کے ترک پر گناہ و عذاب کا مستوجب ہو۔ یہ زکوٰۃ وعشر پر صادق آتا ہے۔ دوسرا مستحب کہ اس کے ترک پر گناہ وعذاب کا موجب تو نہیں، لیکن وہ باہمی تعاون وہمدردی واخوت اور اخلاق قدروں کی علامت وعظمت وشرافت انسانی کی نشانی ضرور ہے اور "العفو" اسی سے عبارت ہے جہاں تک انفاق واجب یعنی زکوٰۃ وعشر کا تعلق ہے اس کے لئے اموال بھی متعین ہیں اور نصاب بھی! لہٰذا یہ بات واضح ہے کہ صحابہ کرام کا ماذا

ینفقون سے انفاق کے بارے میں سوال انفاقِ واجب کے علاوہ کسی اور انفاق سے متعلق ہوگا اور وہ انفاق مستحب ہے یعنی باہمی تعاون و ہمدردی کی بنیاد پر رضاکارانہ ایثار جو انسانی قدروں کی ترقی کا ذریعہ ہے اور وسعتِ ظرفی کا ثبوت بھی جو شرافتِ انسانی کا ایک لازمہ ہے اور مزدوروں کے لئے بونس وغیرہ کی بنیاد اسی حقیقت پر مبنی ہے "ج العفو" میں مضمر ہے۔ علاوہ ازیں سرمایہ دار اور محنت کش کے درمیان جو گہرا ربط و تعلق ہے کہ ان میں سے کوئی بھی دوسرے سے مستغنی نہیں اس کی اہمیت بھی اس بات کی مقتضی ہے کہ سرمایہ دار مقررہ تنخواہ اور مزدوری کے علاوہ بھی مزدور و اجیر کے ساتھ وقتاً فوقتاً احسان و رواداری کا برتاؤ کرتا ہے جو پیداوار منافع میں سے ششماہی یا سالانہ بونس کی صورت میں ادا کیا جائے جسے اسلامی معیشت میں ایک کریمانہ اور رفیقانہ معاونت باہمی سے تعبیر کیا جائے گا۔ اس سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ مزدوروں میں ایک مزدور کی حیثیت سے بڑھ کر سرمایہ دار کے حق میں ایک ہمدرد کا رکن ہونے کا جذبہ پیدا ہوگا اور یہی جذبہ اسے دیانت و محنت پر مزید ابھارے گا اور محنت ہی پیداوار میں ترقی اور اضافے کا باعث ہے ۔

بے محنتِ پیہم کوئی جوہر نہیں کھلتا
روشن شررِ تیشہ سے ہے خانۂ فرہاد

زمیندار اور کسان کا مسئلہ

اسی طرح اسلام کے نظامِ معیشت نے کسانوں کو وہ مقام بخشا ہے جس کی مثال اسلام کے سوا دنیا کے کسی ازم میں نہیں ملے گی۔ زراعت و کھیتی باڑی سے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ ارشاداتِ عالیہ دلیل کے طور

پر کافی ہیں جو گذشتہ سطور میں مذکور ہوئے۔

کاشت کار اور زمیندار کا صحیح مقام

ہمیں اس بات کا افسوس ہے کہ کسان و مزارع اور زمیندار کو جو محنت کر کے زمین آباد کرتا ہے اور زراعت کی مدد سے ملک کی معیشت کے استحکام میں مدد دیتا ہے' اس کا جائز مقام نہیں ملا۔ اسلامی معاشرے میں وہ حد احترام و تعظیم کا مستحق ہے' کیونکہ پوری قوم بلکہ بڑے بڑے بادشاہ تک بھی اس کی کمائی کھاتے ہیں ؎

اس کے نعمت خانے کی ہر چیز ہے مانگی ہوئی
دینے والا کون ہے؟ مردِ غریب بے نوا

کاشت کار اور زمیندار کے درمیان جو حاکم و محکوم کا غیر عادلانہ سلسلہ قائم ہے اسلام کے نظامِ معیشت میں وہ سراسر غلط اور ظلم و زیادتی ہے۔ کیونکہ اس میں زمیندار ایک آقا و حاکم اور کاشت کار ایک غلام و محکوم نظر آتا ہے۔

زمیندار اور کاشت کار برابر کے کاروباری ہیں

لیکن اسلام کا کاشتکاروں پر کس قدر احسان ہے کہ اس نے زمیندار اور کاشت کار کے درمیان ایک ایسا مقدس اور پُر وقار تصوّر قائم کیا ہے۔ جس کی رُو سے زمیندار و کاشت کار برابر کے کاروباری متصوّر رہتے ہیں' کسی کو ایک دوسرے پر برتری حاصل نہیں ہے' کیونکہ صاحبِ زمین اگر متاجر منہ ہے' تو دوسرا متاجر ہے۔ یعنی متاجر منہ اور متاجر میں حاکم و محکوم کا کوئی تصوّر نہیں' بلکہ دونوں کی برابر کی رضامندی سے معاملہ طے پاتا ہے اور اگر بٹائی کی صورت ہے' تو ایک

طرف سے زمین ہے تو دوسری طرف سے بیج و وسائل کاشت اور محنت ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ زمیندار حاکم و آقا اور کاشتکار محکوم و غلام ہو؛ چنانچہ ملک العلماء بدائع میں فرماتے ہیں:

لِاَنَّ المزارعة فَفِيهِمَا الاجارةُ وَالشَّرِكَةُ تَنعَقِدُ اِجَارَةً ثُمَّ تَتِمُّ شَرِكَةً۔ (ج ۶ ص ۱۷۷)

یعنی اس لیے کہ مزارعت میں اجارہ اور شرکت دونوں پائے جاتے ہیں۔ یہ ابتداء معاملہ میں اجارہ اور نتیجہ میں شرکت بن جاتی ہے۔

اور اسی طرح مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے (ملاحظہ ہو، ج ۲ ص ۴۹۹ طبع مصر) اور امام ابو یوسف کتاب الخراج میں فرماتے ہیں:

وَكَذَالِكَ الْاَرْضُ عِنْدِيْ هِيَ بِمَنْزِلَةِ مَالِ الْمُضَارَبَةِ (صفحہ ۸۸)

یعنی جیسے مضاربت درست ہے کہ ایک طرف سے مال اور دوسری طرف سے محنت اور نفع میں دونوں شریک اسی طرح میرے نزدیک زمین بھی مالِ مضاربت کے بمنزلے ہے۔

یعنی ایک صاحبِ زمین اور دوسرا مستاجر اور دونوں نفع میں شریک ہیں خواہ مزارعت کا معاملہ ہو یا اجارہ کا۔ ہدایہ شریف میں ہے:

فَيَجُوْزُ اعْتِبَارًا بِالْمُضَارَبَةِ (ج ۱ ص ۴۲۲)

کہ مزارعت مضاربت کے اعتبار سے جائز ہے۔

اسی طرح نسائی شریف میں ہے:

كَانَ مُحَمَّدٌ يَعْنِي ابْنَ سِيْرِيْنَ

امام محمد ابن سیرین فرماتے تھے کہ میرے

يَقُوْلُ الْاَرْضُ عِنْدِيْ مِثْلُ مَالِ الْمُضَارَبَةِ فَمَا صَلُحَ فِيْ مَالِ الْمُضَارَبَةِ صَلُحَ فِي الْاَرْضِ وَمَا لَمْ يَصْلُحْ فِيْ مَالِ الْمُضَارَبَةِ لَمْ يَصْلُحْ فِي الْاَرْضِ۔

نزدیک زمین مالی مضاربت کی طرح ہے تو جس کی مال مضاربت میں گنجائش ہے اس کی زمین میں گنجائش ہے اور جو مال مضاربت میں جائز نہیں وہ زمین میں جائز نہیں

(سنن نسائی ج ۱ صہ ۱۵۶)

یعنی زمین کا معاملہ لگان اور بٹائی میں مضاربت کے مال کی طرح ہے اور مضاربت باہمی تعاون و شراکت پر مبنی ہے جس میں فریقین کو مساوی حیثیت حاصل ہوتی ہے، ان میں حاکم و محکوم اور آقا و غلام کا کوئی تصور نہیں ہوتا، لہذا زمیندار کے لئے ہرگز جائز نہیں کہ وہ کاشت کار سے زمین معلوم کی کاشت کاری کے علاوہ دوسری خدمات بالجبر لے یہ عین ظلم ہے جسے اسلام کا نظام عدل ہرگز برداشت نہیں کرتا۔

میں کہ میری نوا میں ہے آتش رفتہ کا سراغ
میری تمام سرگزشت کھوئے ہوؤں کی جستجو

مضارعت میں وارد متعارض حدیثوں میں تطبیق

مزارعت یعنی زمین کو بٹائی پر دینے کے بارے میں جو متعارض احادیث وارد ہوتی ہیں، ان میں تطبیق کی یہ صورت ہے کہ ممانعت کی حدیثیں اس صورت پر محمول ہیں کہ متعاقدین زمین کے حصے کرلیں کہ اس طرف کی پیداوار فلاں کے لئے اور دوسری طرف کی فلاں کے لئے چنانچہ اس کی تائید میں صحیح بخاری کی حدیث شریف پیش خدمت ہے۔ حضرت رافع بن خدیج کہتے ہیں:

كُنَّا أَكْثَرَ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ حَقْلًا فَكَانَ أَحَدُنَا يُكْرِي أَرْضَهُ فَيَقُوْلُ هٰذِهِ الْقِطْعَةُ لِي وَهٰذِهِ لَكَ فَرُبَّمَا أَخْرَجَتْ ذِهِ وَلَمْ تُخْرِجْ ذِهِ فَنَهَاهُمُ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(ج ۱ ص ۳۱۳)

یعنی ہمارے ہاں اکثر اہل مدینہ کاشت کرتے تھے اور ہم میں سے کچھ لوگ اپنی زمینیں کرائے پر دیتے اور کہتے کہ یہ ٹکڑا میرا ہے اور یہ تیرا۔ پس کبھی اس ٹکڑے میں پیداوار ہوتی اور کبھی اس میں، لہذا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طریقہ سے مزارعت کرنے کو منع فرمایا ہے۔

خلاصہ یہ کہ زمین بٹائی پر دینا بلاشبہ جائز ہے اور اس میں زمیندار و کاشت کار برابر کے معاملہ دار ہیں اس میں حاکمیت و محکومیت کے تصور کو اسلام برداشت نہیں کرتا۔ نیز اگر زمیندار کاشت کار کو رہائشی جگہ اور مکان دیتا ہے تو محض اس کی وجہ سے اسے کاشت کار کو اپنا غلام بنانا جائز نہیں۔ اگر چاہے تو وہ اس جگہ کا مناسب کرایہ لے سکتا ہے ورنہ یہ کاشت کار کے ساتھ باہمی رواداری اور ہمدردی پر مبنی مراعات تصور ہوگی اس سے اس کو اپنا خدمت گار یا غلام نہیں بنا سکتا۔

کہہ رہا ہے داستاں بے دردیٔ ایام کی
کوہ کے دامن میں وہ غم خانۂ دہقانِ پیر

آبپاشی

ملکی زراعت کی ترقی کے لئے وسائلِ آبپاشی میں ترقی و توسیع بھی ضروری ہے۔ اسلام کے اقتصادی و معاشی نظام میں اسے بھی اہمیت حاصل ہے، اس لئے اسلام نے اس کے حسبِ ذیل ضوابط و قواعد مقرر کیے ہیں:

ا۔ تالاب، کنوئیں، جوہڑ اور چشمے اگر کسی خاص شخص کی ملکیت میں نہیں ہیں، تو ان میں سے پبلک کے تمام افراد حقدار و نفع اٹھانے کے مجاز ہیں۔ یہ حقیقت قرآن مجید میں مذکور حضرت صالح علیہ السلام کی ناقہ کے پانی پینے کے واقعہ سے عیاں ہے۔ سورۃ شعراء کو ملاحظہ فرمائیں۔

مُسلمان تین چیزوں میں برابر کے شریک ہیں

حدیث میں ہے انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

اَلْمُسْلِمُوْنَ شُرَكَاءُ فِي الْمَاءِ وَالْكَلَاءِ وَالنَّارِ (ابوداؤد ج ۲ - ص ۴۹۳)

کہ تمام مسلمان تین چیزوں یعنی پانی گھاس اور آگ میں برابر کے شریک ہیں۔

امام شمس الائمہ المبسوط میں فرماتے ہیں (بخوف طوالت صرف ترجمہ دیا جاتا ہے) کہ دوسری روایت میں ہے، آپ فرماتے ہیں۔

"الناس شرکاء فی ثلاث" تمام لوگ ان تینوں چیزوں میں برابر کے حصہ دار ہیں اور یہ پہلی روایت ابوداؤد کی روایت سے عام ہے کہ اس میں تمام انسانوں کی شرکت کا اعلان ہے خواہ مسلمان ہو یا کافر اور پانی کے بارے میں یہ شرکت وادیوں، دریاؤں (یعنی خود رو پانی) سے متعلق ہے، جیسے دریائے سیحون، جیحون، دجلہ، فرات، نیل اور پنجاب میں پانچوں دریا اور نہریں، اس لئے کہ ان سے فائدہ اٹھانا ایسا ہے جیسے سورج کی دھوپ اور ہوا سے فائدہ حاصل کرنا کہ اس میں تمام

کائنات انسانی برابر کے شریک ہیں۔ کسی کو حق نہیں کہ دوسرے کو روک سکے، اس کی مثال شارع عام کی سی ہے کہ اس پر ہر مسلمان و کافر سب کو چلنے کا حق ہے اور لفظ شرکت (وارد در حدیث) سے اصل اباحت اور انتفاع میں تمام انسانوں کا مساوی ہونا مراد ہے۔ یہ مراد نہیں کہ وہ ان کی ملکیت ہے کہ وادیوں اور دریاؤں میں موجود پانی کسی کی ملکیت نہیں (المبسوط ج ۲۳ صہ ۱۶۴)

یہ آبپاشی کا حق تھا۔ البتہ شخصی کنوؤں، حوضوں اور تالابوں و چشموں میں پانی پینے اور جانوروں کو پلانے کا ہر ایک کو حق ہے، مالک اس پانی کو پینے کے لئے فروخت نہیں کرسکتا، البتہ برتنوں میں بھرا ہوا پانی فروخت کرسکتے ہیں۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں:

وَلَا بَأْسَ بِبَیْعِ الْمَاءِ اِذَا کَانَ فِی الْاَوْعِیَۃِ (کتاب الخراج صہ ۹۵)

کہ جب پانی برتنوں میں ہو تو اسے فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

اور اگر ایک شخص کے پاس پانی ہے اور دوسرے کو اس قدر پیاس ہے کہ خطرۂ جان تک نوبت پہنچ رہی ہے اور قوتِ خرید بھی نہیں اور پانی کا مالک معاوضہ کے بغیر پینے کی اجازت نہیں دیتا، تو اس کی اجازت کے بغیر ہی جیسے ہو سکے پانی لے کر پیاس بجھائے۔ کتاب الخراج میں ہے:

اِلَّا اَنْ یَکُوْنَ حَالَ ضَرُوْرَۃٍ یَخَافُ عَلٰی نَفْسِہٖ (صہ ۹۰)

کہ خطرۂ جان کی حالت میں بلا اجازت پی لے۔

اسی سے واضح ہوگیا کہ معاشیاتِ نظامِ مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں انسانی

زندگی کے تحفظ کا مسئلہ درپیش ہو تو اس کے مقابلہ میں ذاتی ملکیت کو ترجیح نہیں دی جاتی، یہ پانی تک ہی محدود نہیں، اس حکم میں دیگر ضروریاتِ زندگی بھی شامل ہیں جن پر انسانی کے بقاء کا دارومدار ہے۔ زبردستی لے کر جان بچانے کا علاج تو آخری علاج ہے اور یہ ان سے برتا جاتا ہے جو سرمایۂ دولت کو ہی سب کچھ سمجھتے ہیں اور اس کے مقابلے میں انسانی زندگی کی قدروں کو کوئی اہمیت نہیں دیتے، لیکن اسلام و ایمان کے تقاضوں سے بہرہ ور مسلمان یہاں تک نوبت پہنچنے ہی نہیں دیتے، بلکہ وہ اس کے برعکس اپنے ایثار و خدمتِ خلق کے عملی جذبہ سے معاشرہ میں یک رنگی پیدا کئے بغیر نہیں رہتے۔

باغباں ہو سبق آموز جو یک رنگی کا ۔ ہم زباں ہو کے رہیں کیوں نہ طیور و گلزار
دے ہی جام ہمیں کو مناسب ہے یہی ۔ تو بھی سرشار ہو تیرے رفقا بھی سرشار

فالتو پانی بیچنے والا روزِ قیامت خدا کے فضل سے محروم ہوگا اور بہتر یہ ہے کہ جس کے پاس فالتو پانی ہو تو وہ آبپاشی کے لئے دوسروں کو مفت میں دے کر ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے غلام نے ان کو خط لکھا کہ میں نے آپ کی زمینوں کی سیرابی کے بعد باقی پانی کا تیس ہزار درہم میں فروخت کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے اب آپ کی اجازت مطلوب ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ میں نے تمہارا مطلب سمجھ لیا، لیکن میرے پیشِ نظر وہ حدیث ہے جس میں ضرورت سے زیادہ پانی اور گھاس کو روکنے اور دوسرے کو فائدہ نہ پہنچانے والے شخص کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ناراضگی کا ذکر ہے۔

مَنَعَهُ اللّٰهُ فَضْلَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَإِذَا جَاءَكَ كِتَابِي هٰذَا فَاسْقِ نَخْلَكَ وَزَرْعَكَ وَأَهْلَكَ وَمَا فَضَلَ فَاسْقِ جِيرَانَكَ الْأَقْرَبَ فَالْأَقْرَبَ -

(کتاب الخراج صہ ۹۶)

کہ ایسا شخص روزِ قیامت خدا کے فضل سے محروم ہوگا، تو جب تیرے پاس میرا یہ خط پہنچے، تو اس پر عمل کرتے ہوئے پہلے اپنے باغوں، کھیتوں اور زمینوں کو سیراب کرو اور جو فالتو پانی ہو اسے بیچنے کے بجائے اپنے اس پڑوسی کو دو جو تمہارے سب سے زیادہ قریب ہو پھر اسے جو اس کے بعد قریب ہو۔

البتہ اگر پانی والے کا کچھ خرچ ہوا ہو تو پانی لینے والے سے مناسب اور کم از کم جو خرچ ہوا ہو لے سکتا ہے، لیکن پیداوار کا نصف لینا دوسروں کی مجبوری سے فائدہ اٹھانے کے مترادف ہے، جو جذبۂ ایثار و اخلاقِ عالیہ و ہمدردی کے منافی ہے۔

آبیانہ آبپاشی کی نہریں اور سرکاری ذرائع آبپاشی صرف مصالح عام اور معاشی وسائل کی ترقی کے لئے ہیں، حکومت کو اجازت نہیں کہ وہ انہیں آمدنی میں اضافہ کا ذریعہ بنائے۔ اگر حکومت کا بیت المال (خزانہ) اس قدر متحمل ہے کہ ان نہروں اور ٹیوب ویلوں کی حفاظت اور بقاء کے لیے جملہ ضروریات کا بوجھ اٹھا سکتا ہے، تو عوام سے آبیانہ یعنی پانی کی قیمت وصول کرنے کی اسلام کا نظامِ معیشت اجازت نہیں دیتا اور اگر بوجھ نہ اٹھا سکتا ہو تو اس قدر قلیل آبیانہ لیا جا سکتا ہے جس سے ان نہروں کی اور ٹیوب ویلوں کی حفاظت و بقا کے انتظامات ہو سکیں اور جہاں عوام کو نہروں کی ضرورت ہو، وہاں سربراہِ مملکت کے لئے ضروری ہے کہ نہریں کھدوائے اور اس کا خرچ عوام کے نہیں بیت المال کے ذمہ ہوگا۔ مثلاً

اگر بیت المال میں اس قدر سرمایہ نہیں کہ نہر کی کھدائی کو کافی ہو سکے، تو بقدر ضرورت دولت مندوں سے لے سکتا ہے، چنانچہ کتاب المبسوط میں ہے:

وَاِنْ لَمْ یَکُنْ فِیْ بَیْتِ الْمَالِ فَلَہٗ اَنْ یُجْبِرَ الْمُسْلِمِیْنَ عَلٰی ذَالِکَ وَیُخْرِجَہُمْ لِاَنَّ الْمَنْفَعَۃَ فِیْہِ لِلْعَامَّۃِ فَفِیْ تَرْکِہٖ ضَرَرٌ عَامٌ۔

(ج ۲۳ ص ۱۷۵)

اگر بیت المال میں کچھ نہ ہو تو حکومت اسلامیہ کا سربراہ دولت مسلمانوں کو مجبور کر کے ان سے مالی امداد لے سکتا ہے؛ کیونکہ اس میں سب کا فائدہ ہے اور اس کے ترک میں سب کا نقصان۔

اسلام کے نظام معیشت پر حرف گیری کرنے والے ذرا غور تو فرمائیں کہ اس میں عوام پر ٹیکس عائد کرنے کی اس وقت تک اجازت نہیں جب تک کہ ملکی خزانہ اخراجات کا متحمل ہے؛ اس میں ٹیکس عائد کرنے کو مشغلہ بنانے کی اجازت نہیں۔ اس کے باوجود بھی اگر اس نظام کی بہتری اور برتری کسی کو نظر نہ آئے، تو اس کے سوا کیا عرض کیا جا سکتا ہے۔

میں نے تو کیا پردۂ اسرار کو بھی چاک
دیرینہ ہے تیرا مرض کور نگاہی

مسئلہ صنعت وحرفت

اسلام ایک ایسا ہمہ گیر نظام حیات ہے جو ہر زمانے میں ترقی کی راہنمائی فرماتا ہے اپنے ماننے والوں کو سائنسی عملی اور تجرباتی دنیا میں آگے بڑھتے رہنے کا سبق دیتا ہے کسی بھی ملک کی کامیابی اور ترقی کا انحصار اس بات پر ہے کہ اس کی معاشی حالت بہتر بلکہ بہتر سے بہتر ہو اور معاشی بہتری کا حصول اس وقت تک ممکن نہیں جب تک

ملک کے ذرائع پیداوار مستحکم اور مضبوط نہ ہوں اور اس میں بھی کوئی شک و شبہ نہیں کہ ذرائع پیداوار میں صنعت کاری کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔

صنعت کاری کی اہمیت کا اندازہ قرآن و سنت کے مطالعے سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ قرآن کریم میں مذکور ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے بعض انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو صنعت کاری کی تعلیم سے نوازا اور انہیں صنعت کاری کا حکم فرمایا، چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام سے فرمایا۔ واصنع الفلک باعیننا و وحینا کہ تم ہماری نگرانی میں اور ہمارے حکم سے کشتی تیار کرو۔ ویصنع الفلک یعنی حضرت نوح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ارشاد سے کشتی بنانے لگے۔ کشتی تیار ہو گئی جس میں نوح علیہ السلام نے خود کو اپنے ماننے والوں کو سوار کر کے ہلاکت خیز طوفان سے بچا لیا۔

امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کی یہ کشتی اس قدر وسیع و عریض تھی کہ اس وقت کی مومن آبادی اور جانوروں کے جوڑے اس میں سما گئے۔ پھر نوح علیہ السلام کو کشتی تیار کرنے کا جو حکم ہوا اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ بذاتِ خود اپنے ہاتھوں سے اسے تیار کرتے بلکہ کاریگروں کے ذریعے تیار کرانا بھی اس حکم میں داخل ہے۔

اس واقعے کے بیان کرنے سے جہاں کئی ایک دوسری حکمتیں مضمر ہیں وہاں اس حقیقت کی طرف اشارہ بھی ہے کہ مملکت کے کارپرداز اور ذمے دار حضرات کو اپنے ملک میں ہر ایسی صنعت و حرفت کو عمل میں لانا اور پھیلانا چاہیئے جس سے ملک کے باشندوں کی جانی اور معاشی تحفظ کی صورت پیدا ہو۔ اگر اُس زمانے میں کشتی کی صنعت اسی غرض کے لئے ضروری تھی تو آج اس کا بدل دوسرے قسم کی صنعتیں ہیں جن کا وجود ملک اور اس

کے باشندوں کی بقا رکھنے کے لئے از حد ضروری ہو گیا ہے۔ نیز یہ بات واضح ہو کہ حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی تیار کرنے کا حکم اس وقت ہوا جب طوفان کا ابھی وہم و گمان بھی نہ تھا۔ جب آپ نے کشتی تیار کرنا شروع کی تو مخالفین آپ پر طعن و تشنیع کرنے لگے کوئی کہتا کہ یہ کیسے آدمی ہیں کہ پانی کا نام و نشان تک نہیں اور یہ اپنے آپ کو بلاوجہ زحمت میں ڈالے ہوئے ہیں اور کوئی یوں کہتا واہ "نبوت کرتے کرتے نجاری یعنی ترکھان پنا بھی کرنے لگے۔

علامہ بیضاوی فرماتے ہیں یقولون لا صرت نجارا بعد ما کنت نبیا کہ نبوت کے ساتھ اب ترکھان پیشے میں لگ گئے۔ لیکن آپ نے اس قسم کی باتوں پر کان دھرے بغیر اپنی ذمے داری پوری فرمائی اس میں یہ ارشادہ بھی ہے کہ مملکت کے سربراہوں اور بااختیار لوگوں کو نہ صرف موجودہ مشکلات سے قوم کو نجات دلانے کی فکر کرنا چاہیے بلکہ مستقبل میں پیش آنے والی متوقع مشکلات بھانپتے ہوئے ان سے نمٹنے کی قبل از وقت تیاری کر دینی چاہیئے اور اس سلسلے میں تمام حفاظتی تدابیر بروئے کار لانے سے دریغ نہ کرنا چاہیئے۔

صنعتی ترقی ہی ایک ایسی کامیاب تدبیر ہے جسے اختیار کرنے کے بعد ملکی مشکلات پر بہ احسن وجوہ قابو پایا جا سکتا ہے۔ پھر لوگوں کی طرف سے نوح علیہ السلام کو نجاری اور ترکھان پنے کے طعنے دینے سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اگر نوح علیہ السلام نے کارگیروں سے کشتی بنوائی ہو تاہم انہوں نے خود بھی عملی طور پر اس میں ضرور حصہ لیا ہو گا اس سے ہمیں اس بات کا درس دینا مقصود ہے کہ صنعتی ترقی میں مملکت کے ذمے دار افراد کو بذاتِ خود حصہ لینا اور خود جا کر صنعتی مراکز کا جائزہ لیتے رہنا

چاہیے تاکہ صنعتی کارکردگی بہتر سے بہتر ہو اور کام کی رفتار سست ہونے کی بجائے تیز تر ہوتی چلی جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد وباعیننا سے جس کے معنی ہیں۔ "ہماری نگرانی میں" اس بات کی تنبیہ ہے۔ ملک وملت کی فلاح وترقی کے جذبے سے جو صنعت کاری عمل میں لائی جاتی ہے۔ اس کا نگران اعلیٰ ملک وملت کا خالق ومالک خدائے قدوس ہے وہ صنعت کاروں کاریگروں اور کارکنوں کے نہ صرف عمل وکارگردگی کو خود دیکھ رہا ہے۔ بلکہ ہر ایک کی نیت، جذبے اور اخلاص سے بھی باخبر ہے۔

اگر کوئی صنعت کار ملکی اور ملی ترقی کے جذبے سے عاری ہو کر محض حصول زر اور نفس پروری کے خیال سے صنعت قائم کرتا ہے تو خدائے قدوس اس کے اس غلط جذبے سے بھی باخبر ہے اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ وہ صنعت کار دنیا میں کسی حد تک اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے۔ مگر اسے روز قیامت کسی بہتر جزا کی توقع نہیں رکھنی چاہیے۔ بلکہ اس کی بجائے ہو سکتا ہے کہ اسے خداداد صلاحیتوں کو رضائے الٰہی۔ ملکی اور ملی مفاد کے خلاف استعمال کرنے کی سزا بھی مل کر رہے۔ اسی طرح اگر کوئی کاریگر اور کارکن ملکی اور ملی جذبہ سے عاری ہو کر قومی واجتماعی مفاد کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی ذمہ داری کا حق ادا نہ کرے ہو سکتا ہے وہ دنیا کی بازپرس سے بچ رہے مگر خدائے قدوس جو اس کا نگرانِ اعلیٰ ہے وہ اس کی بازپرس سے تو نہیں بچ سکے گا۔ نیز اللہ تعالیٰ اس بات پر بھی بلاشبہ قادر تھا کہ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے ماننے والوں کو کشتی کے بغیر طوفان سے محفوظ رکھتا مگر اس کے باوجود انہیں کشتی کی صنعت کا حکم دینا اس بات کی

طرف اشارہ ہے کہ یہ جہان جسے ہم دنیا کے نام سے یاد کرتے ہیں عالم اسباب ہے اس لئے دنیا میں خیر اور شر، ترقی اور زوال کو اسباب و علل کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے گٹھلی اور دانے سے پودا تبھی اُگ سکتا ہے جب اسے زمین میں دبا دیا جائے پیاس بجھانے کو پانی، بھوک مٹانے کو کھانا اور مرض دُور کرنے کو دوا ایک خدا کا پیدا کردہ سبب ہے اسی طرح ملک و ملت کی ترقی کے لئے بھی اسباب پر نظر رکھنا قانونِ خداوندی کی تعمیل ہے۔ معاشی خوشحالی کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو اسباب بنائے ہیں، اُن میں سے صنعت کاری ایک اہم سبب ہے جسے نظر انداز کر کے کوئی قوم معاشی خوشحالی سے ہمکنار نہیں ہو سکتی۔

صنعت و حرفت کی دو قسمیں

صنعت و حرفت کی دو قسمیں ہیں ایک وُہ ہے جسے ہم معاشی خوشحالی کے لئے عمل میں لاتے ہیں اور یہ وہ فیکٹریاں اور کارخانے ہیں جن سے حاصل کردہ پیداوار ہمارے لباس، خوراک، سواری، مکانوں اور دفتروں کی تعمیر و ترقی میں کام آتی ہے اور جب ان کی پیداوار ملکی ضروریات سے زائد ہو جاتی ہے تو اسے ملک سے باہر بھیج کر زرِ مبادلہ بھی کمایا جا سکتا ہے۔ دوسری وُہ صنعت ہے جو ملک و ملت کی دفاعی اور جنگی ضروریات میں ہمیں مدد دیتی ہے، جن سے اسلحہ کی پیداوار حاصل کی جاتی ہے اسلحہ سازی کی صنعت کی اہمیت بھی اس بات سے واضح ہو جاتی ہے کہ اسے حضرت داؤد علیہ السلام نے بذاتِ خود اپنے دستِ اقدس سے شرف بخشا۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے (سورۃ انبیاء) ترجمہ یعنی ہم نے حضرت داؤد علیہ السلام کو تمہارے نفع کے لئے زرہ کی صنعت سکھلا دی تاکہ وہ تمہیں تمہاری

دشمن سے لڑائی میں بچا سکے۔ اس میں واضح کر دیا گیا ہے کہ ملک میں ایسی صنعتیں قائم کرنا جن سے ملکی خوشحالی کے علاوہ دفاعی ضروریات بھی پوری ہوں عین منشا الٰہی ہے جسے نظر انداز کر کے کوئی قوم اپنا وجود قائم نہیں رکھ سکتی۔

اور یہ بات بھی روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ صنعت کاری سنتِ انبیاء ہے اگر ہم قدیم تاریخ کا مطالعہ کریں تو یہ حقیقت تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ باقی نہیں رہ جاتا کہ صنعت کاری کے بہت سے شعبے انبیاء سابقین کے ہاتھوں معرضِ وجود میں آئے اور یہ کہ صنعت کاری کے متعدد شعبوں کا سلسلہ کسی نہ کسی نبی سے جاملتا ہے چنانچہ امام ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح بخاری میں فرماتے ہیں یعنی حضرت داؤد علیہ السلام کا پیشہ زرہ سازی۔ حضرت آدم کا کھیتی باڑی حضرت نوح کا بڑھئی۔ حضرت ادریس کا درزی اور حضرت موسیٰ علیہم السلام کا بکریاں چرانا تھا۔

امام ابو محمد حسین بن مسعود بغوی علیہ الرحمۃ اپنی مشہور تفسیر معالم التنزیل میں فرماتے ہیں۔ یعنی حضرت ادریس کو ادریس اس لئے کہتے ہیں کہ وہ آسمانی صحیفوں کا بکثرت درس دیا کرتے تھے آپ نے سب سے پہلے قلم سازی کپڑے سینے، کفار سے لڑنے کے لئے اسلحہ سازی کی صنعت اور علمِ حساب علم ستارگان کا فن بھی آپ نے ایجاد کیا۔ آپ سے پہلے لوگ چمڑے کو بطور لباس استعمال کرتے تھے۔

اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ صنعت کاری کی ابتداء کس قدر پہلے سے کی جا چکی ہے اور یہ کہ کوئی معاشرہ صنعت کاری کی ضرورت سے کبھی بھی بے نیاز نہیں رہا۔ نیز اس بات سے بھی صرفِ نظر نہیں کی جا سکتی کہ ملکی اور ملی ترقی کے

لئے جہاں معاشرہ کی معاشی خوشحالی کے سلسلے میں صنعتیں قائم کرکے انہیں زیادہ سے زیادہ فروغ دینا انبیاء سابقین کی سنت رہی ہے۔ وہاں ملک کی دفاعی ضروریات کے حصول اسلحہ سازی کی صنعتیں قائم کرکے انہیں زیادہ سے زیادہ عروج دینا بھی انبیاء علیہم السلام کا طریقہ رہا ہے۔ قرآن کریم میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ان سنتوں کا بیان کرنا اسی حکمت پر مبنی ہے کہ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ یعنی تم ان کی روش پر چلو" کے مطابق ہم بھی ہر طرح کی صنعتیں قائم کرکے ملک و ملت کی بھلائی کے تقاضے پورے کرتے رہیں۔

اقوام عالم سے مقابلے کا حکم

اس سلسلے میں اُمّت محمدیہ کو بھی واضح حکم دیا جاتا ہے کہ وَاَعِدُّوا لَهُم مَّا استَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ (انفال) یعنی تم سے جس قدر ہو سکے اقوام عالم کے مقابلے میں قوت تیار کرو۔ اس میں بڑی گہری حقیقت کی تعلیم ہے وہ یہ کہ اہل کفر دین اسلام اور اہل اسلام کے دشمن ہیں اور رہیں گے وہ تمہیں معاشی اور جنگی حربوں سے کمزور کرنے کی مسلسل کوشش جاری رکھیں گے۔ تمہیں بہرحال معاشی اعتبار سے اور سامانِ حرب و جنگ کی تیاری میں ان کا ڈٹ کر مقابلہ جاری رکھنا ہوگا۔ وہ ہر طرح کی صنعتیں قائم کرکے تمہیں اپنا دست نگر رکھنے کی بھرپور کوشش کریں گے۔ اس سلسلے میں تمہیں ہاتھ پر ہاتھ دھرے خاموش اور سُست نہیں نہایت ہوشیاری اور چستی کے ساتھ اپنے آپ کو سنبھالنا ہوگا اپنے پاؤں پر کھڑے ہونا ہوگا ان کے آگے دستِ نگر ہونے اور ان سے امداد و اعانت کی بھیک مانگنے بغیر اپنی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لانا ہوگا۔ ملی حمیت و غیرت کا دامن تھامے ہوئے

اپنی علمی، ادبی اور تجرباتی قوت صرف کر کے غیروں کا حسن و خوبی کے ساتھ مقابلہ کرنا ہوگا
قوۃ نکرہ ہے جو ماتحت نفی کے تحت واقع ہو کر عموم کا فائدہ دے رہا ہے۔ پھر من مزید
استغراق و احاطے کے لئے لا کر ہمیں اس بات کا سبق دیا جا رہا ہے کہ تمہیں دشمنانِ
اسلام کے مقابلے کے لئے معاشی اور جنگی ضروریات کے حصول کے لئے ہر طرح
کی صنعتیں قائم کر کے اپنی قوت کا خوب مظاہرہ کرنا چاہیئے تاکہ تمہیں اپنی
قائم کردہ صنعتوں کے بل بوتے پر بے نیازی کی دولت میسر ہو اور اغیار کے آگے
دست سوال دراز کرنے کی قطعاً ضرورت نہ پڑے۔

صنعتی ترقی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اپنے ماننے والوں کو خدا تعالیٰ کا یہ پیغام پہنچایا اور ساتھ ہی
صنعتی کام میں دلچسپی لینے کے فضائل بیان فرمائے تو مسلمانوں نے صنعتی کاموں میں
خوب محنت کی اور روز بروز صنعت کاری میں ترقی کرتے چلے گئے شاید ہی کوئی
فن ایسا ہو جس کی طرف مسلمانوں نے توجہ نہ دی ہو۔ معاشی خوشحالی سے متعلق صنعت
حرفت میں نہ صرف وہ خود کفیل ہونے کی منزل کی طرف رواں دواں ہو گئے بلکہ
جنگی تیاری میں بھی انہوں نے ترقی کے منازل خوب طے کئے۔ تلوار سازی اور نیزہ
تیر کی ایجاد و ساخت میں وہ آگے نکل گئے۔ معاشی فلاح و بہبود سے متعلق تمام ذرائع
بروئے کار لائے اور سامان حرب و جنگ بھی نئے سے نئے ایجاد کئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد خلفائے راشدین کے عہد خلافت
میں وہ صنعتی ترقی فرماتی جوان کے مد مقابل غیر مسلم اقوام کے خواب و خیال تک میں

نہ تھی حضرت امیر معاویہؓ نے بیڑا تیار کرایا اور ان کے ذریعے سے فتوحات کا سلسلہ وسیع ہوتا چلا گیا۔ محمد بن قاسم کے زمانہ میں منجنیق یعنی توپ بھی مسلمان کاریگروں نے تیار کر کے صنعت کاری میں ایک اور سنہری باب کا اضافہ کیا اس صنعت کاری کو عروج و ترقی سے ہمکنار کر کے مسلمانوں کو وہ معاشی خوشحالی نصیب ہوئی کہ ہر شخص خوشحال اور فارغ البال نظر آتا ہے۔

مسلمانوں کی صنعت کاری کے سلسلے میں ترقی کا سلسلہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا حتیٰ کہ افریقہ و یورپ تک ان کی صنعتی ترقی سے اکتساب فیض کرنے لگے۔ آج ہم یورپ و مغرب کے اقوام میں جو صنعتی ترقی دیکھتے ہیں دراصل یہ قرونِ اُولیٰ کے مسلمان کاریگروں کا چشمہ فیض ہے جو نہ صرف یورپ و مغرب کے اقوام کو ارتقائی انداز میں سیراب کر رہا ہے بلکہ پورے اکناف و اطراف عالم کے لوگ اس سے مستفید ہو رہے ہیں مگر طریق کار میں جدت کی بدولت دیکھنے والے کو مغالطہ لگتا ہے کہ یہی لوگ ہی ان صنعتوں کے خالق و موجد ہیں۔

عرب مسلمانوں کے فہم و ذہانت اور ان کی علمی و عقلی استعداد کا لوہا اقوام عالم کے اکثر و بیشتر مفکرین نے تسلیم کیا ہے انہوں نے اپنی تقریر و تحریر میں اس حقیقت کا کھلے دل سے اعتراف کیا ہے کہ عرب مسلمان علوم و فنون اور صنعت و حرفت میں اہل فرنگ و ارباب مغرب سے بدرجہا فائق تھے آج عرب ممالک کی بوسیدہ اور پرانی و قدیم عمارات و صنعات اور یورپ و مغرب کی جدید صنعتوں کا موازنہ کیا جائے تو یہ بات ڈھکی چھپی نہیں رہتی کہ یورپ و مغرب کی جدید صنعتیں عرب کے قدیم صنعتی شاہکاروں کی نقل معلوم ہوتی ہے۔

پھر عرب کے کاریگروں کے بعد برصغیر کے مسلمان کاریگروں کی صنعتی ترقی نے نہ صرف سبقت حاصل کی بلکہ اس سے اقوام عالم سراپا استعجاب ہو کر رہ گئیں۔
آج بھی مسلمان کاریگروں کی کمی نہیں ہے اپنے ملک میں اگر انہیں خدمت کا صحیح موقع فراہم کیا جائے اور ان کی حوصلہ افزائی کی جائے تو صنعتی ترقی کے سلسلے میں ہم آج بھی دنیا کو پیچھے چھوڑ سکتے ہیں۔
خلاصہ یہ ہے کہ آج وقت کا اہم تقاضا ہے کہ ہم صنعت کاری کے میدان میں اپنی تمام قوت و صلاحیت عمل میں لا کر اپنے ملک کو ایک مثالی ترقی یافتہ مملکت کے طور پر دیکھ سکتے ہیں اس سلسلے میں ضروری ہے کہ ہم غیر ضروری کاموں اور لایعنی مشاغل پر ملک کی دولت کو لگانے کی بجائے ایسے صنعتی ادارے قائم کرنے پر صرف کرتے ہوئے زیادہ سے زیادہ صنعت کاری کو اپنائیں۔ انشاء اللہ اس سے ہم غیروں کے محتاج ہونے اور ان کے حضور دستِ سوال دراز کرنے کی بجائے اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکتے ہیں۔ یہی ہمارے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت ہے اور یہی ہماری دینی حمیت و غیرت کا مقتضی ہے۔

سُود کا خاتمہ

خداوند قدوس اپنے کلام میں ارشاد فرماتا ہے۔
(ترجمہ) جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (اپنی قبروں سے) ایسے اٹھیں گے جس طرح وہ شخص اٹھتا ہے جسے شیطان (آسیب) نے چھو کر باؤلا کر دیا۔ یہ اس لئے ہے کہ انہوں (سُود خوروں) نے کہا کہ بیع سود کی طرح ہے حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام ٹھہرایا ہے تو جسے خدا کی طرف سے نصیحت پہنچی اور وہ

(آئندہ کے لئے سود سے تائب ہو کر) باز آگیا تو گزر چکا، اسے معاف ہے اور اس کا معاملہ خدا کے سپرد ہے اور جو پھر ایسا کریں وہ دوزخی ہیں، وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے اور اللہ سود (میں بے برکتی ڈال کر اس) کو مٹاتا اور صدقات (حلال کمائی) کو بڑھاتا ہے اور ناشکرے گنہ گار کو خدا پسند نہیں کرتا (القرآن)

دوسرا ارشاد ہے:

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ تمہارا (کسی کے پاس) سود رہ گیا ہے، اسے چھوڑ دو، اگر تم مسلمان ہو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا، تو ہم تمہیں اپنا اعلانِ جنگ سناتے ہیں! خدا اور رسول سے جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ اور اگر توبہ کرو تو تمہیں تمہارا اصل مال (مقروض سے) ملے گا نہ تم دوسروں پر ظلم کرو اور نہ ہی کوئی دوسرا تم پر ظلم کرے۔ (القرآن)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

(ترجمہ) سود لینے، دینے، سود کا کاغذ لکھنے اور اس پر گواہ ہونے والے پر لعنت اور فرمایا کہ یہ سب کے سب گناہ میں برابر ہیں۔ (رواہ مسلم)

ابن ماجہ اور بیہقی شریف میں مروی ہے:

(ترجمہ) سود کے گناہ کے ستر درجے ہیں، ان میں سب سے کم درجہ اپنی ماں سے نکاح کرنے کے برابر ہے۔

اسی طرح ابن ماجہ اور مسند امام احمد بن حنبل میں ہے، آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم فرماتے ہیں:

(ترجمہ) معراج کی رات کو کچھ ایسے لوگوں پر سے میرا گزر ہوا جن کے پیٹ مکان کی طرح بڑے بڑے تھے، ان پیٹوں میں زہریلے سانپ اور بچھو تھے جو باہر سے نظر آرہے تھے، جبرائیل نے بتایا کہ یہ سود خوار ہیں۔

سود برابر برابر

حضرت عبادہ بن صامت فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

سونا سونے کے بدلے، چاندی چاندی کے، گیہوں گیہوں کے، جو، جو کے، کھجور، کھجور کے اور نمک، نمک کے بدلے میں برابر برابر (مثلاً بمثل) اور دست بدست (ادھار کے بغیر) بیچ سکتے ہو اور جب جنس مختلف ہو تو جیسے چاہو، بیچو جب کہ دست بدست ہو (صحیح مسلم شریف)

مجتہدینِ امت نے اس حدیث صحیح کو جس کی صحت و شہرت درجہ تواتر تک ہے تجارتی کاروبار میں ربا (سود) سے متعلق اساس و بنیاد قرار دیا ہے اور اپنے اجتہاد سے ان وجوہ کی تحقیق و تفتیش کی ہے جن کا وجود اس قسم کے معاملات میں حدیث میں بیان کردہ شرائط کی خلاف ورزی سے ربا (سود) کا باعث بنتا ہے۔ اس کی تفصیل عنقریب آتی ہے۔

ازالہ شبہ

رہا یہ سوال قرآنِ کریم نے تو سود کی اس شکل کو منع کیا ہے جو اضعاف مضاعف سود در سود ہو، تھوڑے سے سود کی حرمت کی کوئی دلیل شرعی نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ اضعاف مضاعف قید واقعی ہے نہ کہ قید احترازی۔

جب سود کو منع کیا گیا، اس وقت چونکہ اضعاف مضاعف سود در سود کی صورت رائج اور وقوع پذیر تھی، اس لیے یہ قید شامل ہو گئی، ورنہ سود بہر صورت ممنوع ہے خواہ سود در سود ہو یا تھوڑا سا ہو، چنانچہ سنت کی روشنی میں واضح ہے، موطا شریف میں ہے:

لَا یَجُوْزُ مِنْہُ قَلِیْلٌ وَّلَا کَثِیْرٌ (موطا امام مالک ج ۲، صہ ۱۷۵) — یعنی سود کسی طرح بھی جائز نہیں نہ تھوڑا اور نہ زیادہ

نفع کی شرط سے قرض حرام

نفع کی شرط سے قرض لینا دینا حرام ہے اور سود قرار پاتا ہے

حضرت فضالہ بن عبید اور حضرت علی رضی اللہ عنہما آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں، آپ نے ارشاد فرمایا:

کُلُّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفَعَۃً فَھُوَ وَجْہٌ مِنْ وُجُوْہِ الرِّبٰوا (بیہقی عن فضالہ ج ۵ صہ ۳۵ بیوع وجامع صغیر عن علی ج ۲ - صہ ۹۳) — یعنی جس قرض میں قرض دہندہ کیلئے نفع کی شرط ہو، وہ سود ہی کی ایک قسم ہے۔

قرض واپس کرتے ہوئے کچھ زیادہ دینا جائز ہے

ابھی بتایا جا چکا ہے کہ قرض دیتے ہوئے نفع لینے کی شرط شامل کرنا جائز نہیں ہے ہاں اگر مقروض اپنی مروت و حسن سلوک کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی مرضی سے قرض خواہ کو کچھ زیادہ دیدے تو جائز ہے اور قرض خواہ کا اسے قبول کر لینا بھی جائز ہے چنانچہ صحیح بخاری شریف میں ہے۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا قرض واپس کرتے ہوئے اپنی طرف سے کچھ زیادہ دے دیا۔ حضرت جابر کے الفاظ میں فقضانی وزادنی کہ حضور نے میرا قرض مجھے ادا کیا اور کچھ زائد بھی دیا (صحیح بخاری ج ا صہ ۶۳)

قرض بلا سود کا ثواب

حاجت مندوں کو بلا قرض سود دینا اسلام کے نزدیک بہترین عبادت ہے حدیث شریف میں ہے کہ قرض دینے والے کو اس وقت تک قرض دی گئی رقم کے برابر روزانہ راہ خدا میں خیرات کرنے کا ثواب ملتا رہتا ہے، جب تک کہ مقروض قرضہ واپس نہ کر دے۔

مجبوری کی صورت میں سود دینا (غیر ملکی قرضے اور سود)

اگر ایک شخص اس قدر مجبور ہے کہ کنبہ کے لئے سر چھپانے کو مکان میسّر نہیں یا بھوکوں مرنے کا اندیشہ ہے خرچ نہیں اور نہ ہی اسے قرض بلا سود ملتا ہے، تو اس صورت میں وہ قرض لے کر اپنی ضرورت شدیدہ پوری کر سکتا ہے۔ اسے سود دینے کا گناہ نہ ہوگا، ہاں سود لینے والا مبتلائے معصیت ہو گا۔ اسی طرح اگر کسی ملک کی معیشت اس قدر کمزور ہے یا کسی بلا و آفت سے تباہ و برباد ہوگئی ہے کہ وہاں کے باشندے بھوکوں مرنے لگے ہیں اور مبتلائے فاقہ ہو رہے ہیں اور اس ملک کو کہیں سے بغیر سود کے قرض نہیں ملتا، تو وہ بقدر ضرورت سود پر قرض لے سکتا ہے۔" چنانچہ امام ابن نجیم متوفی ۹۷۰ھ حنفی "فرماتے ہیں:

اور حاجت شرعیہ کے وقت سود دینے کی اجازت ہے،

یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح۔ الاشباہ والنظائر صہ ۹۲۔

چنانچہ درمختار کہ حاجت شرعیہ کے وقت حاجت مند نفع کی شرط پر قرض مانگ سکتا ہے (ہکذا فی الشامی ج ۵ صہ ۲۸۰)

اور فتاوی شامی میں ہے۔ قاعدہ فقہیہ ہے الضرورات تبیح المحظورات کہ ضرورت شرعیہ صاحب ضرورت کے حق میں ممنوع کو جائز کر دیتی ہے کا یہی مطلب ہے اور اس کی یہی صورت ہے اور یہ قاعدہ سورۃ بقرہ کی آیت ۱۷۳ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ سے ماخوذ ہے۔ اشد مجبوری میں غیر ملکی قرضوں پر سود دینے کا جواز بھی اس میں داخل ہے، لیکن اگر ہم کفایت شعاری اور قناعت کے ساتھ اپنے ملکی وسائل سے صحیح فائدہ اٹھائیں، تو ہمیں انشاءاللہ تعالیٰ فرنگیوں کے آگے دست سوال دراز کرنے کی حاجت ہرگز نہ ہوگی۔ خدا تعالیٰ نے ہمارے وطن عزیز میں بے بہا خزانے ودیعت فرمائے ہیں۔ فطرت شناس اور صاحب بصیرت قیادت ملکی وسائل کو بروئے کار لا کر اسی ارض پاک سے تمام ضروریات حاصل کر سکتی ہے۔

خدا اگر دل فطرت شناس دے تجھ کو
سکوت لالہ و گل سے کلام پیدا کر
اٹھا نہ شیشہ گران فرنگ کے احسان
سفال پاک سے مینا و جام پیدا کر

فلسفہ حرمتِ سود

اس کائنات کی آبادی کے امن و سکون اور راحت و آرام کا دار و مدار اس بات پر ہے کہ انسان آپس میں اخوت و ہمدردی اور حسنِ معاشرت سے نبھائیں اور کسی طمع و لالچ کے بغیر باہمی ایثار و اخوت سے کام لیں، لیکن سود خوار انسان روپیہ دولت کے نشہ میں ایسا مست ہوتا ہے کہ وہ انسانی اخلاق و مروت اور ہمدردی سے خالی ہوتا ہے۔ دوسروں کو برباد کر کے اپنے مفاد کا حصول اس کی زندگی کا نصب العین بن جاتے ہیں۔ وہ ہر وقت اسی تگ و دو میں پاگل بن کر پھرتا رہتا ہے۔ ضرورت مندوں، محتاجوں اور بے کسوں کی حالتِ زار دیکھنے سے اندھا اور ان کی آہِ سرد کو سننے سے بہرہ بن جاتا ہے، اس کا دل پتھر سا سخت ہو جاتا ہے اور یہ چیز اس جذبۂ ایثار کے لئے زہر قاتل ہے جس پر انسانی معاشرہ کی عمارت قائم ہے، اس لیے اسلام میں سود کو حرام قرار دیا ہے ؎

یہ کافی نہیں، کافی سے کم بھی نہیں
کہ مردِ مسلم ہو مبتلائے ذوقِ سود

نیز بیع میں بائع و مشتری (بیچنے اور خریدنے والے) کے درمیان مندرجہ ذیل تین اصول کارفرما ہوتے ہیں۔

۱۔ دونوں طرف سے ارادی (دلی خوشی کے ساتھ) رضا و رغبت
۲۔ باہمی تعاون و اشتراک۔
۳۔ دونوں کے لئے منفعت کا حصول۔

اور ظاہر ہے کہ یہ تینوں اصول قانون و اخلاق و انسانی ہمدردی و جذبہ

اخوت اور علمِ معیشت کی نظر میں صحیح اور درست ہیں اور سود میں اس کے برعکس تین اصول جاری ہیں۔

۱- ایک طرف سے رضا و رغبت اور دوسری طرف سے مجبوری و اضطرار
۲- ایک کے یقینی ضرر و نقصان پر دوسرے کے نفع کا مدار۔
۳- باہمی تعاون اور اشتراک کا فقدان۔

اور ظاہر ہے کہ یہ تینوں اصول قانون و اخلاق و انسانی ہمدردی و جذبۂ اخوت اور علمِ معیشت کی نظر سے ہرگز لائق تحسین نہیں، بلکہ قطعاً غلط اور لائق نفرین ہیں ظاہر ہے کہ دینِ اسلام جو دینِ فطرت ہے، اس غیر فطری کاروبار کیلئے اجازت دے سکتا ہے۔ اسلام نے اس لئے سود کو حرام قرار دیا ہے کہ اس کی حرمت ایک فطری تقاضا ہے، اسی میں حیاتِ حقیقی کا راز مضمر ہے۔

دیں مسلکِ زندگی کی تقویم
دیں سِرِّ محمد و براہیم

مسئلہ سُود میں ایک بنیادی قاعدہ

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث مذکورہ سے

مجتہدین کرام نے مسئلہ سُود میں ایک بنیادی قاعدہ و ضابطہ اخذ کیا ہے جسے پیشِ نظر رکھنے کے بعد عند الضرورت فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے، وہ یہ کہ دونوں طرف سے خرید و فروخت کی شیئ اگر ہم جنس ہوں اور ماپ تول سے بکتی ہوں، مثلاً سونا سونے کے عوض، چاندی چاندی کے، گیہوں گیہوں کے، جو جو کے، نمک نمک کے اور کشمش، کشمش کے عوض لی، دی جاتے تو کھوٹے کھرے، منقوش و غیر منقوش،

قیمت و بیش قیمت اور عمدہ و ردی کے لحاظ کے بغیر دونوں طرف سے ماپ تول میں برابری اور نقد خریداری ضروری ہے نہ کمی بیشی جائز ہے اور نہ ہی ادھار درست ہے۔ اگر ایک چیز زائد اور دوسری چیز کم ہو، تو یہ سود ہوگا اور اسے ربا الفضل کہتے ہیں اور اگر ایک چیز اسی وقت دی جائے اور دوسری کے بعد میں دینے کا وعدہ کیا جائے، تو یہ بھی ناجائز ہے اور اسے ربا النسیئہ (ادھار کا سود) کہتے ہیں

ہم جنس کا مطلب

ہم جنس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں چیزوں کا نام بھی ایک ہو اور کام و مقصد بھی ایک تو وہ ایک ہی جنس کہلائیں گی اور اختلاف جنس، اصل مقصد اور وصف کے اختلاف (مختلف ہونے) سے متحقق ہوتا ہے (الدر المختار مع الشامی ج ۵ صد ۱۸۳)

جیسے گیہوں اور جو، کپڑے کی قسمیں، لوہا، پیتل، تانبا، سیسہ، اون، ریشم، سوت، گائے، بکری، بھیڑ اور دنبہ کا گوشت اور روغنیات سب مختلف جنسیں ہیں، لیکن کھجور سب ایک جنس ہے (ملاحظہ ہو فتاوی شامی ج ۵ صد ۱۷۴)

اگر دو چیزیں غیر جنس ہوں، مگر تولی، ماپی جاتی ہوں، تو اس صورت میں ایک طرف سے زیادہ اور دوسری طرف سے کم ہو تو جائز ہے، مگر ادھار حرام۔ اسی طرح ایک جنس کپڑے کے ایک تھان کو دوسری جنس کے دو تھان کے عوض بیچا یا گندم کا ایک من دو من جو کے عوض بیچا، تو دست بدست جائز ہے، ادھار پر جائز نہیں اور نہ ہی ماپی تولی جاتی ہیں اگرچہ دو میں سے ایک ماپی یا تولی جاتی ہے تو ایسی صورت میں زیادتی اور ادھار دونوں جائز ہیں۔ مثلاً ایک طرف سے گندم یا کپڑا اور دوسری طرف سے قیمت کہ یہاں جنس بھی بدل گئی اور قدر بھی۔

(ماپ تول دونوں میں نہیں، ایک میں ہے) تو یہاں زیادتی اور ادھار جائز ہیں کہ ایک طرف سے دو من اور دوسری طرف سے ساٹھ روپے یا ایک طرف سے ایک تھان اور دوسری طرف سے پچاس روپے نقد اور ادھار دونوں جائز ہیں کما ہو مفصل و مدلل فی کتب الفقہ ؎

بگیر ایں ہمہ سرمایۂ بہار از من
کہ گل بدست تو از شاخ تازہ تر ماند

سود سے بچنے کی تدابیر

آج کل سود کی اس قدر کثرت ہے کہ قرض حسنہ (قرض بلا سود) کوئی شاذ و نادر ہی دیتا ہے، لوگ دولت کی ہوس اور دنیا پرستی میں اس قدر آگے بڑھ چکے ہیں کہ نفع کے بغیر قرض دینا ہی نہیں چاہتے اور ضرورت مند بھی اگرچہ اس قدر شرعی مجبوری میں مبتلا نہیں ہوتے کہ ان کے لئے اس حالت میں ایک حرام جائز ہو جائے، بلکہ لڑکے لڑکی کی شادی ختنہ اور دیگر تقریبات میں اپنی وسعت سے زیادہ خرچ کرنا چاہتے ہیں اور برادری و خاندان کے رسوم میں اس قدر جکڑے ہوئے ہیں کہ جس قدر نصیحت کی جائے، ایک نہیں سنتے، رسم و رواج میں کمی کرنے کو اپنی ذلت محسوس کرتے ہیں۔ ایسے مسلمان بھائیوں سے پہلے تو یہ گذارش ہے کہ ان رسوم و تکلفات سے بچیں، چادر سے زیادہ پاؤں نہ پھیلائیں، دنیا و آخرت کے تباہ کن نتائج و عذاب سے ڈریں، مصنوعی سی عزت یا برادری میں نام و نمود کا خیال کر کے آخرت کی زندگی کو تلخ نہ بنائیں، لیکن اس کے باوجود اگر باز نہیں آتے تو عذاب الٰہی سے بچانے کی ہمدردی کے پیش نظر ہم کچھ طریقے عرض کرتے ہیں کہ مجبوری

کی صورت میں سود لینے دینے کی بجائے اگر ان پر عمل کریں، تو وہ یقیناً خدا تعالیٰ کے قہر و غضب سے بچ سکیں گے اور مطلب بھی پورا ہو جائے گا۔ لین دین کی صورت و نوعیت میں ترمیم و تبدیلی کرنا پڑے گی کہ جواز و عدم جواز لین دین کی نوعیت پر موقوف ہوتا ہے۔

نوعیت کے بدل جانے سے عقد کا حکم بدل جاتا ہے

اس سلسلے میں صحیح مسلم کی دو حدیثیں دلیل کے طور پر کافی ہیں، چنانچہ حضرت ابوہریرہ و ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری کو خیبر کا حاکم بنا کر بھیجا تھا، وہ خیبر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اچھی سی کھجوریں لائے، آپ نے اس سے دریافت فرمایا کہ کیا خیبر کی سب کھجوریں ایسی ہوتی ہیں؟ انہوں نے عرض کی کہ نہیں یا رسول اللہ! ہم ہلکی کھجور کے دو صاع کے بدلے ان کھجوروں کا ایک صاع اور تین صاع کے بدلے دو صاع لیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ایسا نہ کرو۔ معمولی کھجوروں کو پیسوں سے بیچ کر اس قسم کی اچھی کھجوریں خرید کرو اور تول کی چیزوں میں بھی ایسا ہی فرمایا۔ (صحیح مسلم ج ۲ صہ ۲۶ طبع کراچی)

اسی طرح حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں برنی کھجوریں لائے آپ نے ارشاد فرمایا کہاں سے لائے ہو؟ عرض کی کہ ہمارے ہاں خراب کھجوریں تھیں

وہ دو صاع دیکر ان کا ایک صاع لیا تا کہ آپ تناول فرمائیں۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ افسوس یہ تو بالکل سود ہے، ایسا نہ کرنا، ہاں اگر ان کے خریدنے کا ارادہ ہو تو اپنی کھجوریں بیچ کر ان کے پیسوں سے یہ خرید لو۔ حضرت ابو سعید خدری کی ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا۔

فَرُدُّوْهُ ثُمَّ بِیْعُوْا تَمْرَنَا وَاشْتَرُوْا لَنَا مِنْ ھٰذَا۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۷)	یعنی یہ کھجوریں انہیں واپس کر دو، پھر ہماری کھجوریں بیچو اور ہمارے لئے اس قسم کی کھجوریں خرید لاؤ۔

اس سے معلوم ہوا کھجوریں سب کی ایک جنس ہیں کہ ان میں کمی بیشی پر تبادلہ جائز نہیں۔ ان حدیثوں سے اور بھی کتنی ایک معاشی مسائل نکل آئے۔ ایک تو یہ کہ سود کی بیع کا فسخ کرنا واجب ہے کہ رُدُّوْہُ امر ہے اور امر وجوب کو مفید دوسرا یہ کہ خریدی ہوئی چیز واپس کرنے پر اس کے مقابلے میں دی ہوئی چیز (ثمن) واپس کی جائیگی۔ تیسرا یہ کہ سود سے بچنے کو ایک ہی شخص سے دو بار لین دین کیا جاسکتا ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادِ گرامی میں اس کے خلاف کوئی شرط نہیں فرمائی۔ کما افادہ الامام النووی رحمتہ اللہ علیہ چوتھا یہ کہ عقد کی نوعیت کے بدل جانے سے عقد کا حکم بدل جاتا ہے۔ ان حدیثوں سے واضح ہوتا ہے کہ بات وہی ہے کہ عمدہ اور بڑھیا کھجوریں بیچ کر پیسوں سے اچھی کھجوریں خریدیں، تو جائز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام قاضی خان علیہ الرحمتہ اپنے فتاویٰ شریفہ میں سود سے بچنے کی وہ صورتیں جو ہم نقل کرنے لگے ہیں، بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں وَمِثْلُ ھٰذَا مَرْوِیٌّ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم

(فتاویٰ امام قاضی خان هامش فتاویٰ عالمگیری ج ۲ ص ۲۷۹)

اور سود سے بچنے کی وہ صورتیں اور تدابیر مندرجہ ذیل ہیں:

سود سے بچنے کی تدبیر اگر کوئی شخص کسی کو کچھ میعاد کے لئے مثلاً دو روپے نفع پر دس روپے قرض دینا چاہتا ہے، تو مقرض (قرض دینے والا) مستقرض (قرض لینے والے) سے دس روپے کی کوئی چیز خرید کر اسے دس روپے دے دے، پھر اس چیز کو اپنے قبضہ میں لے لے اور اس چیز کو مستقرض کے ہاتھ طے شدہ میعاد تک ادھار پر بارہ روپے میں بیچ دے، اس سے مقرض کے مستقرض کے ذمہ دس روپے کی جگہ بارہ روپے ہو جائیں گے، اس میں دو روپے نفع کے ہو گئے اور اس طرح سے سود سے بھی بچ گئے۔

دوسری تدبیر مقرض اپنی کوئی چیز مثلاً ایک سو دس روپے میں مستقرض کے ہاتھ بیچ کر اس کے قبضہ میں دے دے پھر مستقرض اس شیئ کو کسی اور کے ہاتھ ایک سو روپے میں بیچ کر اس کے قبضہ میں دے دے پھر مقرض اس دوسرے شخص سے اسی چیز کو سو روپے میں خریدے اور وہ دوسرا شخص مقروض سے سو روپے لے کر مستقرض کو دے دے۔ اس طرح سے مقرض کی چیز اس کے پاس واپس آگئی، مگر مستقرض کے ذمہ مقروض کے ایک سو دس روپے لازم اور واجب الادا ہے (قاضی خان مع عالمگیری ج ۲ ص ۲۷۹)

تیسری تدبیر مقرض اپنی کوئی چیز مستقرض کے ہاتھ مثلاً تیرہ روپے چھ ماہ کی مدت کے ادھار پر بیچ دے پھر اس کے

قبضہ یا بعد قبضہ بیع کا اقالہ کر کے اس چیز کو مقرض کے ہاتھ دس روپے میں بیچ کر اس سے دس روپے لے لے، اس سے مقرض کی چیز بھی واپس آگئی اور راستے میں روپے نفع کے مل گئے اور مستقرض کا کام بھی ہو گیا، سود بھی نہ ہوا، لیکن افسوس کہ مسلمان دین فطرت کی ایسی تدابیر سے غافل رہ کر سود ایسی لعنت میں مبتلا ہیں ؎

افسوس صد افسوس کہ شاہیں نہ بنا تو
دیکھے نہ تیری آنکھ نے فطرت کے اشارات

چوتھی تدبیر

ایک اور تدبیر ہے جس کو اختیار کر کے حصولِ مقصد کے باوجود سود سے بچا جا سکتا ہے، وہ یہ کہ مقرض اپنی کوئی چیز مستقرض کے ہاتھ ایک مدت کے لئے ادھار پر بیچ دے اور اس کے قبضہ میں دے دے، پھر اسی چیز کو مستقرض خرید کردہ قیمت سے کم قیمت پر کسی دوسرے شخص کے ہاتھ بیچ دے اور وہ اسی چیز کو خرید کردہ قیمت پر مقرض کے ہاتھ بیچ دے اور مقرض سے قیمت لے کر مستقرض کو دے دے، اسی طرح سے مستقرض کو قرض مل جاتا ہے اور مقرض کی چیز مقرض کو واپس مل جاتی ہے اور سود کی معصیت میں پڑے بغیر مقرض کو نفع بھی حاصل ہو جاتا ہے امام قاضی خان علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں کہ اس تدبیر کا امام محمد علیہ الرحمتہ نے ذکر کیا جسے بیع العینہ کہتے ہیں اور موصوف مشائخ بلخ سے ناقل ہیں، انہوں نے فرمایا یہ بیع العینہ ہمارے زمانے کے بازار میں مروجہ بیوع سے بہتر ہے اور امام ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

العینۃ جائزۃ ماجورۃ و قال اجرۃ لمکان الفرار من الحرام (فتاوی خان مع عالمگیری ج ۲ ص ۲۷۹ / ۲۸۰ مصری)

کہ بیع العینہ جائز ہے، اس کا ثواب ملے گا اور ثواب اس لئے ملے گا کہ سود ایسے حرام سے بچنے کے لئے اسے اختیار کیا گیا۔

پانچویں تدبیر

مقرض اپنی چیز کو مستقرض کے ہاتھ بیچے۔ مثلاً مستقرض کو اگر سو روپے ضرورت ہیں تو اسے سو روپے کی چیز اتنی قیمت پر جتنا اسے سو روپے پر نفع درکار ہو۔ مثلاً سو روپے پر دس روپے نفع چاہتا ہو، تو اسے مقررہ مدت تک ادھار پر سو روپے میں بیچ دے پھر مستقرض اسے بازار میں ایک سو روپے پر فروخت کرکے اپنے سو روپے کھرے کرے، پھر اختتام مدت پر مقرض کو ایک سو دس روپے ادا کرے (بہار شریعت ج ۱۱ ص ۱۵۷)

چھٹی تدبیر

یہ تدبیر فقہ شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی رو سے ہے جیسے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ شرح صحیح مسلم میں فرماتے ہیں:

واحتج بهذا الحديث اصحابنا وموافقوهم في ان مسئلة العينة ليست بحرام وهي الحيلة التي يعملها بعض الناس توصلا الى مقصود الربا بان يعطيه

کہ ہمارے حضرات شوافع اور ان کے ہمنوا علماء نے اس حدیث سے اس میں استدلال کیا ہے کہ بیع العینہ حرام نہیں، اور بیع العینہ اس تدبیر کو کہتے ہیں جسے لوگ (سود سے بچنے کے لئے)

مِائَةَ دِرْهَمٍ بِمِائَتَيْنِ فَيَبِيْعَهُ ثَوْبًا بِمِائَتَيْنِ ثُمَّ يَشْتَرِيْهِ مِنْهُ بِمِائَةٍ۔

(شرح الامام النووی علی الصحیح المسلم ج ۲ ص ۲۶)

سود کے مقصود (نفع) تک رسائی کے لئے اختیار کرتے ہیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص کسی ضرورت مند کو دو سو روپے کے بدلے ایک سو روپے دینا چاہتا ہے، تو اس کے ہاتھ دو سو روپے میں ایک کپڑا بیچ کر پھر اسی کپڑے کو اس شخص سے ایک سو روپے میں خرید کر لے۔

بینک اسلام نے حرمتِ سود سے متعلق جو اصول قائم کئے ہیں، عام سودی لین دین کے علاوہ دورِ جدید کے وُہ ترقی یافتہ ادارے اور کمپنیاں بھی اس حرمت کے تحت آجاتی ہیں جن کا مدار سودی لین دین پر ہے، چنانچہ ان میں سے ایک ادارہ بنکنگ سسٹم ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بڑی بڑی تجارتوں کی سہولت و نیز دولت کے ذخیرہ کی حفاظت اور ان سے مزید زرکشی و حصولِ نفع کے لئے اس ترقی یافتہ دور میں بینکوں کا وجود نہایت ضروری ہے لیکن خوشنما تصویر میں جو خطرہ کارفرما ہے، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں اور وہ یہ کہ ملکی معیشت کو تباہ و برباد کرنے اور دولت مندوں کو مزید دولت مند اور غریبوں کو مزید غریب بنانے میں ان بینکوں نے بنیادی کردار ادا کیا ہے، اور کر رہے ہیں۔ بینک خوبصورت طریقے سے دولت کو دولت مندوں میں محدود کرتے اور عوام کی غربت کو ہولناک اور تباہ کن حد تک پہنچاتے ہیں۔ تہذیبِ نو کے اس جال کو جو بینک کے نام سے بچھا ہوا ہے۔ دورِ قدیم کی مہاجنی ہنڈیوں کے بیوپار کی ایک نئی تصویر قرار دینا بہتر ہو گا۔ سرمایہ داروں کی تجوریاں

بھرنے اور غریبوں کی تمنا کے خون کرنے کا کردار یہی بنک ادا کر رہے ہیں ؎

قصاصِ خونِ تمنا کا مانگیے کس سے؟
گنہ گار ہے کون اور خون بہا کیا ہے؟

کوآپریٹو سوسائٹیاں

بنک کے طریقہ کی دوسری صورت ہے جسے کوآپریٹو سوسائٹی (مجلسِ امدادِ باہمی) کہا جاتا ہے۔ یہ اگرچہ غریب کاشت کاروں، مزدوروں اور متوسط طبقے کے لوگوں کو قرض دینے کی بنیاد پر چلائی جاتی ہیں" لیکن یہاں بھی چونکہ سود کی لعنت موجود رہتی ہے" اس لئے سرکاری طور پر جس قدر سوسائٹیاں ہیں، غریب قرض خواہوں کے لئے وبالِ جان ہیں اور فائدہ کی بجائے ان کے لئے باعثِ نقصان ثابت ہوئی ہیں۔

نظامِ مصطفےٰ کا اقتصادی نقشہ

اس کے برعکس اسلام کا اپنا ایک اقتصادی نقشہ ہے جس میں وہ خرابیاں نام کو نہیں ہیں جو بنکوں اور کوآپریٹو سوسائٹیوں میں موجود ہیں اگر ملک کے معاشی نظام کو اس نقشہ کے مطابق چلایا جائے" تو پھر بنکوں کے موجودہ سسٹم کی کوئی حاجت و ضرورت باقی نہیں رہ جاتی اور اگر بنکنگ سسٹم کی ضرورت بھی تسلیم کر لی جائے" تو پھر ان کے قیام کی ایسی شکلیں ممکن ہیں جو سود کے بغیر اس مقصد کو پورا کر سکیں جس کے لئے اس اجتماعی ادارہ کی ضرورت پیش آئی "یعنی انفرادی اور اجتماعی ضرورت کے لئے حصول زر یا امانت کے طور پر زر کا تحفظ جیسا کہ عنقریب اس کی توضیح آ جائے گی۔

اسلام باہمی امداد کے اجتماعی اداروں کو جو سود کے لین دین سے پاک ہوں، جائز و مستحسن قرار دیتا بلکہ ان کی حوصلہ افزائی کرتا ہے، بلکہ اسلام نے ان صحیح ذرائع کی طرف راہبری فرمائی ہے جس سے معاشرہ کے متوسط اور غریب لوگ نہ صرف سرمایہ داروں اور دولت مندوں کے استیصال سے بچ سکیں، بلکہ ان ذرائع کو اختیار کرنے کے بعد وہ خوشحالی اور فارغ البالی کی منزل بھی پا سکیں گے، بلکہ ان کی زندگی حقیقی مسرتوں کی شرح و عملی تفسیر بن جاتے گی۔

خوب ناخوب عمل کی ہو گرہ وا کیوں کر
گر حیات آپ نہ ہو شارح اسرار حیات

امدادِ باہمی کے اجتماعی ادارے

بینکوں کے موجودہ ظالمانہ سسٹم کو ختم کر کے امدادِ باہمی کے ادارے قائم کئے جائیں اور دولت مندوں کو اس سودی نظام کے خاتمے کے بعد یا تو خود ہی اپنی دولت کو کسی صنعت، تجارت یا زراعت میں لگا کر نفع آور بنانا ہو گا یا وہ ان امدادِ باہمی کے اداروں سے وابستہ ہو کر نفع پا سکیں گے جن کے کاروبار کا مدار نفع و نقصان کی شراکت پر ہو گا۔ یہ ادارے بینکوں کی طرح شہر شہر، بلکہ قریہ قریہ قائم ہوں اور حکومت کی تحویل میں نہیں، بلکہ اس کی امداد و اعانت پر ہوں۔ البتہ حکومت ان امدادِ باہمی کے اداروں میں مالی حصہ شامل کرنا چاہے تو کر سکتی ہے، اسی طرح حکومت انفرادی تجارت کو فروغ دینے کے لئے با اعتماد تاجروں کو قرض بھی دیگی، یعنی حکومت کی رقم سے افراد یا ادارے پرائیویٹ اور نجی طور پہ کاروبار کریں گے اور وہ رقم قرض کے طور پر بھی ہو سکتی ہے اور نفع

نقصان میں شراکت پر بھی
بلاسُود بینکاری

بلاسود بینکاری کا مطلب یہ ہے کہ سودی نظام کو یکسر ختم کر کے انہیں امداد باہمی کے تجارتی اور کاروباری اداروں کی جائز اغراض و مقاصد کا حامل کر دیا جائے اور یہ قطعاً ممکن ہے۔ ہر نئے کام کا مرتب کرنا ابتدائی مراحل میں کچھ مشکل تو ہوتا ہے، لیکن صحیح جذبے سے نیک نیتی اور تسلسل کے ساتھ اسے جاری رکھا جائے، تو ساری کاوٹیں خود بخود دور ہوتی چلی جاتی ہیں اور آخر کامیابی ہوتی ہے۔ جس جذبے سے استیصالی قوتوں نے اس باطل نظام کو یہاں نافذ کیا تھا اور وہ اپنے مذموم مقصد میں کامیاب ہو گئیں۔ اسی طرح اگر اس سطح کے جذبۂ اسلامی سے حق و صداقت اسلامیہ کے علمبردار اس خدائی نظام کو نافذ کر دیں، تو وہ بطریق اولیٰ کامیاب ہوں گے بینکوں کے کچھ امور اب بھی ایسے ہیں جو بعد میں بھی جاری رکھے جا سکتے ہیں جن میں سود کا عنصر موجود نہیں، مثلاً کمیشن پر خدمات انجام دینا۔ امانتوں کا رکھنا اور لاکرز مہیا کرنا، زیورات، دستاویزات، کاغذات، سندات اور دوسری چیزوں کی حفاظت کرنا، سفری چیک، بینک ڈرافٹ جاری کرنا، اسی طرح گاہکوں کی طرف سے خرید و فروخت، صنعتی کاروبار اور دیگر امور میں ماہرانہ مشورے دینا جو سود کے عنصر سے پاک ہیں، پھر بھی جاری رہیں گے۔ بہر حال بلاسود بینکاری کے کاروبار کی صورتیں بہت ہیں اور وہ صورتیں ہر ملک ہر جگہ اور ہر کہیں کامیابی سے اپنائی جا سکتی ہیں سے

مومن کے جہاں کی حد نہیں ہے — مومن کا مقام ہر کہیں ہے

غیر ملکوں سے لین دین

غیر ممالک سے قرضے لینے کی بجائے تمام ملکی وسائل کو بروئے کار لا کر اپنے ملک کو خود کفیل بنانے کی کوشش کی جائے۔ اشیاء تعیش کی درآمد مطلقاً بند کر دی جائے اور بیرونِ ملک سے کسی شدید ضرورت کے بغیر کوئی چیز درآمد نہ کی جائے اور مجبوری کی صورت میں مال کا مال سے تبادلہ کر لیا جائے، تو سود کی نوبت ہی نہ آئے گی۔ البتہ جب مال کو قیمت میں خریدیں گے، تب سود کا سوال ہو گا، تو اس صورت میں سود سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ ادائیگی کی میعاد تک جو سود بنتا ہو اسے اشیاء صرف یعنی درآمد شدہ مال کی قیمت میں اضافہ قرار دے کر شروع ہی سے اس قرار یافتہ بھاؤ پر ہی ان کا لین دین کیا جائے۔ اس پر سود نہ دینا پڑے گا، مثلاً ایک چیز دس ڈالر میں آتی ہے اور دس ڈالر قسط کی صورت میں پانچ ماہ میں ادا کرنا ہیں اور ان دس ڈالروں پر تین ڈالر سود کے ملکر تیرہ ڈالر ہوں گے، تو شروع ہی سے پانچ ماہ کی مدت پر وہ تیرہ ڈالر میں خریدی جائے، تو اس سے سود کی ادائیگی سے بچ جائیں گے اور اگر غیر ممالک اس معاملے میں تعاون کرنے سے گریز کریں، تو جواز بامر مجبوری کا قول ہم پہلے عرض کر چکے ہیں، اس پر عمل کیا جائے۔

بینکوں میں بنیادی تبدیلی

بینکوں کو امدادِ باہمی کے اجتماعی کاروباری اسلامی اداروں سے ہم آہنگ کرنے کے لئے بنیادی تبدیلی کرنی پڑے گی اور وہ یہ کہ بینک حکومت کے کنٹرول سے آزاد پبلک تجارتی کے تحت ہوں گے، البتہ حکومت ہر متعلقہ امداد مہیا کرنے کے لئے

سرپرستی کریگی تاکہ کوئی فاسد اور غلط عنصر اس نظام میں رخنہ اندازی یا خرابی کرنیکی نہ سوچ سکے۔ دوسرے یہ کہ بینک اپنا کاروبار سود کی بجائے شرکت یا مضاربت کے طریقے پر انجام دیں گے۔ اس طرح سے نام کے بینک ہوں گے، مگر حقیقت میں امدادِ باہمی کے وہی اجتماعی کاروباری ادارے ہوں گے جو اسلام کے نظامِ معیشت میں ہوا کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں شرکت و مضاربت کے طریقے قابلِ ذکر ہیں جو ہماری کاروباری بیتابیوں کو قرار دے سکتے ہیں۔

میرے باغِ سخن کے لیے تو بادِ بہار
میرے بیتابِ تخیّل کو دیا تو نے قرار

شرکت و مضاربت

شرکت اس بات کا نام ہے کہ دو یا دو سے زیادہ فریق کاروبار کریں اور ایک طے شدہ نسبت کے مطابق ان میں نفع تقسیم ہو اور نقصان بھی سب کو اپنے اپنے سرمایہ کی مناسبت سے برداشت کرنا پڑے، شرکت میں ہر حصہ دار اپنے حصہ پر مالکانہ حقوق رکھتا ہے اور اسے اپنی مرضی کے مطابق تقسیم ہوتی رہتی ہے اور کبھی بلا تعیینِ مدت تسلسل سے بھی چلتا رہتا ہے اور مضاربت یہ ہے کہ ایک فرد یا پارٹی کا سرمایہ ہو اور اس سرمایہ سے کاروبار کوئی دوسرا فرد یا دوسری پارٹی کرتی ہے، اس میں سرمایہ لگانے والا فریق کاروبار میں عملی حصہ نہیں لیتا، بلکہ ایک طے شدہ نفع کا حقدار ہوتا ہے، لیکن اگر نقصان ہو جائے۔ تو اہل سرمایہ کو برداشت کرنا پڑتا ہے اور کاروبار کرنیوالی کی محنت رائیگاں جاتی ہے اور کاروبار میں نفع و نقصان ہونا ہی رہتا ہے۔

کہیں سامانِ مسرّت کہیں سازِ غم ہے
کہیں گوہر ہے کہیں اشک کہیں شبنم ہے

لیکن جب نفع ہوتا ہے' تو اس سے عام طور پر نقصان کی تلافی ہوتی رہتی ہے' اس لئے گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔

بینکوں کی حیثیت

بینکوں سے سودی نظام کو ختم کرنے کے بعد ان کی حیثیت ان تجارتی اداروں کی ہوگی جو تاجرین کے حصص و سرمایہ جات سے قائم ہوتے ہیں اور ان تجارتی اداروں میں اگر حکومت اپنا حصّہ شامل کرے' تو کر سکتی ہے لہٰذا اسے اس کے حصّہ کے مطابق نفع و نقصان برداشت کرنا ہوگا۔ یہ بینک یا دوسرے لفظوں میں امدادِ باہمی کے اجتماعی ادارے مضاربت و مشارکت پر کام کریں گے۔ علاوہ ازیں با اعتماد عوام کو اپنے اعتماد یا شخصی ضمانت جاری رکھ کر قرضے بھی دیں گے اور اپنی انفرادی تجارت یا زرعی یا صنعتی کاروبار میں ان قرضوں سے استفادہ کریں گے۔ نیز یہ ادارے عوام کو مشارکت و مضاربت پر بھی رقم دے سکتے ہیں۔ نیز عوام کاروبار کے لئے مندرجہ بالا صورتوں میں بھی بیت المال سے قرضے اور مضاربت پر رقم لے سکتے ہیں۔ حکومت کو عوام سے تعاون کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ ملکی نظام کی کامیابی کا دارومدار حکومت و عوام کے باہمی جذبِ تعاون پر ہی ہے

ہیں جذبِ باہمی سے قائم نظام سارے
پوشیدہ ہے یہ نکتہ تاروں کی زندگی میں

حضرت ابوموسیٰ اشعری (بصرہ کے گورنر) کا دو تاجروں کو بیت المال سے قرض دینا

امام مالک موطا میں فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دو صاحب زادے حضرت عبداللہ بن عمر و عبیداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم ایک لشکر میں عراق گئے، واپسی پر یہ جب بصرہ کے گورنر حضرت ابوموسیٰ اشعری سے ہوتے ہوئے گزرے، تو انہوں نے خوش آمدید کہا اور فرمایا کہ اگر آپ کو مالی فائدہ پہنچانے کی صورت ہوتی، تو میں اسے ضرور اختیار کرتا پھر فرمایا کہ ضرور ایک صورت نکل آئی ہے، وہ یہ کہ میں اللہ کے مال سے کچھ مال امیر المومنین کی خدمت میں بھیجنا چاہتا ہوں، میں اسے آپ حضرات کو قرض پر دیتا ہوں، اس سے تم عراق کی اشیائے تجارت میں سے کچھ چیزیں خرید لو اور مدینہ منورہ میں جا کر انہیں فروخت کر دینا اصل سرمایہ امیر المومنین کے حوالے کر دینا (کہ وہ بیت المال میں جمع فرما دیں گے) اور نفع تمہیں مل جائیگا فقالا ودد ناذلک انہوں نے کہا کہ ہمیں آپ کی یہ تجویز پسند ہے، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ جب مدینہ منورہ پہنچے اور ان چیزوں کو بیچا، تو انہیں نفع ہوا، تو انہوں نے (ماجرا بیان کرتے ہوئے) راس المال (اصل سرمایہ) امیر المومنین کے حوالے کر دیا۔ امیر المومنین نے سوال کیا کہ ابوموسیٰ اشعری نے سب لشکر کے ساتھ اسی طرح نوازش فرمائی ہے جس طرح تم دونوں سے؟ انہوں نے عرض کی نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ صرف اس لیے کہ تم امیر المومنین کے صاحبزادے ہو، میں ایسی خصوصی نوازش کو پسند نہیں کرتا، جو کچھ تمہیں نفع ہوا، وہ بھی لاؤ اور بیت المال میں اصل سرمائے کے ساتھ اسے بھی جمع کراؤ۔ حضرت عبداللہ تو خاموش

رہے، لیکن حضرت عبیداللہ نے امیرالمومنین سے نظرِ ثانی کی گذارش کی اور عرض کی کہ اگر ہمیں نقصان ہوتا یا اصل سرمایہ ہم سے ضائع ہو جاتا، تو چونکہ یہ قرض تھا، اس لیے ہم اصل سرمایہ جمع کرانے کے پابند تھے آپ نے مانے اور اصل سرمایہ کے ساتھ سب نفع بھی جمع کرانیکا حکم دیا۔ حضرت عبداللہ اب بھی خاموش رہے اور حضرت عبیداللہ کے درمیان بطورِ ثالث مشورہ دیا یا امیرالمومنین لو جعلتہٗ قراضاً - امیرالمومنین! میرا مشورہ ہے کہ آپ اس معاملے کو (نہ تو قرض محض قرار دیں کہ سارا نفع صاحبزادوں کا ہو اور نہ ہی امانت، کہ امانت کے منافع کی طرح سارا نفع صاحبِ امانت یعنی بیت المال کو جاتے بلکہ آپ اسے مضاربت قرار دیں۔ اس پر آپ نے فرمایا (ہاں یہ مجھے منظور ہے) لہٰذا میں نے اسے مضاربت قرار دیا (صاحبزادے بھی اس پر راضی ہو گئے) تو آپ نے کل نفع کا نصف صاحبزادوں سے لے کر بیت المال میں جمع کرا دیا اور بقیہ نصف کو صاحبزادوں نے آپس میں تقسیم کر لیا (ملاحظہ ہو موطا امام مالک ج ۲ ص ۱۷۲ طبع مصر) ؎

ترجمانِ نبی، ہم زبانِ نبی!
جانِ شانِ عدالت پہ لاکھوں سلام

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت ہند زوجہ حضرت ابوسفیان کو قرض دینا اور حضرت ابوسفیان کا ضامن بننا

جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں کہ حکومت بیت المال سے نجی قرضے بھی فراہم کر سکتی ہے۔ اس سلسلے میں اعتماد یا ضمانت کا خیال رکھنا ضروری ہوگا، چنانچہ امام طبری اپنی تاریخ میں

لکھتے ہیں کہ حضرت ہندبن عتبہؓ زوجہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ سے چار ہزار درہم بطور قرض مانگے تاکہ ان سے تجارت کی جائے۔ آپ نے قرض کی واپسی کے لئے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی ضمانت لے لی اور انہیں قرض دے دیا۔ انہوں نے تجارت کی اور نفع کی بجائے نقصان اٹھایا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نقصان کا شکوہ کیا۔ آپ نے فرمایا کہ قرض کی رقم مسلمانوں کا مال ہے۔ اگر میرا ذاتی معاملہ ہوتا، تو میں آپ سے مطالبہ نہ کرتا۔ آپ نے حضرت ابوسفیان کو بلوا کر انہیں اس وقت تک اپنے ہاں روکے رکھا۔ جب تک کہ حضرت ہند نے پورا قرض واپس نہ کر دیا (ملاحظہ ہو تاریخ طبری حوادث ۲۳ھ ج ۵ ص ۲۹/۳۰ اور کتبِ فقہ میں بھی اس طرح ہے۔

نیز حدیث میں ہے الزعیم غارم کہ کفیل ضامن ہے ۔

اے عمر! عدل تیرا فطرت کی آبرو ہے
حق کا ہو بول بالا تیری قدیم خو ہے

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مضاربت پر ایک شخص کو سرمایہ دینا"

مندرجہ بالا روایت قرضے سے متعلق تھی اور یہ روایت مضاربت سے متعلق ہے جسے امام مالک اپنی موطا میں حضرت مالک بن عبدالرحمٰن سے اور وہ اپنے والد عبدالرحمٰن سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنے دورِ خلافت میں مضاربت پر سرمایہ دیا تاکہ وہ اس سے کاروبار

کریں اور نفع دونوں کا ہو۔

(ملاحظہ ہو موطا امام مالک ج ۲ صد ۷۳، طبع مصر)

الغرض حکومت بینکوں (امداد باہمی کے اجتماعی کاروباری اداروں) اور بیت المال سے عوام کو قرض اور مضاربت پر سرمایہ دے تاکہ عوام کی معاشی حالت بہتر ہو اور حکومت کو بھی نفع پہنچے۔

عوام کی معاشی حالت بہتر بنانے کے لئے حکومت اور تاجروں کو ہدایت

مروّجہ محصول چونگی

حکومت ناجائز طور پر اور جبراً عوام سے جو مصارف وصول کرتی ہے' ان میں سے ایک محصول چونگی بھی ہے۔ ملکی معیشت کو خراب کرنے میں اس کا بھی بڑا دخل ہے کرتا جراشیائے صرف کی قیمتوں کے بڑھانے کے جواز میں جو اسباب و علل ملحوظ رکھتے ہیں' ان میں ایک محصول چونگی بھی ہے' چونکہ اسلام کے اقتصادی و معاشی نظام میں عشور کی مد ذرائع آمد میں موجود ہے جس کی تشریح گزر چکی ہے۔ لہٰذا محصول چونگی کا کوئی جواز نہیں' چنانچہ فاضل علم معیشت حکیم الامت مولانا امجد علی اعظمی رضوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں (ملاحظہ ہو' بہار شریعت ج ۱۱ ص ۱۲۱)

حضرت عمر بن عبدالعزیز کا محصول چونگی ختم کر دینا

حضرت عمر بن عبدالعزیز سے پہلے بنو امیہ کے حکمرانوں نے کچھ عرصہ قبل محصول چونگی عائد کر دیا تھا' مگر حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے تخت خلافت پر متمکن ہوتے ہی چونگی ساری مملکت سے

معاف کردی اور گورنروں اور اہل کاروں کو لکھا کہ یہ نجس ہے۔ اس کے متعلق قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ (الآیۃ) کہ لوگوں کو ان کی چیزیں کم مت دو۔

فرمایا کہ لوگوں نے اس کا نام بدل کر (یعنی محصول کے نام سے اسے جائز بنا لیا ہے (حالانکہ یہ جائز نہیں) چند شرعی محاصل کے علاوہ ہر طرح کے ناجائز محاصل اور بیسیوں ٹیکس جو سابق حکمرانوں نے عائد کر رکھے تھے، یکسر معاف کر دیے اور خشکی اور سمندر کے راستے کھول دیے، کاروبار پر ہر طرح کی پابندیاں اٹھا لیں تاکہ لوگوں کی معاشی حالت بہتر ہو (تاریخ دعوت و عزیمت ج ۱ ص ۵۰ بہ تغییر یسیر) ۔

عام حالات میں قیمتوں پر کنٹرول کی ممانعت

اسلام کے اقتصادی نظام میں حکومت کو اشیائے صرف کی قیمتوں پر کنٹرول کرنے کی اجازت نہیں ہے، کیونکہ اس پر الٹا اثر پڑتا ہے کہ جس چیز کی قیمت پر کنٹرول ہوتا ہے، وہ بازار سے غائب کر دی جاتی ہے اور اس کا دستیاب ہونا ایک مسئلہ بن جاتا ہے۔ اس کی بلیک میلنگ شروع ہو جاتی ہے۔ نتیجۃً عوام بیچارے اس کی صورت دیکھنے کو بھی ترستے رہ جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ جب غلہ کی گرانی کے زمانے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے نرخ مقرر کرنے کی درخواست کی، تو آپ نے اس تجویز پر عمل کرنے سے انکار کرتے ہوئے فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْمُسَعِّرُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الرَّازِقُ وَاِنِّی لَاَرْجُو کہ نرخ مقرر کرنیوالا تنگی کرنے والا کشادگی کرنے والا، رزق دینے والا

اَنْ اَلْقَى اللّٰہَ وَلَیْسَ اَحَدٌ مِّنْکُمْ یُطَالِبُنِیْ بِمَظْلَمَۃٍ فِیْ دَمٍ وَّلَا مَالٍ (ابوداؤد عن انس ج ۲ صہ ۴۷۹ و ترمذی عنہ ج ۲ صہ ۱۵۷)

اللہ ہی ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ خدا سے اس حال میں ملوں کہ کوئی مجھ سے کسی حق کا مطالبہ نہ کرے، خون کے متعلق اور نہ مال کے متعلق۔

صدر الشریعہ حکیم الامت مولانا امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

امام یعنی بادشاہ کو غلہ وغیرہ کا نرخ مقرر کر دینا کہ جو نرخ مقرر کر دیا ہے، اس سے کم و بیش کر کے بیع نہ ہو، یہ درست نہیں (بہار شریعت ج ۱۱ صہ ۱۰۵)

خاص حالات میں کنٹرول کی اجازت

خاص حالات میں کنٹرول کرنے کی اجازت

ہے۔ ہدایہ میں ہے کہ تاجروں نے اگر چیزوں کی قیمتوں میں بہت زیادہ اضافہ کر دیا اور نرخ مقرر کئے بغیر کوئی چارہ نظر نہیں آتا، تو حاکم علماء کرام اور سوجھ بوجھ والے اور اہل علم و دانش سے مشورہ لے کر نرخ مقرر کر سکتا ہے، ملاحظہ ہو۔

فَاِنْ کَانَ اَرْبَابُ الطَّعَامِ یَتَحَکَّمُوْنَ وَیَتَعَدَّوْنَ عَنِ الْقِیْمَۃِ تَعَدِّیًا فَاحِشًا وَعَجَزَ الْقَاضِیْ عَنْ صِیَانَۃِ حُقُوْقِ الْمُسْلِمِیْنَ اِلَّا بِالتَّسْعِیْرِ فَحِیْنَئِذٍ لَا بَأْسَ بِہٖ بِمَشْوَرَۃِ اَھْلِ الرَّأْیِ وَالْبَصِیْرَۃِ

یعنی اگر تاجر حضرات ڈھٹائی پر اتر آئیں اور قیمتوں میں کھلی زیادتی کرنے لگیں، اور حاکم وقت مسلمان صارفین کے حقوق کا تحفظ قیمتوں میں کنٹرول کرنے میں ہی سمجھے تو اہل رائے اور اہل علم و دانش حضرات کے مشورہ

سے قیمتوں پر کنٹرول کرسکتا ہے۔ (ہدایہ ج ۴ ص ۱۰۰، درمختار ص ۲۰۲)

نیز حاکمِ وقت کو اس بات کا بھی خیال رکھنا ہوگا، کوئی تاجر، دکاندار مقرر کردہ قیمت سے زیادہ وصول نہ کرے، چنانچہ احادیث سے بھی اسی طرح واضح ہوتا ہے۔

ایک گراں فروش دُکاندار کو فارقِ اعظم کی تنبیہ
(گراں فروشی کا سدِّباب)

اسلام کا معاشی نظام جہاں ایک طرف ایک خاص حکمت کے تحت عام حالات میں قیمتوں پر کنٹرول کے حق میں نہیں ہے، وہاں دوسری طرف تاجروں اور مارکیٹ کے دکاندار پر بھی کڑی نظر رکھتا ہے کہ وہ کہیں غبنِ فاحش اور گراں فروشی کے مرتکب تو نہیں ہو رہے۔

دکانداروں کو نفع کمانے کی اجازت ہے اور بلاشبہ وہ نفع کمائیں، مگر غبنِ فاحش اور بے تحاشہ گراں فروشی کی اجازت بھی نہیں دیتا، بلکہ اسلام اس سلسلے میں ایسے دکانداروں اور تاجروں کو بازار سے اٹھادینے کی بھی سفارش کرتا ہے جو بے تحاشہ نفع اندوزی اور گراں فروشی پر اُترے ہوئے ہوں۔ اس سلسلے میں خلیفۂ وقت اور اس کے نائبین حکام شہروں میں صورتِ حال کا وقتاً فوقتاً جائزہ لیتے رہیں گے اور وہ ایسے شخص کے خلاف تادیبی کارروائی کرنے کے مجاز ہیں جو بازار میں گراں فروشی کا مرتکب ہو رہا ہو۔

چنانچہ حدیث میں ہے:

اِنَّ عُمَرَ بنَ الخطاب رضی اللہ عنہُ مَرَّ علٰی حَاطِبِ بنِ اَبِی بَلْتَعَۃَ	کہ سیدنا عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہٗ کا گزر ایک دکاندار حاطب بن ابی

وَهُوَ يَبِيعُ زَبِيبًا لَهُ بِالسُّوقِ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ اِمَّا اَنْ تَزِيدَ فِي السِّعْرِ وَاِمَّا اَنْ تَرْفَعَ مِنْ سُوقِنَا (موطا امام محمد صہ ۳۴۱)

بلتعہ سے ہوا وہ بازار میں منقیٰ بیچ رہا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا کہ منقیٰ کا نرخ زیادہ سستا کرو، ورنہ ہمارے بازار سے دکان اٹھالو۔

ملا علی قاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ حدیث کی عبارت "ان تزید" میں لا محذوف ہے۔ تقدیراً اما ان لاتزید ہے اور ترجمہ میں اس کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ راقم اس کی مثال میں آیت والذین یطیقونہٗ پیش کرتا ہے کہ یہاں بھی حرف لا محذوف ہے اور تقدیر عبارت ہے والذین لایطیقونہ اور اگر ہمزہ سلب کا ہو تو پھر لا کے حذف کی ضرورت نہیں" امام محمد علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

وَبِهٰذَا نَاْخُذُ لَا يَنْبَغِي اَنْ يُسَعَّرَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ فَيُقَالُ لَهُمْ بِيعُوا كَذَا وَكَذَا وَيُجْبَرُوا عَلَى ذٰلِكَ وَهُوَ قَوْلُ اَبِي حَنِيفَةَ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا (موطا امام محمد صہ ۳۴۱)

یعنی ہماری یہی رائے ہے کہ عام حالات میں مسلمانوں پر قیمتوں کا کنٹرول نہ کیا جائے، البتہ خاص حالات میں گراں فروشوں سے کہا جائیگا کہ فلاں فلاں قیمت پر بیچو اور انہیں مجبور کیا جاتے گا۔ امام ابوحنیفہ اور ہمارے فقہا کی یہی رائے ہے۔

لہٰذا گراں فروشی کے سدباب کے لئے دوسرا کوئی چارۂ کار باقی نہ رہے، تو ایسے خاص حالات میں قیمتوں پر کنٹرول کی بلاشبہ اجازت ہے اور اس کی خلاف ورزی پر مناسب تادیبی کارروائی بھی عمل میں لائی جاسکتی ہے جو خلاف ورزی کے مرتکب کو مارکیٹ سے نکال دینے، جرمانے یا جسمانی سزا کی صورت میں ہوسکتی ہے اور تعزیری

کارروائی ضروری ہے کہ دین و آخرت سے بے خبر تاجروں کا اس کے سوا کوئی علاج نہیں ہے

ہاتھوں سے ان کے دامنِ دیں بھی نکل گیا
رخصت ہوا دلوں سے خیالِ معاد بھی

افراطِ زر

نیز افراطِ زر نے ملکی معیشت کو خراب کر رکھا ہے، اس کا خاتمہ ہو تو معیشت پر اچھا اثر پڑے گا۔ سونا چاندی و پیدائش کے اعتبار سے نقد ہیں، اس لئے یہ نقدِ اصلی اور نقدِ حقیقی ہیں اور روپیہ اصلاحی یا نقدِ عرفی ہے یہ نقدِ اصلی کی جگہ نقدِ عارضی ہے۔ نقدِ اصلی کی نقدیت کو کوئی طاقت منسوخ نہیں کرسکتی، مگر روپیہ اور نوٹ کی نقدیت کو جب چاہیں منسوخ کر دیں۔ منسوخ ہونے کے بعد یہ سو کا نوٹ چار آنے کا بھی نہیں رہے گا۔ تو جب نوٹ اور روپیہ نقدِ عارضی اور نقدِ اصلی (سونے چاندی) کی جگہ ہے، تو نوٹ اور روپے اتنا ہی چھاپنے چاہیئے جتنا ہمارے ملک کے پاس سونا اور چاندی ہو، کیونکہ یہ روپیہ تو سونے اور چاندی کی نسبت سے ثمنِ اصطلاحی ہے، تو سونا اور چاندی منسوب الیہ ہوتے اور روپیہ منسوب تو جو روپیہ مقابلتہً بڑھ جائیگا، وہ بلانسبت رہ جائے گا اور وہی معیشت کی بدحالی کا باعث بنے گا اور بن رہا ہے، لہٰذا ملک کی معاشی حالت کو سدھارنے کے لئے ضروری ہے کہ افراطِ زر (بلانسبت کا روپیہ اور نوٹ) ختم کیا جائے، کیونکہ اس سے ملک کی معاشی حالت سدھرتی نہیں، بلکہ بدستور خراب بلکہ زیادہ خراب ہوتی ہے۔

تیرا جلوہ کچھ بھی تسلّیِ دلِ ناصبور نہ کر سکا
وہی گریۂ سحری رہا، وہی آہِ نیم شبی رہی

بیعانہ واپس نہ کرنے کی ممانعت

تاجروں میں رواج ہے کہ جب کوئی شخص کسی چیز کا سودا پکا کرتا ہے، تو بیعانہ دیکر بائع (بیچنے والے) کو اس بیع کا پابند بنا لیتا ہے۔ پھر اگر وہ کسی وجہ سے اس چیز کو خریدنے سے رہ جاتے، تو تاجر اس بیعانہ کو بحق خویش ضبط کر لیتے ہیں، یہ جائز نہیں ہے: چنانچہ امام مالکؒ ابوداؤد، ابن ماجہ حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ اور امام احمد بن حنبل اپنی مسند میں اور امام ابوداؤد و ابن ماجہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے راوی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعانہ ضبط کر لینے سے منع فرمایا۔ امام مالک علیہ الرحمۃ اپنی موطا میں فرماتے ہیں:

فَاِنْ نَدِمَ الْمُشْتَرِیْ فَقَالَ لِلْبَائِعِ اَقِلْنِیْ وَ اُنْظِرُكَ بِالثَّمَنِ دَفَعْتُ اِلَیْكَ فَاِنَّ ذٰلِكَ لَا یَصْلُحُ وَاَهْلُ الْعِلْمِ یَنْهَوْنَ عَنْهُ الخ (موطا امام مالک ج ص ۱۴۳ مصری۔

کہ اگر مشتری نادم ہو اور بائع سے کہے کہ بیع کا اقالہ کیجئے اور جو بیعانہ میں تمہیں دے چکا ہوں، وہ میں نے چھوڑ دیا، تو بائع کو ایسا کرنا جائز نہیں اور اہل العلم یعنی علما اس سے منع فرماتے ہیں۔

لہٰذا تاجروں کو بیعانہ کا رکھ لینا جائز نہیں، بلکہ مشتری کو واپس کر دیا جائے۔ مجبور انسان کی درخواست پر بیع کو توڑ دینا ثواب ہے۔ حدیث میں

ہے کہ اس سے بائع و مشتری میں سے مجبور کے ساتھ تعاون کرنے والے کے گناہ خدا تعالیٰ روز قیامت معاف فرمائے گا۔

معدوم کی بیع سے ممانعت

تاجر لوگ اپنے تجارتی کاروبار میں جہاں کئی ایک اور غیر اسلامی کاروباری طریق کار میں ملوث ہو کر معاشی بحران کا سبب بنتے ہیں، وہاں معدوم (عدیم الوجود) اشیاء کی خیالی تجارت کر کے بھی معاشی بدحالی کا موجب بنے ہوئے ہیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایسی چیز کے بیچنے سے منع فرمایا جو میرے پاس نہ ہو (ترمذی ج ۲ صہ ۱۴۸ مجتبائی)

اور ترمذی کی دوسری روایت، اور ابوداؤد و نسائی کی روایت میں یوں ہے کہ حضرت حکیم بن حزام کہتے ہیں یا رسول اللہ! میرے پاس کوئی شخص آتا ہے اور مجھ سے کوئی چیز خریدنا چاہتا ہے، وہ چیز میرے پاس نہیں ہوتی (میں بیع کر دیتا ہوں) پھر بازار سے خرید کر اسے دیتا ہوں، آپ نے فرمایا:

لا تبع ما لیس عندک جو تیرے پاس نہ ہو اسے نہ بیچو (ترمذی ج ۱ صہ ۱۴۸ و نسائی ج ۲ صہ ۲۲۵ و ابوداؤد ج صہ ۴۲۸) اس حدیث کے بعد امام ترمذی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

والعمل علی ھذا عند اکثر اھل العلم کرھوا ان یبیع الرجل ما لیس عندہ (ج ا صہ ۱۴۸)

اور امت کے اکثر علماء کا اس پر عمل ہے وہ بیع معدوم کو مکروہ و ممنوع قرار دیتے ہیں۔

اگر تاجر حضرات اس حدیث کے مطابق عمل کریں اور معدوم کی بیع کرنا چھوڑ دیں تو ہماری معاشی حالت روبہ اصلاح ہوسکتی ہے اگر تاجروں کو ملک و ملت سے ہمدردی ہوگی تو وہ اس لعنت سے کنارہ کیے بغیر نہیں رہیں گے ۔

دیکھ تو اپنا عمل تجھ کو نظر آتی ہے کیا!!
تیرے آبا کی نگہ بجلی تھی جس کے واسطے
وہ صداقت جس کی بیباکی تھی حیرت آفریں
ہے وہی باطل تیرے کاشانۂ دل میں مکیں

معدوم کی بیع حلال نہیں

ترمذی، ابوداؤد و نسائی عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے جو روایت کی ہے، اس میں لایحل کا لفظ ہے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

لَایَحِلُّ سلفٌ و بیعٌ ولا شرطانِ فی بیعٍ ولا بیع مالیس عندک ۔ (ترمذی ج ۱ صہ ۱۲۸ نسائی ج ۲ صہ ۲۲۳ و ابوداؤد ج ۲ صہ ۴۹۵)

کہ قرض میں بیع کی شرط حلال نہیں (یعنی اس طرح کہ میں نے یہ چیز آپ کے ہاتھ اس شرط پر بیچی کہ آپ مجھے قرض دیں اور نہ ہی بیع (ایک یا) دو شرطوں سے مثلاً کپڑا لیتا ہوں، مگر تمہیں سلوا اور رنگ کرا کر دینا ہوگا) اور نہ اس چیز کی بیع حلال ہے جو تمہارے پاس نہیں ۔

جس پر قبضہ نہیں کیا اس کا نفع بھی ممنوع

ابوداؤد اور ترمذی کی روایت

ہیں و لَا رِبْحُ مَا لَمْ یُضْمَنْ کے لفظ ہیں، یعنی جب تک خرید کردہ تمہارے قبضہ ضمان میں نہ آجائے، اسے بیچ کر نفع کمانا بھی تمہارے لئے ناجائز ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کسی شے (خرید کردہ) پر جب تک خریدار قبضہ نہ کرے، اس وقت تک اس کی بیع آگے جائز نہیں۔ امامِ اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کا بھی یہی حکم ہے کہ اشیاء منقول پر مشتری کا قبضہ ضروری ہے، بیع تو محض ایجاب، قبول اور شے کی دیکھ بھال کے بعد قطعاً ہو گئی، لیکن اگر مشتری بیع (خرید کردہ چیز) کو آگے بیچ کر نفع کمانا چاہتا ہے، تو پہلے بیع پر قبضہ کرے، پھر اس کی بیع کرے، ہاں اشیاء غیر منقول میں رعایت ہے کہ قبل القبض ان کی بیع جائز اور نفع بھی حلال (ملاحظہ ہو موطا امام محمد صـ ۳۳۱)

بولی سے بیع کا جواز

یہ جو بولی سے بیع کی جاتی ہے، یہ بلاشبہ جائز ہے ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کا ٹاٹ اور پیالہ بیچا اور ارشاد فرمایا کہ ان دونوں کو کون خریدتا ہے۔ ایک صاحب بولے میں ایک درہم میں خریدتا ہوں۔ آپ نے فرمایا مَنْ یَزِیْدُ عَلٰی دِرْھَمٍ مَنْ یَزِیْدُ عَلٰی دِرْھَمٍ۔ کہ ایک درہم سے زیادہ کون دیتا ہے، ایک درہم سے زیادہ کون دیتا ہے۔

ایک شخص نے عرض کی کہ میں دو درہم دیتا ہوں، تو اس نے دو درہم حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کر دیئے اور آپ نے دونوں چیزیں اس کو دے دیں (ترمذی ج ۱ صـ ۱۳۶)

ابوداؤد اور ابن ماجہ میں بھی اسی طرح ہے، لہٰذا بولی جائز ہوئی، مگر جھوٹ کی بولی جائز نہیں کہ ایک آدمی بائع کی طرف سے اس کی سازش سے خریدار بن کر آجائے اور صرف قیمت بڑھانے کے بہانے بولی میں حصہ لے، اس سے حدیث میں ممانعت آئی ہے، ایسے ناجائز حربوں اور حیلوں سے باز آکر وہ اسلامی طریقے اختیار کرنے چاہئیں جن میں مسلمان کی دنیاوی بھلائی بھی ہو اور آخرت کا فائدہ بھی ؎

جن کی تابانی میں اندازِ کہن بھی، نو بھی ہے
اور تیرے کوکبِ تقدیر کا پر تو بھی ہے

بولی میں قیمت کا توازن قائم رہنا چاہیئے

بولی میں قیمت کا تناسب، توازن قائم رہنا چاہیئے۔ حدیث مذکور سے واضح ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری بولی پر فوراً مبیع کو بولی دینے والے کے حوالے کر دیا، حالانکہ اس (مبیع) کی قیمت اور بڑھانے کے لئے مزید بولی دی جاسکتی تھی، مگر آپ نے تعلیماً مزید بولی ترک فرمادی تاکہ خریدار کو بازار میں اس چیز کے دام زیادہ نہ بڑھانے پڑیں اور مارکیٹ میں اس چیز کی قیمت تناسب و توازن سے گراں واقع نہ ہو۔ بولی دینے اور نیلام کرنے والے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کو مشعلِ راہ بنا کر چلیں تو مہنگائی کا خاتمہ ہی ہو جائے۔

ملک میں گرانی اور مہنگائی کے بنیادی اسباب

غیر اسلامی طریقے جو تاجروں اور کاروباری حضرات میں رائج ہو چکے ہیں یا انہوں نے امیر سے امیر تر بننے کی

ہوس میں ان غیر اسلامی طریقوں کو اپنا لیا ہے یہ بات مسلّم اور ناقابل تردید ہے کہ جب تاجروں میں اسلامی اور شرعی طریقوں کے مطابق کاروبار کرنیکا جذبہ و عمل تھا، مہنگائی نام کو نہ تھی اور جب سے غیر اسلامی اور غیر شرعی طریقے جزو تجارت بن گئے جب سے مہنگائی بڑھتی چلی گئی اور کوئی تدبیر انسداد کارگر ثابت نہ ہوئی ؏

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

مہنگائی کے دُور کرنے اور معاشرہ کے خوشحال ہونیکی صورت

اور واحد صورت یہی ہے کہ کاروباری حضرات رضاکارانہ طور پر (یا حکومت کے حکم سے اپنے کاروبار کی بنیاد اسلامی اور شرعی طریقوں پر استوار کریں۔ اس سلسلے میں کچھ طریقے تو ہم ذکر کر چکے ہیں، جن میں جائز اور ناجائز کی تفصیل بھی حدِّ ضرورت تک گزر چکی ہے۔ اب ہم اس سلسلے میں مزید کچھ عرض کرتے ہیں تاکہ تاجر حضرات ان پر عمل کر کے نظامِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاشی شعبوں میں بہتر کردار ادا کر کے مہنگائی کے کم کرنے میں مدد دے سکیں۔

بیع باطل اور فاسد

اس سلسلے میں تاجروں کو احتراز کرنا چاہیئے بیع باطل اور فاسد کی وضاحت یہ ہے کہ جس صورت میں بیع کا کوئی رُکن (جس کے بغیر دو فریقوں میں بیع عمل میں نہیں آسکتی) مفقود ہو یا وہ چیز بیع کے قابل ہی نہ ہو، وہ بیع باطل کہلاتی ہے (یعنی بیع حرام و ناجائز) مثلاً پاگل یا بے عقل بچّہ کو بیع میں فریق بنانا بیع باطل ہے کہ ایجاب و قبول بیع کا رُکن ہے اور بچہ غیر عاقل ایجاب و قبول کرنے کا اہل نہیں، لہذا

اس صورت میں بیع کا رُکن مفقود ہوگا۔ اسی طرح مردار، خون اور شراب ایسی حرام چیز یا کسی آزاد انسان کی بیع بھی باطل و حرام و ناجائز ہے کہ یہ چیزیں بیع کے قابل ہی نہیں ہیں اور اگر رُکنِ بیع یا بیع کے قابل و محل میں کوئی خرابی نہ ہو، بلکہ اس کے علاوہ کوئی اور خرابی لازم آتی ہو تو اسے بیع فاسد کہتے ہیں، مثلاً شراب ایسی حرام چیز کے معاوضہ کو لے کر آگے اس کے ساتھ کوئی سودا اسلف لینا دینا یا ایسی چیز کا سودا کرنا جسے خریدار کے حوالے کرنا بس میں نہیں یا عقدِ بیع کے تقاضوں کے خلاف کوئی شرط عائد کر دینا بیع کو فاسد و خراب کر دیتا ہے۔ فتاویٰ درِ مختار میں ہے:

وَكُلُّ مَا اَوْرَثَ خَلَلَةً فِي رُكْنِ الْبَيْعِ فَهُوَ مُبْطِلٌ وَمَا اَوْرَثَهُ فِي غَيْرِهِ فَيُفْسِدُهُ۔	کہ جس سے رُکنِ بیع میں خلل آئے، اس سے بیع باطل ہوتی ہے اور جس چیز سے رُکن و محل کے علاوہ کسی میں خلل آئے، وہ بیع کو فاسد کرتی ہے۔

(ص۲۲۳ مطبع احمدی دھلی)

بیع مکروہ: بیع مکروہ سے بھی بچنا چاہیئے، مثلاً بولی کے وقت قیمت بڑھانے کے لیے اس قسم کے آدمی کو بولی میں شامل کر دینا جو خریدنے کا ارادہ نہیں رکھتے، مگر دکھاوے کے لئے بولی میں حصہ لیتے ہیں اور دام بڑھ چڑھ کر بتاتے ہیں تاکہ دوسرے تاجران سے بڑھیں اور وہ چیز مہنگے داموں فروخت ہو۔ حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع نجش سے منع فرمایا اور بیع نجشی اسی طریقے کی بیع کو کہتے ہیں۔

بیع سلم: بیع سلم جائز ہے اور یہ کہ ایک شخص نقد پیسے دے کر جنس غلہ وغیرہ ایک مدت متعین تک لینے کا عہد لیتا ہے اور

دونوں طرف سے ایجاب و قبول سے سودا طے ہوجاتا ہے۔ اسے بیع سلم کہتے ہیں۔ رقم دینے والے کو رَبُّ السلم یا مسلم اور جنس دینے والے کو مسلم الیہ اور جنس کو مسلم فیہ اور رقم کو راس المال اور اس طریقہ بیع کو بیع سلم کہتے ہیں۔ اس کے جواز میں سات شرطیں ہیں :

۱. جنس کا معلوم ہونا مثلاً گندم یا جو وغیرہ،
۲. نوع کا معلوم و طے ہونا کہ کون سی قسم ہو گی۔
۳. وصف یعنی اعلیٰ ادنیٰ کا معلوم ہونا۔
۴. مقدار کا معلوم و طے ہونا۔
۵. مدت و مہلت کا معلوم و طے ہونا۔
۶. رقم کا معیّن و معلوم ہونا یعنی راس المال کا معلوم ہونا۔
۷. جنس مذکور کہاں پہنچانا ہو گی، جب کہ پہنچانے میں خرچہ ہوتا ہو۔

(ہدایہ ج ۳ صہ ۹۶ طبع یوسفی لکھنؤ)

عیاشی اور تکلفات سے روک تھام

اسلامی کے اقتصادی و معاشی نظام میں کوئی گنجائش نہیں کیونکہ اسراف تبذیر ہے اور تبذیر و اسراف قرآن و سنت کی رُو سے حرام ہے۔ عیاشی سے مراد دولت کا بے جا ضیاع ہے۔ اچھا پہننا اور اچھا کھانا اور اچھا سلیقہ اختیار کرنا اسلام میں ممنوع نہیں، بلکہ کسی حد تک درست ہے۔ اسلام اس قدر تنگ دین و مذہب نہیں کہ خوش پوشی اور خوش خوری کو منع کرے، بلکہ مناسب حد تک یہ محمود و مطلوب ہے۔ صحیح ترمذی میں ہے کہ حضرت مالک بن

عوف رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھٹے، پرانے کپڑوں میں ملبوس دیکھا، تو فرمایا کہ "کیا تیرے پاس مال ہے؟" فرماتے ہیں میں نے عرض کی حضور میرے پاس خدا کے فضل سے ہر قسم کا مال ہے۔

قُلْتُ مِنْ كُلِّ الْمَالِ قَدْ أَعْطَانِي اللّٰهُ مِنَ الْإِبِلِ وَالْغَنَمِ قَالَ فَلْيُرَ عَلَيْكَ۔ (ترمذی ج ۲ صـ ۲۱)	میں نے عرض کی کہ خدا نے مجھے ہر قسم کا مال دیا ہے، اونٹ اور بھیڑ بکریاں (بہت ہے) فرمایا کہ اس کا تجھ سے ظہور ہونا چاہیے (یعنی خدا کی نعمت کا استعمال کر کے اظہار کرو، فقیرانہ لباس ترک کردو)

لیکن آج جس طرح عیاشی کی بے لگام دوڑ جاری ہے۔ یہ ملکی و قومی اور انفرادی معیشت کے لئے خطرناک ہے۔ اس قسم کی عیاشی کی روک تھام ضروری ہے اس سلسلے میں اسلام کے اقتصادی و معاشی نظام کی ہدایات موجود ہیں صرف عمل کی ضرورت ہے، پھر یہ معاشی ویرانی معاشی خوشحالی میں بدل سکتی ہے ۔

نہیں ہے نا امید اقبال اپنی کشتِ ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

عیاشی کرنیوالے دو قسم کے لوگ ہیں

عیاشی کرنے والے دو قسم کے لوگ ہیں: ایک تو سرمایہ دار، اس میں زمیندار، تاجر اور صنعت کار تینوں گروہ شامل ہیں؛ ملکی معیشت کی بدتری اور خرابی کے یہی تین گروہ ذمہ دار ہیں، کیونکہ ملکی معیشت کا انحصار انہیں تین چیزوں پر ہے: تجارت و صنعت، وحرفت اور زمینداری

لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ تاجر و صنعت کار اور زمیندار عیاشی کی دوڑ میں ان تینوں اداروں کے تقدس کا مذاق اڑانے میں پیش پیش ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ان میں بعض افراد اچھے بھی ہیں اور قابلِ تعریف بھی۔ مگر ان کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے اور دوسرے وہ لوگ ہیں جو حکومت کے اعلیٰ عہدوں اور مناصب عالیہ پر فائز ہیں جو ہزاروں روپے ماہانہ تنخواہیں اور دیگر ہمہ قسم کی مراعات مفت میں حاصل کرتے ہیں، یہ لوگ بھی عیاشی کی دوڑ میں برابر کے شریک ہیں۔ ان کی دیکھا دیکھی اور ریس میں نچلے طبقے کے لوگ بھی عیاشی کی طرف بڑھنے کی کوشش میں مصروف ہیں جس کی وجہ سے رشوت ستانی وغیرہ ایسی خرابیاں ہمارے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے چکی ہیں اور یہ خرابیاں ملک کے کم آمدنی والے سفید پوش شرفاء کے لئے وبالِ جان بن کر رہ گئی ہیں اور وہ نہ تو ناجائز ذرائع سے کمائی کرنا گوارا کرتے ہیں اور نہ ہی معاشرہ کی ایسی ہمہ گیر خرابی کا اخلاقی مقابلہ کرنے کی اپنے میں ہمت پاتے ہیں، اس لیے وہ ملک چھوڑنے کی فکر میں پڑ جاتے ہیں اور یہ خرابی اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ ہر شخص کی خواہش اور کوشش ہوتی ہے کہ اس کے پاس کوٹھی، کار اور ٹیلی ویژن ہو اور نوکر چاکر ہوں۔ کیونکہ موجودہ عیاشی کی دوڑ میں شرافت و انسانیت کا معیار صرف یہی تین چیزیں سمجھی جا رہی ہیں۔ اس دوڑ کا تدارک اور روک تھام بہت ضروری ہے۔ اس سلسلے میں اسلام کے اقتصادی نظام کے تقاضوں کو بروئے کار لانے اور انہیں عملی جامہ پہنانے کی اشد سے اشد ضرورت ہے۔

نظر آتیں مجھے تقدیر کی گہرائیاں اس میں
نہ پوچھ اے ہم نشیں مجھ سے وہ چشم سرمہ سا کیا ہے

عیاشی سے ممانعت کا ایک قانونِ فقہ

اس قانون کو قانون حجر (عیاشی کا قانون) کہا جاتا ہے۔ فقہ اسلامی کا قانونِ حجر عیاشی کی روک تھام کے لیے ایک مؤثر قانون ہے۔ لغت میں حجر کے معنی روکنا ہیں اور شریعت کی اصطلاح میں مال میں تصرّف کرنے سے روکنا ہے۔ اگرچہ امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ قانونِ حجر کو صرف نابالغ بچے اور مجنون کے ساتھ مختص رکھتے ہیں؛ تاہم آپ کے صاحبین امام ابو یوسف و امام محمد علیہما الرحمۃ قانونِ حجر کو ان کے علاوہ ایسے لوگوں پر بھی عائد فرماتے ہیں جو اپنے مال کو عیّاشی، بیہودگی اور لہو ولعب وغیرہ میں صرف کر کے معاشی خرابی کا باعث بنتے ہیں اور فقہائے احناف نے امام اعظم علیہ الرحمۃ کی بجائے صاحبین کے قول کو اختیار کیا اور اسی پر فتویٰ دیا۔ چنانچہ درمختار میں ہے

وَعِنْدَ هُمَا يُحْجَرُ عَلَى الْحُرِّ بِالسَّفَهِ وَالْغَفْلَةِ وَبِهٖ أَيْ بِقَوْلِهِمَا يُفْتٰى۔
(ص ۴۳۶، مطبع احمدی دہلی)

یعنی صاحبین کے نزدیک بیہودہ اور عیّاش لوگوں کو بھی قانونِ حجر میں شامل کیا جائے گا اور صاحبین کے قول ہی پر احناف کا فتویٰ ہے۔

اسی طرح فتاویٰ قہستانیہ ج ۴ ص ۵۸۶ پر فرماتے ہیں والمختار قولہما کہ صاحبین کے ہی قول کو اختیار کیا گیا ہے، یعنی عاقل و بالغ عیّاش انسان پر اس کی بیہودگی و کج فہمی کی بناء پر اس بات کی پابندی عائد کر دی جائے کہ وہ اپنے مال میں شریعت و عقل مندی کے خلاف کوئی تصرّف نہ کرے۔ عمدۃ القاری ج ۹ ص ۶۱

اس سلسلے میں مزید تفاصیل فقہ اسلامی کی کتابوں
BOOKS OF ISLAMIC LAW
میں دیکھی جا سکتی ہے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ جب کوئی ایسا شخص اپنے مال میں فضول خرچی و عیاشی کرنے اور اسے عقل و شریعت کے مقتضا کے برعکس صرف کرنے لگے، تو سرپرست یا سماج و با اختیار ادارہ سرکاری یا غیر سرکاری جسے سرکاری سرپرستی حاصل ہو، اس کا حق تصرف اس وقت تک موقوف کر دے: جب تک کہ انہیں اس بات کا یقین یا ضمانت میسر نہ ہو کہ وہ آئندہ کے لیے اپنے مال کو شریعت و عقل کے مطابق ہی خرچ کرے گا اور یہ قانون انہیں کے لئے ہے جو اخلاق کی زبان نہیں سمجھتے ہیں اور جو اخلاق سے سمجھتے ہیں انہیں اخلاق سے اور دوسروں کو قانونِ جبر کے قاہرانہ طریقے سے عیاشی سے باز رکھا جائے اور اسلام کا یہ بہترین قانون ہے۔ جب سے اس سے حکمرانوں نے صرف نظر کی تب سے معاشرہ برباد ہوتا چلا گیا ہے

اے لا الٰہ کے وارث باقی نہیں ہے تجھ میں!
گفتار دلبرانہ، کردار قاہرانہ

حکومت کے اعلیٰ افسران و عہدیداران کے لئے فاروقِ اعظم کی ہدایات

جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کیا ہے کہ عیاشی کی دوڑ میں حکومت کے اعلیٰ عہدیدار اور اعلیٰ افسران بھی برابر کے شریک ہیں جس کی وجہ سے نچلے ملازم بھی مبتلائے رشک ہو کر ہر جائز و ناجائز طریقے سے اپنا معیارِ زندگی اعلیٰ افسران کے مطابق بنانے میں مصروفِ عمل ہیں لہٰذا اسلام کا اقتصادی نظام اس بات کا مقتضی ہے کہ سب سے پہلے سربراہ مملکت سادگی اختیار کرے۔ عیاشی

کی نئی سے نئی روایت قائم کرنے کی بجائے سابقہ روایات کو ہی ختم کرکے بے تکلف زندگی کا آغاز کرے' اور سیرتِ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ' کو مدِ نظر رکھیں۔ سادگی کے باوجود جن کے تقویٰ وللہیت کی ہیبت سے لوگوں کے دل کانپتے تھے ؎

تیری نگاہ سے دل کانپتے تھے سینوں میں
کھو دیا گیا ہے تیرا جذبِ قلندرانہ

اور قومی خزانے سے ضرورت سے زیادہ وظیفہ نہ لے اس سلسلے میں بھی سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ' کی سیرت کی اقتدا کرے۔

گاندھی کی اپنے وزیروں کو ایک اہم نصیحت

اس سلسلے میں آگے نہیں تو کم از کم گاندھی سے پیچھے تو نہ رہیں جو غیر مسلم ہونے کے باوجود سیدنا ابوبکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی سیرت کا اس قدر دلدادہ تھا کہ ۱۹۳۵ء میں اس نے کانگریسی وزیروں کے نام ایک ہدایہ نامہ جاری کیا کہ "میں اپنے وزراء کو ہدایت و نصیحت کرتا ہوں کہ وہ ابوبکر و عمر کے طریقہ پر چلیں"۔ (دستور الاسلام ص ۲۰۹)

معلوم ہوا کہ گاندھی جیسے متعصب اور کٹر ہندو کی نظر میں ابوبکر و عمر کی حکمرانی اور عدل عمرانی کا ایسا پاک اور ستھرا دستور اور قانون صفحۂ ہستی پر ابھی موجود ہے کہ امریکہ اور برطانیہ کا دستور اور قانون اس کی گردِ راہ کو بھی نہیں پہنچ سکتا اور یہ وہی قانون و دستور ہے جو خلفائے راشدین نے کتاب الٰہی اور سنّتِ مصطفوی سے سمجھا۔ گاندھی نے اپنے ہدایت نامہ میں ابوبکر و عمر کے طریقے پر چلنے کی ہدایت کی اور امریکہ و برطانیہ کا حوالہ نہیں دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے مطابق خلفاءِ راشدین

کا دور انسانیت کے ارتقاء و عروج کا بہترین دور تھا جب کہ امریکہ و برطانیہ اور روس کی حکومتوں کا دور، انسانیت کے انحطاط و زوال کا دور ہے۔

تہذیبِ فرنگی ہے اگر مرگِ امومت
ہے حضرتِ انسان کیلئے اسکا ثمر موت

معاشی حالت کو سدھارنے کے لیے تین قیمتی اصول

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ملکی معیشت کو ترقی دینے کے لئے سب سے پہلے اپنے آپ پر سادگی کا قانون نافذ کیا اور اس قانون کے نفاذ کا آغاز اپنی ذات سے فرمایا، چنانچہ امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ م ۱۸۲ھ اپنی کتاب الخراج میں لکھتے ہیں کہ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے مسندِ خلافت پر متمکن ہوتے ہی اپنی پوزیشن عوام پر واضح کرتے ہوئے فرمایا:

یَا أَیُّهَا النَّاسُ إِنِّي لَا أَجِدُ هٰذَا الْمَالَ یُصْلِحُهُ إِلَّا خِلَالٌ ثَلَاثٌ أَنْ یُؤْخَذَ بِالْحَقِّ وَیُعْطَى فِي الْحَقِّ وَیُمْنَعَ مِنَ الْبَاطِلِ (ص ۱۱۷)

لوگو! میرے نزدیک ہماری معاشی و مالی حالت اس وقت تک نہیں سنور سکتی جب تک کہ ہم تین باتوں کا خیال نہ کریں، حق سے لینا، جائز کاموں میں خرچ کرنا اور ناجائز کاموں میں نہ کرنا

سیرتِ فاروقی کی یہ ہدایت ملکی معیشت کو سنوارنے کے لئے ایک عظیم ضابطہ اور بہترین راہنمائی ہے کہ مال اور دولت جائز اور حق پر مبنی طریقوں سے حاصل کی جائے۔ خیر اور نیک کاموں میں خرچ کی جائے اور عقل و شریعت کے

مقتضا کے خلاف کسی بات میں اسے خرچ کرنے سے قطعی گریز کی جائے۔ پھر آپ نے اپنے اس وظیفے کی مقدار کا اعلان فرمایا جو آپ نے سرکاری خزانے (بیت المال) سے لینا منظور فرمایا جیسے امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کتاب الخراج میں نقل فرماتے ہیں۔

آپ نے فرمایا:

اِنَّمَا اَنَا وَمَالُكُمْ كَوَلِيِّ الْيَتِيْمِ اِنِ اسْتَغْنَيْتُ اِسْتَعْفَفْتُ وَاِنِ افْتَقَرْتُ اَكَلْتُ بِالْمَعْرُوْفِ

(کتاب الخراج صہ ۱۱۷)

میرے لئے تمہارا بیت المال ایسے ہے جیسے یتیم کے سرپرست کے لئے یتیم کا مال، اگر مجھے ضرورت نہ پڑی تو میں اس میں سے کچھ نہ لوں گا اور ضرورت ہوئی تو حاجت کی حد تک لوں گا۔

عزت اسلام سے ہے

امام غزالی علیہ الرحمۃ احیاء العلوم میں فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ شام میں داخل ہوئے یہ آپ کی خلافت کا زمانہ تھا۔ آپ کا لباس بالکل سادہ تھا۔ آپ کے رفقاء نے عرض کی کہ آپ اسلامی سلطنت کے سربراہ ہیں اور آپکے لباس اور وضع قطع میں انتہائی سادگی ہے۔ بہتر تھا کہ آپ اس کی نسبت کچھ لباس زیب تن فرماتے پھر شام میں داخل ہوتے۔ آپنے فرمایا کہ مجھے کسی کی ملامت کا کوئی اندیشہ نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم نے سادگی کی تعلیم پائی ہے:

اِنَّا قَوْمٌ اَعَزَّنَا اللّٰهُ بِالْاِسْلَامِ فَلَنْ نَطْلُبَ الْعِزَّ فِیْ غَیْرِهٖ۔

کہ خدا تعالیٰ نے ہمیں اسلام پر عمل کرنے سے عزت بخشی ہے۔ ہم غیر اسلامی

رسم و رواج کے ذریعے سے عزت کے طلبگار ہرگز نہیں ہوں گے۔ (احیاء العلوم ج ۳ ص ۳۴۷)

جب کسی قوم کے سربراہ مملکت میں اس قدر ملک و ملت سے ہمدردی کے جذبات موجزن ہوں تو اس قوم کی معاشی حالت کیونکر نہیں سدھر سکتی۔

حکومت کے اعلیٰ عہدے کی چار شرطیں

امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کتاب الخراج میں لکھتے ہیں کہ جب سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، کسی کو کوئی عہدہ سپرد فرماتے اور گورنری وغیرہ کے منصب پہ فائز کرتے تو ان سے چار چیزوں کا عہد لیتے اور اس عہد و پیمان پر مہاجرین و انصار کے اکابر صحابہ کو گواہ بناتے اور فرماتے،

اَنْ لَّا یَرْکَبَ بِرْذَوْناً وَلَا یَلْبَسَ ثَوْباً رَقِیْقاً وَلَا یَاکُلَ نَقِیًّا وَلَا یُغْلِقَ بَاباً دُوْنَ حَوَائِجِ النَّاسِ وَلَا یَتَّخِذَ حَاجِباً (کتاب الخراج ص ۱۱۶، تاریخ الطبری ج ۵ ص ۲۰)

ترکی گھوڑے کی سواری نہ کرنا باریک (شاہانہ) لباس نہ پہننا، میدہ کی روٹی نہ کھانا، دروازے پہ پہرہ دار کھڑا کر کے ضرورت مند لوگوں کو اپنے تک پہنچنے میں رکاوٹ نہ کرنا۔

یہ ہدایت کسی شو بازی یا ریاکاری پہ مبنی نہ ہوتی تھیں، بلکہ انہیں عملی جامہ پہناتے اور صورت حال پر کڑی نظر رکھتے تھے اس سلسلے میں حضرت محمد بن مسلمہ کی تقرری خصوصی طور پہ عمل میں لائی گئی تھی، وہ دورے کرتے رہتے اور حکومت کے اعلیٰ عہدیداروں کو جا کر دیکھتے تھے کہ وہ ان شرائط پر باقاعدگی سے عمل کر رہے ہیں یا غفلت کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ ایک مرتبہ مصر کے گورنر عیاض بن غنم کے

بارے میں آپ کو مصدقہ اطلاع ملی کہ وہ ان شرائط پر عمل کرنے میں سستی کر رہے ہیں، تو آپ نے اسے بلا کر ڈانٹا اور انہیں گورنری کے عہدہ سے معزول کر دیا اور فرمایا تمہیں وہ زمانہ بھول گیا جب تمہارا باپ بکریاں چرایا کرتا تھا۔ آج تم گورنری کے غرور میں اپنی اصلیت کو بھول گئے، یہ لاٹھی پکڑو اور اپنے باپ کی طرح بکریاں چراؤ۔

نظر نہیں تو میرے حلقۂ سخن میں نہ بیٹھ
کہ نکتہ ہائے خودی ہیں مثالِ تیغِ اصیل

امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کتاب الخراج میں مزید لکھتے ہیں کہ پانچویں شرط یہ بھی ہوتی تھی کہ گورنر اپنی رعیت کے امیر و غریب کے ساتھ برابر سلوک کرے گا اور اسے بیماروں کی عیادت کے لیے بھی جانا ہوگا جس کے بارے میں آپ کو معلوم ہوتا کہ:

اِنَّ عَامِلَهُ لَا يَعُوْدُ الْمَرِيْضَ وَلَا يَدْخُلُ عَلَيْهِ الضَّعِيْفُ نَزَعَهُ (ص ۱۱۷)

آپ کا فلاں گورنر بیماروں کی عیادت کے لئے نہیں جاتا اور کمزور، ضعیف، بے وسیلہ لوگ اس تک نہیں پہنچ پاتے، تو آپ اسے معزول کر دیتے۔

بہر حال اسلام کے معاشی و اقتصادی نظام کی بنیاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھی اور خلفاء راشدین مہدیین نے اسے وہ عروج بخشا کہ اس کی مثال چشم فلک نے نہ پہلے کبھی دیکھی تھی اور نہ بعد میں دیکھنے میں آئی۔

دورِ حاضر کے کچھ اہم سوالات

اور اُن کے جوابات

سوال: کیا حکومت کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ یہ ضمانت دے کہ غیر سودی بنک کو اگر نقصان اٹھانا پڑا، تب بھی عند الطلب کھاتے دار کا پورا سرمایہ محفوظ رہے گا، چاہے حکومت کو اپنے پاس سے ادا کرنا پڑے؟

جواب: اس صورت میں حکومت کو ادا کرنا لازم نہیں ہوگا۔ اسے ضمان الخسران کہتے ہیں اور یہ صحیح نہیں، لہٰذا لازم بھی نہیں۔ چنانچہ عنایہ شرح ہدایہ میں ہے:

رجلٌ قال لِاٰخر بِع متاعَك فِي هٰذا السوقِ على انّ كل وضيعةٍ وخسرانٍ يُصيبك فانا ضامنٌ لك فانّه غيرُ صحيح۔	جیسا کہ کوئی کسی سے کہے کہ تم اپنا سامان بازار میں فروخت کرو۔ میں نقصان کا ضامن ہوں، تو یہ صحیح نہیں ہے

(عنایہ شرح هدایہ ج ۷

(ص ۱۱۲)

نقد اور اُدھار کی قیمتوں میں فرق

سوال: زید علانیہ کہتا ہے کہ اس کے سامان کی نقد قیمت سو روپے ہے اور اودھار ایک سو بیس روپے ہے۔

(۲) زید سامان قسطوں پر فروخت کرتا ہے اور ایسے سامان کو جس کی نقد قیمت عام طور پر سو روپے ہے دس روپے ماہانہ کی بارہ قسطوں میں بیچتا ہے۔ قسطوں کی ادائیگی میں تاخیر کی صورت میں اضافہ نہیں کیا جاسکتا۔

(۳) زید قسطوں پر فروخت کرتا ہے اور اعلان کرتا کہ اگر کوئی فرد پوری رقم یکمشت ادا کرے تو اسے بیس فیصد رعایت دی جاسکتی ہے۔

(۴) زید خود تاجر نہیں، لیکن کسی شخص سے جو مال کی یکمشت رقم نہیں ادا کرسکتا، معاہدہ کرتا ہے کہ وہ سامان خرید کر دس فیصد سے زیادہ قیمت پر وصول کرے گا۔

جواب:

(۱) یہ جائز ہے۔

(۲) یہ بھی جائز ہے۔

---

(۳) یہ بھی جائز ہے کہ ہدایہ میں ہے: ویجوز ان یحط عن الثمن (ج ۲ صفحہ ۷)، کہ بائع کو جائز ہے کہ واجب الادا قیمت میں سے کچھ معاف کرے۔

(۴) یہ بھی جائز ہے۔

قرض میں کٹوتی، ہنڈی

ایک قرض خواہ اپنے قرضے کی رقم طے شدہ مدت گزرنے سے قبل وصول کرنا چاہتا ہے۔ مقروض یا اس کے وکیل کی یقین دہانی پر قرض خواہ کو یہ رقم کٹوتی کرکے وقت سے پہلے ادا کی جاتی ہے۔ جیسے تین ماہ بعد ایک ہزار روپے کے بدلے حاضر میں نو سو پچاس روپے کی ادائیگی' اس طرح قرض چکانے کی شرعی حیثیت کیا ہے' اس کا فیصلہ کرتے وقت مندرجہ ذیل نکات پیش نظر رہیں:

آج کل یہ طریقہ ہنڈیوں BILLS OF EXCHANIG کی ادائیگی کے سلسلے میں کیا جاتا ہے۔ جس کی تکنیک مندرجہ ذیل ہے۔

زید نے عمرو سے مال خریدا اور تین ماہ بعد رقم ادا کرنے کا وعدہ کیا' اس کے لئے زید نے عمرو کو ایک دستاویز ہنڈی کی شکل میں پیش کردی' عمرو نے بنک الف میں یہ ہنڈی پیش کردی تاکہ اس کی بنا، پر بنک سے رقم قرض لے اور بنک الف عمرو کو وہ رقم ادا کرتا ہے لیکن پوری رقم نہیں' بلکہ اصل میں سے کچھ حصہ اپنے حق کے بطور وضع کرلیتا ہے' گویا عمرو کو وقت سے پہلے رقم وصول کرنے کے لئے کٹوتی منظور کرنا پڑتی ہے۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل حدیث پر نظر رکھیں:

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن الکالی بالکالی ای الدین بالدین اوکما قال علیہ السلام۔

جواب: اس کے جواز کے خلاف کوئی دلیل نہیں' لہٰذا یہ جائز ہے اور یہ ہنڈی گویا زید نے عمرو سے مطلوبہ رقم کے عوض بشرط کفالت ادا کی۔ گویا زید کی دی ہوئی ہنڈی عمرو کے لئے وثیقہ اور ضمانت ہے کہ اس نے تین ماہ بعد

اس پر رقم ادا کرتا ہے اور عمرو اس پر بنک سے کچھ حصہ کم کر کے مطلوبہ رقم وصول کرتا ہے اور جو کم کیا اسے اپنی رضا و رغبت سے کم کیا اور عرف میں اس صورت میں متروکہ رقم اس سے ساقط سمجھی جاتی ہے جس نے ہنڈی دی؛ لہٰذا جس پر راضی ہوا، وہ وصول کیا، باقی معاف کرتا ہے، تو یہ جائز ہے، چنانچہ حوالہ گذرا کہ صاحب دین جس قدر چاہے مدیون سے دین ساقط کر دے۔ فتح القدیر میں نقد کی بیع نقد کے ساتھ کی چار صورتیں لکھی ہیں جس کی ایک صورت جو جواز سے متعلق ہے، ہدایہ میں لکھی ہے:

ویجوز بیع الفلس بالفلسین باعیانهما عند ابی حنیفة و ابی یوسف (ج ۲ ص ۸۳)

کہ ایک معین پیسے کی بیع دو معین پیسوں سے جائز ہے کہ یہ خلقت کے اعتبار سے تو ثمن نہیں، بلکہ عارضی طور پر ثمن ہیں، خلقت کی رو سے عروض ہیں لہٰذا عاقدین جب چاہیں ان کی عارضی ثمنیت کی نفی کر کے تفاضل سے دست بدست بیع کر سکتے ہیں، لہٰذا ایک طرف سے بانڈ اور دوسری طرف سے نوٹ ہوں، تو دست بدست تفاضل سے ان کی بیع جائز ہے، یعنی دس روپے والا بانڈ مالک پانچ روپے میں اور چاہے تو سو روپے میں فروخت کر سکتا ہے اور بیع الکالی بالکالی کا معنی یہ ہے کہ دست بدست نہ ہوں، بلکہ ادھار سے ہوں چنانچہ ہدایہ میں ہے۔

بخلاف اذا کان الغیر اعیانهما لانه کالی بالکالی وقد نهی عنه (ج ۲ ص ۸۳)

اور امام حاکم مستدرک شریف میں فرماتے ہیں:

الکالی بالکالی یعنی النسیئة کہ الکالی بالکالی کا مطلب ادھار

بالنسیئۃ (ج ۲ صہ ۵۷) کی بیع ادھار کے ساتھ ہے۔

اسی طرح ہنڈی کی صورت میں بھی گویا ہنڈی خریدی اور بیچی گئی جیسے بانڈ خریدے اور بیچے جاتے ہیں، تو اس میں کمی بیشی برضائے عاقدین جائز ہے بیع الجنس بخلاف الجنس یا حط عن الثمن کے طور پر اور یہ دونوں جائز ہیں۔

قوّت خرید میں کمی بیشی اور حکومت کا فرض

افراطِ زر کی وجہ سے گرانی واقع ہوئی ہے۔ یہ افراطِ زر بعض قومی مفاد کے حق میں پالیسی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ بعض اوقات بیرونی اثرات کی وجہ سے اور بعض اوقات غلط پالیسی کی وجہ سے افراطِ زر میں لوگوں کی قوّت خرید گھٹ جاتی ہے۔

مندرجہ بالا صورتوں میں سے کیا کسی صورت میں حکومت کے لئے یہ شرعی فرض ہے کہ وہ قوتِ خرید میں کمی واقع ہوتے پر لوگوں کے نقصان کی تلافی کرے اس کی مثال یہ ہے کہ زید نے آج سو روپے دیئے جس سے چار من غلّہ خریدا جاسکتا ہے، اگر تین سال بعد زید اپنی رقم واپس طلب کرے اور اس وقت چار من غلّہ کی قیمت ایک سو بیس روپے ہو تو اس کو بجائے ایک سو روپے کے ایک سو بیس روپے دیئے جائیں، لیکن اگر یہ قیمت اسی روپے رہ جائے، تو اس کو اسی (۸۰) روپے دیے جائیں۔

جواب: اس طرح سے جائز نہیں، ہاں حکومت اس رقم کے بانڈ دے دے، پھر بانڈ کا معاوضہ بانڈ والے صاحب کی مرضی سے کمی بیشی سے دے سکتی ہے کہ بانڈ اور نوٹ دو مختلف جنسیں ہیں اور جنس بدل جاتے، تو دست بدست

کمی بیشی کے لین دین جائز ہے جیسا کہ پہلے مذکور ہوا اور جیسا کہ امام اہلسنت اس صدی کے مجدد امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ نے اپنی معرکۃ الآرا کتاب کفل الفقیہ شریف میں ارقام فرمایا۔

قرض اور شرح مبادلہ میں تبدیلی

ہمارے کاروباری اور صنعت کار افراد بھی قرضے لیتے ہیں جن کا کام غیر ملکی مشینیں وغیرہ کی درآمد ہوتا ہے۔ یہ قرضے ان حضرات کو پاکستانی سکے کی شکل میں دیے جاتے ہیں اور اسی شکل میں ان کی ادائیگی کی جاتی ہے، لیکن قرض کی اصل مقدار کا معیار پاکستانی سکہ نہیں، بلکہ غیر ملکی سکہ (ڈالر) ہوتا ہے جس سے پاکستان منسلک ہے۔ لیکن اب نہیں ہے اس معیار پر فریقین پہلے سے متفق ہوتے ہیں۔ لیکن اس طرح واجب الادا مقدار غیر یقینی ہو جاتی ہے، کیونکہ سکے کی اضافی قیمت غیر یقینی ہے۔ مثال کے طور پر زید نے پانچ سال قبل دس لاکھ روپے قرض لے کر سامان منگوایا تھا جس کی قیمت اس وقت دو لاکھ ڈالر تھی، کیونکہ ایک ڈالر پانچ روپے کے مساوی تھا، لیکن بعد میں پاکستانی سکے کی قیمت گرا دی گئی، نتیجتاً دو لاکھ ڈالر کی قیمت بیس لاکھ روپے ہو گئی۔ اس طرح دس لاکھ روپے کا مقروض خود بخود بیس لاکھ روپے کا مقروض بن گیا۔ اسی طرح آگے چل کر اگر ایک ڈالر تین روپے کے مساوی ہو جائے۔ اس صورت میں دس لاکھ روپے کا مقروض صرف چھ لاکھ کا دیندار رہ جاتا ہے۔ شرح میں تبدیلی اور اس کے لحاظ سے واجب الادا رقم کا فریقین کو پہلے سے علم نہیں ہوتا، البتہ دونوں اس نوعیت کے سودے پر متفق ہوتے ہیں جو بظاہر غیر یقینی ہے، لیکن اس کے بغیر پاکستان جیسے ملکوں کو گزارا کرنا انتہائی دشوار ہے

اس معاملہ کی شرعی حیثیت پر روشنی ڈالی جائے

جواب: اس صورت حال سے نمٹنے کی کوئی صورت نہیں۔ پاکستانی سکے کی قیمت ڈالر کے مقابلے میں گر جانے تو تاجروں کو حکومت کا ضمان الخسران دینا صحیح نہیں کیونکہ پہلے گزر چکا ہے لایصح ضمان الخسران کہ ضمان خسران صحیح اور لازم نہیں، ہاں اس کی بہتر صورت یہ ہے کہ حکومت سونے اور چاندی کا سکہ رائج کرے تو اس میں آئے دن کی مصیبت سے کہ پاکستانی سکہ ڈالر کے مقابلے میں گر جاتا ہے اور حکومت و عوام کو خسارہ اٹھانا پڑتا ہے۔ خلاصی ہو جائے گی اور جیسا کہ پہلے سکے ہوا کرتے تھے۔ اس طرح غیر ملکی ڈالر کا تسلط ختم ہو جائے گا اور آئے دن کی پریشانی سے نجات بھی حاصل ہو گی۔

قرضوں کی جدید نوعیت

بعض ماہرین کا خیال ہے کہ بنک لمبے عرصے کے لئے پیداواری قرضوں پر مقررہ شرح سے سود لینے کی بجائے اپنے قرضوں کا نیلام کیا کریں۔ اس کی فرضی مثال یہ ہو گی کہ بنک الف کے پاس دس کروڑ روپیہ لمبی مدت کے لیے قرض دینے کو دستیاب ہے۔ بنک مدت اور رقم کے لحاظ سے اس رقم کو مختلف اجزاء میں تقسیم کر دیتا ہے جیسے:

پچاس لاکھ روپیہ تین سال کے لئے۔

پچاس لاکھ روپیہ سات سال کے لئے۔

ایک کروڑ روپیہ پانچ سال کے لئے۔

پچیس پچیس لاکھ کے آٹھ اجزاء دس دس سال کے لئے۔

دو کروڑ روپیہ چار سال کے لیے، وغیرہ وغیرہ۔
بنک ٹنڈر طلب کرتا ہے کہ جو شخص مقررہ رقم پر مقررّہ مدت گزرنے کے بعد سرمایہ اور منافع کا زیادہ سے زیادہ فیصد نفع دینے کی پیش کش کرے گا، تو اسے یہ رقم دے دی جائیگی۔ اس قسم کے معاملے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب: فیصد سے مراد نفع کی شرح کی تعیین و شرط ہے، تو خالص سود اور حرام ہے۔ کل قرض جرّ نفعاً فھو ربا (الحدیث) جس قرض میں نفع مشروط ہو وہ ربا و سود ہے، ہاں اگر نفع و نقصان میں شراکت مراد ہے کہ عقد مضاربت ہو، یعنی ایک کا سرمایہ اور دوسرے کی محنت لیکن اگر ٹنڈر طلب کرنے کا مقصد یہ کہ نفع کا تناسب رب المال کے حق میں زیادہ سے زیادہ طے پائے، مثلاً عام طور پر نفع اگر ½ ہے تو ٹنڈر میں کوئی ⅔ یا ¾ وقس علی ہذا دینے کی پیش کش کرے، تو اسے سرمایہ دیا جائے، اس میں کوئی حرج نہیں کہ یہ خالص عقد مضاربت ہوگا۔

قرضہ میں شرط

بنک قرض مانگنے والے کو دس ہزار روپے کی بجائے بارہ ہزار روپے کا قرض منظور کرے جس میں دس ہزار روپے مقروض اپنے کام میں لائے اور باقی دو ہزار اپنے نام سے امانتاً جمع کرا دے۔ ایک سال بعد مقروض بارہ ہزار روپے واپس کر دے، جب کہ دو ہزار روپے جو اس کی طرف سے امانت کے طور پہ رکھے ہوئے ہیں، وہ پانچ سال بعد نکلوا لے۔

جواب: فقہاء فرماتے ہیں قرض صالح شرط نہیں ہے، خواہ شرط

جائز ہی ہو تو شرطِ فاسد کا صالح بھی بطریق اولیٰ نہ ہو گا۔ البتہ قرض نافذ ہو گا اور شرط باطل۔ درمختار میں ہے۔

القرض لایتعلق بالجائز من الشروط فالفاسد منہا اولیٰ ولا یبطل ولکنہ یلغو شرط رد شیئ آخر (ص ۴ ۳۵۴)	قرض جائز شرط سے متعلق بھی نہیں ہو سکتا تو شرطِ فاسد سے بطریقِ اولیٰ متعلق نہ ہو گا اور قرض باطل نہ ہو گا۔ لیکن شیئ آخر کے لوٹا دینے کی شرط لغو جائے گی

لہذا صورتِ مسئولہ میں قرض کا اجرا صحیح مگر بارہ ہزار پر قبضہ کرنے کے بعد دہ ہزار کو واپس امانت کے طور پر جمع کرنا مستقرض کے لئے لازم نہیں ہاں اگر جمع کرا دے تو اس کی خوشی پر منحصر ہے۔

مسئلہ انشورنس (بیمہ)

"بعض احباب کی خواہش پر انشورنس (بیمہ کا مسئلہ بھی آخر میں درج کیا جاتا ہے۔ یہ سوال امام اہلِ سنّت مجددِ اعظم مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمتہ سے دریافت کیا گیا تھا۔ ہم نے وہی سوال اور حضرت مجددِ اعظم کا جواب نقل کر دیا ہے۔ یہ اس زمانہ کی بیمہ پالیسی سے متعلق ہے۔ اگر آج کی بیمہ پالیسی میں کچھ تبدیلی واقع ہوئی ہو تو جواب بھی اس کے مطابق ہوگا۔"

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام کہ زندگی کا بیمہ کرانا شرعاً جائز ہے یا حرام صورت اس کی یہ ہے جب شخص زندگی کا بیمہ کرانا چاہتا ہے اس سے یہ قرار پاتا ہے کہ ۔ سال یا ۶۰ سال یا ۵۰ سال کی عمر تک مبلغ دو ہزار روپیہ چار یا چھ روپیہ ماہوار کے حساب سے تنخواہ میں سے وضع ہوتے رہیں گے۔ اگر وہ شخص ۵۵ سال تک زندہ رہا تو خود اس کو اور اگر میعاد مقررہ کے اندر مر گیا تو اس کے ورثاء کو دو ہزار روپیہ یکمشت ملے گا خواہ وہ بیمہ کرانے کے بعد اور اس کی منظوری

آنے کے بعد فوراً ہی مرجائے اور اگر میعاد مقررہ تک زندہ رہا تو بھی وہی دو ہزار ملے گا۔ بیمہ گورنمنٹ کی جانب سے ہو رہا ہے، کسی کمپنی وغیرہ کو اس سے تعلق نہیں۔ بینوا توجروا۔

جواب: جب کہ یہ بیمہ صرف گورنمنٹ کرتی ہے اور اس میں اپنے نقصان کی کوئی صورت نہیں، تو جائز ہے کوئی حرج نہیں، مگر شرط یہ ہے کہ اس کے سبب اس کے ذمہ کسی خلاف شرع احتیاط کی پابندی نہ عائد ہوتی ہو جیسے روزوں یا حج کی ممانعت۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (احکام شریعت حصہ دوم صـ۱۸۱)

انعامی بانڈ

نیز انعامی بانڈ کی سکیم میں بھی عدم جواز کی کوئی دلیل شرعی علم میں نہیں آئی اس لئے راقم اسے ممنوع قرار نہیں دیتا۔

نوٹ

آخر میں ہم "فاضل بریلوی کے معاشی نکات جدید معاشیات کے آئینے میں" مصنف پروفیسر محمد رفیع اللہ صدیقی مطبوعہ مرکزی مجلس رضا لاہور کے اقتباسات قدرے ترمیم و اضافہ کے ساتھ پیش کرتے ہیں تاکہ قارئین فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کی علمی وسعت اور نور فراست کا اندازہ فرمائیں اور استفادہ بھی۔

مفتی غلام سرور قادری

تمہید

اعلیٰ حضرت، امام اہلِ سنت، مجدد دین و ملت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ، موجودہ صدی کی وہ عبقری شخصیت ہیں جن کا مکمل تعارف وہی کرا سکتا ہے جو اُن جیسا جامع العلوم ہو۔ کسی فن کا ماہر جب انہیں اس فن میں گفتگو کرتے ہوئے دیکھتا ہے، تو انگشت بدنداں رہ جاتا ہے۔ موجودہ یعنی چودھویں صدی کا رُبع اوّل وہ بلاخیز دَور تھا کہ بڑے بڑے علماء اور لیڈر ثابت قدم نہ رہ سکے، ایسے وقت میں اعلیٰ حضرت بریلوی نے "تدبیر فلاح و نجات و اصلاح" کے نام سے امتِ مسلمہ کی معاشی بہبود کی خاطر چار تجاویز پیش کی تھیں، جو آج بھی اپنے اندر وزن رکھتی ہیں اور احمد رضا خاں بریلوی کی ژرف نگاہی کی شاہد ہیں۔

امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ کا معاشی نظریہ ایک سچے مسلمان کی طرح وہی تھا جسے خدّامِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعبیر کیا جاتا ہے، ارشاداتِ نبویہ ہماری رہنمائی کرتے ہیں کہ چوپایوں کی طرح ہمارا مقصدِ زندگی محض کھانا

پنپا نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ کی اطاعت ہے۔ عقائد ہوں یا اعمال، معاشیات ہوں یا سیاسیات، ہر اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت ناگزیر ہے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کی تعلیمات کا حاصل ہی یہ تھا کہ دامنِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ ہو کر اطاعتِ الٰہی اختیار کرلو، فکرِ معاش سے آزاد ہو جاؤ گے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (الزخرف رکوع ۳) ہم نے ان میں ان کی زیست کا سامان دنیا کی زندگی میں بانٹا۔ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا (ھود رکوع ۱) اور زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمۂ کرم پر نہ ہو۔ (کنز الایمان)

موجودہ صدی کے آغاز میں یہ مسئلہ موضوعِ بحث بنا رہا کہ ہندوستان دارالاسلام ہے یا دارالحرب؟ علماء کے ایک گروہ نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا اور اس بناء پر:

۱۔ مسلمانوں کے لئے ہندوستان سے ہجرت لازم قرار دی۔

۲۔ ہندوستان میں کفار سے سودی کاروبار جائز قرار دیا۔

تحریکِ ہجرت بڑے زور و شور سے چلی، ہزاروں افراد اپنی جائدادیں برائے نام قیمت پر فروخت کر کے افغانستان چلے گئے۔ وہاں اتنی گنجائش کہاں تھی، واپس آئے تو پاس پھوٹی کوڑی بھی نہ تھی۔

سود ایک ایسی لعنت ہے جو افلاس اور بدحالی کی راہ دکھاتا ہے، سود اخترام

انسانیت ختم کر دیتا ہے اور جب سود کا چکر چلتا ہے تو آدمی کی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔ مسلمان پہلے ہی ہندوؤں کے سودی شکنجے میں جکڑے ہوئے تھے، اس فتوے نے رہی سہی کسر پوری کردی۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے فتویٰ دیا کہ ہندوستان دارالاسلام ہے۔ اگر اس فتوے کو پیش نظر رکھا جاتا، تو ہجرت کے سبب پیش آنے والی معاشی تباہی نہ آتی اور نہ ہی قوم سود کے چکر میں مبتلا ہو کر معاشی ابتری کا شکار ہوتی۔

محسن ملت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے "کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم" میں ایسی تدبیریں بیان فرمائی ہیں جن سے سودی کاروبار کیے بغیر فائدہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔

گداگری ایسی آفت ہے جو قومی جسم میں ایک ناسور کی حیثیت رکھتی ہے یہ نہ صرف ذہنی انحطاط کی انتہا ہے، بلکہ پوری قوم کے لئے ایک عظیم المیہ ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے رسالہ مبارکہ "خیر الآمال فی حکم الکسب والسوال" میں مانگنے کی بھرپور مذمت بیان فرما کر محنت مزدوری اور کسب معاش کے دیگر ذرائع کی اہمیت بیان فرمائی جس سے انفرادی اور اجتماعی خوش حالی کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

فاضل بریلوی کے معاشی نکات

جدید معاشیات کے آئینہ میں

مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ نے چار نکات مسلمانوں کی اقتصادی زبوں حالی و معاشی بدحالی کو دور کرنے کے لئے اپنے رسالے "تدبیر فلاح ونجات و صلاح" میں میں تحریر فرمائے۔ جو ۱۹۱۲ء / ۱۳۳۱ھ کلکتہ سے شائع ہوئے۔ ان نکات کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ ان امور کے علاوہ جن میں حکومت دخل انداز ہے۔ مسلمان اپنے معاملات باہم فیصل کریں تاکہ مقدمہ بازی میں جو کروڑوں روپے خرچ ہو رہے ہیں، پس انداز ہو سکیں۔

۲۔ بمبئی، کلکتہ، رنگون، مدراس، حیدر آباد دکن کے تونگر مسلمان اپنے بھائیوں کے لئے بینک کھولیں۔

۳۔ مسلمان اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدیں۔

۴۔ علم دین کی ترویج و اشاعت کریں۔

یہ چار نکات بظاہر بے حد مختصر ہیں، لیکن ان میں معانی کا جو ذخیرہ پوشیدہ

ہے۔ وہ اہلِ فہم حضرات پر روزِ روشن کی طرح واضح ہے۔ وہ چار نکات اس مومنِ کامل کی فراستِ کاملہ کی عکاسی کرتے ہیں جس کے بارے میں علامہ اقبال نے فرمایا ہے ؎

تقدیرِ امم کیا ہے کوئی کہہ نہیں سکتا
مومن کی فراست ہو تو کافی ہے اشارہ

یہ بلاشبہ ایک مردِ مومن کے اشارے ہیں اور مومن بھی کیسا مومن کہ جس کی ہر سانس عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے معطر تھی۔ ان اشاروں میں جہانِ معنی پوشیدہ ہے۔ اس سے پہلے کہ ان نکات پر بحث کروں بطورِ تمہید کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

سنہ ۱۹۱۴ء میں جب کہ یہ نکات شائع ہوئے، برِ صغیر میں علم اقتصادیات کا مطالعہ عام نہیں تھا۔ دنیا کے دیگر ترقی یافتہ ممالک مثلاً انگلینڈ، امریکہ، فرانس اور جرمنی وغیرہ میں دانشوروں کا ایک مخصوص حلقہ اس علم کے اکتساب کی طرف مائل تھا۔ معاشیات پر باقاعدہ کتابیں لکھی جا چکی تھیں اور لکھی جا رہی ہیں لیکن عوام کی توجہ اور دلچسپی اس مضمون کے متعلق بہت کم تھی۔ طلباء اس مضمون کو خشک سمجھ کر اس سے گریز کرتے تھے۔

پہلی جنگِ عظیم کے بعد اور خاص طور پر سنہ ۳۰-۱۹۲۹ء کی عظیم عالمی کساد بازاری کے بعد معاشیات کی اہمیت میں جس تیزی سے اضافہ ہوا ہے، وہ اپنی مثال آپ ہے۔

اس تمہید سے میری غرض صرف اتنی ہی ہے کہ ناظرین یہ ذہن نشین کر لیں کہ جدید اقتصادی نظریات کی ابتداء ۱۹۳۶ء کے بعد سے ہوئی اور یہ بات کسی قدر حیرت انگیز

ہے کہ نگاہِ مردِ مومن نے ان جدید اقتصادی تقاضوں کی جھلک ۱۹۱۲ء ہی میں دکھا دی تھی۔ اگر ۱۹۱۲ء سے مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے نکات پر غور و فکر کیا جاتا اور صاحب حیثیت مسلمانانِ ہند اس پر عمل کرتے تو ہندوستانی مسلمانوں کی حیثیت معاشی اعتبار سے مستحکم ہوتی۔

آئیے اب ان نکات پر الگ بحث کی جائے جیسا کہ عرض کیا گیا، مولانا بریلوی کے ان نکات کی تعداد چار ہے جس میں سے تین کا تعلق میرے نزدیک جدید اقتصادیات کی رُوح سے ہے اور چوتھا علم دین کی ترویج و اشاعت سے متعلق ہے۔

۱۔ پہلا نکتہ:

"ان امور کے علاوہ جن میں حکومت دخل انداز ہے مسلمان اپنے معاملات باہم فیصل کریں تاکہ مقدمہ بازی میں جو کروڑوں روپے خرچ ہو رہے ہیں، پس انداز ہو سکیں۔"

اس نقطے میں اہم بات "پس اندازی" ہے۔ فضول خرچی کی مذمت ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے تیرہ سو سال قبل ہی کر دی تھی۔ جدید ماہرین اقتصادیات فضول خرچی کی بیحد مذمت کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک غیر پیداواری کاموں پر کئے جانے والے اخراجات قطعاً غیر پیداواری حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر برصغیر کے بیسویں صدی عیسوی میں پاکستان بننے سے پہلے تک کی اقتصادی زندگی کا مطالعہ کیا جائے، تو ہمیں معلوم ہو گا کہ مسلمانوں نے باہمی مقدمہ بازیوں پر کروڑوں روپے ضائع کیے۔ یو۔پی میں تقسیم ہند سے پہلے مسلمانوں کی تعداد ہندوؤں کے مقابلے میں

۱۴ فیصد تھی، لیکن اقلیت ہونے کے باوجود وُہ ایک باعزت اور پُر وقار زندگی گزار رہے تھے، مسلمانوں کی اقتصادیات اور ان کی خوشحالی کا انحصار زمینداری پر تھا۔ یو۔پی میں مسلم نوابین، راجاؤں اور زمینداروں کی کمی نہ تھی۔ زمیندار اس صوبے میں وہ افراد ہوتے تھے جو کم از کم ایک گاؤں کے مالک ہوتے تھے، لیکن میں اپنے ذاتی مشاہدہ کی بنا پر یہ کہہ سکتا ہوں کہ یہ حضرات مقدمہ بازیوں میں پھنسے رہتے تھے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے مقدمہ بازی ان صاحبان کا دلچسپ ترین مشغلہ ہے۔ میرے ایک قریبی عزیز جو زمیندار تھے۔ بارہ برس سے مسلسل ہمارے گھر آتے رہتے تھے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ اپنے ہم زلف سے مقدمہ بازی کے سلسلہ میں آتے جاتے رہتے ہیں۔ یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا۔ جب تک کہ تقسیم ہند کے بعد ہندوستان کے وزیر داخلہ ولبھ بھائی پٹیل نے یو۔پی کے مسلمانوں کی معیشت پر زمینداری کا خاتمہ کرکے بھرپور وار کیا۔ اور مسلمانوں کی اقتصادیات کی ریڑھ کی ہڈی توڑ دی۔

فاضل بریلوی کے پمفلٹ لکھنے سے اس بات کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ وُہ مقدمہ بازی پر کیے جانے والے اخراجات کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے تھے۔ پہلی بات تو یہ کہ اس طرح مسلمان آپس میں مخالفت پر تلے رہتے تھے۔ دوسری اور اہم بات یہ تھی کہ یہ کروڑوں روپیہ جو مقدمہ بازی کی نذر ہو رہا تھا کاش کہ اگر بچایا جا سکتا، تو مسلمانوں کے کس قدر کام آتا۔ یہ اخراجات قطعاً غیر ضروری بلکہ ناجائز تھے۔ اگر مفاہمت اور سمجھ بوجھ سے کام لیا جاتا۔ تو اکثر و بیشتر مقدمات کی ضرورت باقی ہی نہ رہتی، اور معاملات باہمی صلاح و مشورے سے طے ہو جاتے اور مسلمانوں کا سرمایہ غیروں کی تقویت کا باعث نہ بنتا۔

فاضل بریلوی نے ۱۹۱۲ء میں پس اندازی کی ہدایت فرمائی تھی، کیونکہ انہیں یہ معلوم تھا کہ مسلمانوں کی اقتصادی بدحالی دُور کرنے کا یہی بہترین علاج ہے کہ وُہ غیر ضروری اور ناجائز اخراجات یکسر ختم کر دیں اور اس طرح جو کچھ پس انداز ہو وہ اپنی فلاح و بہبود پر صرف کریں۔ ۱۹۳۶ء میں کینز نے اپنا "نظریہ روزگار آمدنی" پیش کر کے جدید اقتصادیات کی بنیاد مضبوط کی۔

موجودہ دور اقتصادی منصوبہ بندی کا دور ہے۔ دنیا کے بیشتر ممالک ملک کی خوشحالی میں اضافہ کے باقاعدہ منصوبے بناتے ہیں۔ ان منصوبوں کی میعاد عموماً ۵ سال ہوتی ہے۔

جہاں اقتصادی منصوبہ بندی میں دیگر امور باتوں کا خیال رکھا جاتا ہے وہاں ماہرین اس بات کی طرف خصوصی توجہ دیتے ہیں کہ منصوبوں کی تکمیل کے لیے کن ذرائع سے رقم حاصل کی جاسکتی ہے۔ منصوبوں کے لئے رقم دو ذرائع سے حاصل ہوتی ہے۔

۱۔ مُلکی بچت

۲۔ قرضے

ملک میں اگر بچت کی شرح اونچی ہے تو مُلکی ذرائع ہی سے منصوبوں پر عمل شروع ہو جاتا ہے، لیکن بچت کی شرح کم ہونے کی صورت میں حکومت کو غیر ملکی قرضوں کا سہارا بنا پڑتا ہے۔ منصوبہ بندی کی تکمیل کے لئے ایک تیسرا طریقہ بھی ہوتا ہے اور وُہ یہ کہ حسبِ ضرورت ملک کا مرکزی بینک نوٹ چھاپ چھاپ کر حکومت کے حوالے کرتا ہے، لیکن یہ طریقہ ارزاں ہونے کے ساتھ ساتھ بے حد خطرناک بھی ہے۔ اس سے

ملک میں افراطِ زر آجاتا ہے اور اگر افراطِ زر پر حکومت جلد قابو نہ پاسکے، تو پھر اس کے نتائج انتہائی سنگین ہوتے ہیں اور معیشت تباہ ہوجاتی ہے۔ لہٰذا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ ملک میں بچتوں کی ہمت افزائی کی جائے اور لوگوں کو بچت کرنے پر مجبور کیا جائے۔

ماہرین نے اندازہ لگایا ہے کہ بیشتر ترقی پذیر ممالک میں سرمایہ کاری کی شرح ۵ فیصد سے ۸ فیصد ہے جب کہ ترقی یافتہ ممالک میں یہ شرح ۱۵ فیصد سے ۱۸ فیصد ہے یعنی ترقی پذیر ممالک اپنی قومی آمدنی کا صرف ۵ سے ۸ فیصد حصّہ سرمایہ کاری کے لئے خرچ کرتے ہیں، جب کہ اقتصادی ترقی کا تقاضا ہے کہ قومی آمدنی کا کم از کم ۱۵ فیصد سرمایہ کاری کے لئے وقف کردیا جائے۔

اگر بچتیں زیادہ ہیں تو سرمایہ کاری زیادہ ہوگی، لیکن بچتیں اگر کم ہیں تو اقتصادی ترقی کی رفتار بے حد سست ہوگی۔ ۱۹۵۵ء میں ایک امریکی ماہر اقتصادیات کولن کلارک نے بھارت، چین اور پاکستان کے لئے یہ اندازہ لگایا تھا کہ ان ممالک کی اقتصادی ترقی کے لئے یہ ضروری ہے کہ یہاں کے افراد کم از کم قومی آمدنی کا ۱۲ فیصد پس انداز کریں اور اسے سرمایہ کاری میں لگائیں۔ لہٰذا آج کل ہر ملک میں خواہ وُہ پسماندہ ہو یا ترقی یافتہ، بچت میں اضافے کے لئے مختلف اسکیموں پر عمل کیا جاتا ہے۔ خود پاکستان میں ہماری حکومت نے ایسی بہت سی اسکیمیں رائج کر رکھی ہیں جن سے چھوٹی چھوٹی بچتوں کی ہمت افزائی ہوتی ہے۔ یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ ملک کے ترقیاتی منصوبوں کے لئے جتنی رقم کی ضرورت ہے اور اس رقم کو حاصل کرنے کا بہترین ملکی بچت کے ذریعہ ہے۔

اب اہل دل اور اہل نظر ذرا اس ماحول کو ذہن میں رکھیں جب کہ ۱۹۱۲ء میں مولانا احمد رضا خان نے مسلمانوں کو اس بات پر عمل کرنے کی تلقین کی تھی کہ وہ غیر ضروری اخراجات سے پرہیز کریں اور زیادہ سے زیادہ پس انداز کریں اور آج کے ماحول پر نظر ڈالیں۔ جب کہ حکومتیں اس بات کے لئے کوشاں ہیں کہ عوام زیادہ سے زیادہ بچت کریں۔ کیا آپ اب بھی قائل نہ ہوں گے مولانا کی دُور اندیشی کے کیا اب بھی آپ کو یقین نہ آئے گا کہ مولانا کی دُور رس نگاہیں مستقبل کو کتنا صاف دیکھ رہی تھیں

دُوسرا نکتہ :

۲۔ اب آیئے دوسرے نکتے کی طرف مولانا نے فرمایا :

"بمبئی، کلکتہ، رنگون، مدراس، حیدر آباد دکن کے تونگر مُسلمان بھائیوں کے لئے بینک کھولیں۔

یہ نکتہ معاشی نقطۂ نظر سے اس قدر اہم ہے کہ ہمیں مولانا احمد رضا خان کی اقتصادی سُوجھ بوجھ کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ ۱۹۱۲ء میں ہندوستان کے صرف چند بڑے بڑے شہروں میں بینک قائم تھے جن کی ملکیت انگریزوں یا ہندوؤں کے ہاتھوں میں تھی۔ برصغیر میں ۱۹۴۷ء تک کوئی مسلم بینک موجود نہ تھا۔ ۱۹۱۲ء میں بنک اور بنکوں کی اہمیت کا اندازہ لگانا کوئی آسان بات نہ تھی۔ لیکن مولانا کی نگاہوں سے معاشیات کے مستقبل کے اس اہم ادارے کی اہمیت پوشیدہ نہ رہ سکی اور انہوں نے مال دار مسلمانوں سے اپیل کی وُہ اپنے بھائیوں کے لیے بینک قائم کریں۔

سود کی بے پناہ مضرت رسانیوں کے متعلق مولانا احمد رضا خاں نے اپنی دیگر

کتابوں میں تفصیل سے ذکر کیا ہے: لہذا یہ امر واضح ہے کہ مولانا احمد رضا خاں کی مراد ایسا بینک کاری نظام تھا جو غیر سودی بنیادوں پر استوار ہو۔ ایسا بینک نظام ملکی معیشت کو تازہ و صحت مند خون فراہم کرسکتا ہے۔ بینک وہ ادارے ہیں جو لوگوں کی بچتوں کو پیداواری کاموں میں لگانے کا ذریعہ ہیں۔ آج کا معاشی نظام اس قسم کے بینکنگ کے بغیر عضو معطل ہو کر رہ جائیگا۔ تو گویا ایسے بنکوں کی اہمیت موجودہ معاشرہ میں مسلّم ہے۔

جدید ماہرین اقتصادیات نے پس اندازی کی دو قسمیں بتائی ہیں:

۱- بچت

۲- زر کی ذخیرہ اندوزی

اگر ایک فرد کی ماہانہ آمدنی ۱۰۰ روپے ہے جس میں وہ اسّی روپے اپنی ضروریات زندگی پر خرچ کرتا ہے تو اس کی ماہانہ بچت بیس روپے ہو گی۔ یہی حال قوموں کا ہے۔ اگر قومی آمدنی قومی اخراجات کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ تو نتیجہ قومی بچت کی صورت میں ظاہر ہو گا۔

اس بچائی ہوئی رقم کو افراد بنکوں میں جمع کرا سکتے ہیں یا بچت کی کسی اسکیم میں لگا سکتے ہیں۔ یہ صورت حال بچت کہلاتی ہے، لیکن اگر لوگ بچائی ہوئی رقم کو اپنے ہی پاس رکھیں تو یہ صورت (Hoarding) کہلاتے گی۔ بچت کا تصوّر ذخیرہ اندوزی کے تصوّر سے اس لیے مختلف ہے کہ موخر الذکر تصوّر خالص نفسیاتی ہے جس میں فرد کی نفسیات یہ ہوتی ہے کہ وہ دولت زر کی شکل میں جمع کرے اور اسے اپنے پاس ہی محفوظ رکھے۔

جب تک لوگ اپنی بچت غیر سودی کاروباری بنکوں میں جمع کرائیں گے یا کسی بچت کی اسلامی کاروباری اسکیم میں لگائیں گے اس وقت معیشت میں توازن برقرار رہے گا، لیکن جب وقت لوگوں میں زر کو ذخیرہ کرنے کی خواہش بڑھ جائے گی تو معیشت عدم توازن کا شکار ہو جائے گی ایسی صورت میں جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے معیشت میں یا تو افراط زر پیدا ہو جائے گا یا کساد بازاری پھیل جائے گی اور ہزاروں افراد ملکی وسائل بے روزگار ویے اثر ہو جائیں گے جس سے معاشرہ میں بے شمار سماجی برائیاں پیدا ہو جائیں گی۔

۱۹۱۲ء میں جبکہ اقتصادی تعلیم محدود تھی کسے معلوم تھا کہ تیس چالیس سال کے بعد بچت اور بینک کس قدر اہمیت اختیار کر جائیں گے، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ مولانا احمد رضا خان بریلوی نے مستقبل میں جھانک لیا تھا۔ انہوں نے مسلمانوں کو نہ صرف پس اندازی کی ہدایت کی، بلکہ صاحب حیثیت اور دولت مند مسلمانان ہند سے اپیل کی وہ اپنے بھائیوں کی مدد کے لئے بینک قائم کریں۔ وہ بینک جہاں کم حیثیت کے مسلمان اپنی چھوٹی چھوٹی بچائی ہوئی رقم محفوظ رکھ سکیں اور جہاں سے باصلاحیت مسلمان تاجروں کو سرمایہ فراہم ہو سکے اور صنعت کاری کے میدان ہندوؤں کا مقابلہ ڈٹ کر کر سکیں۔

میں سوچتا ہوں کہ کاش ۱۹۱۲ء میں چند ایک ہی ایسے اہل دل مسلمان ہوتے جو مولانا احمد رضا خاں کے ارشادات پر عمل کر لیتے تو مسلمانوں کی اقتصادی تاریخ برصغیر میں یقیناً مختلف ہوتی اور پاکستان کو انتہائی نامساعد معاشی مسائل کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ ایسی گہری سوچ اور ایسے نکات جن کے نتائج اس قدر دور رس ہوں کسی عام انسان

کے بس کی بات نہیں۔ یہ تو صرف مردِ مومن کا کمال ہے۔ اس مردِ مومن نے تو نگر مسلمانوں کو دعوت دی کہ مسلمانوں کے لیے مسلمانوں کا بنک قائم کرو تا کہ مسلمانوں کی اقتصادی حالت سنبھلے۔ یہی بات ۱۹۴۶ء میں قائدِ اعظم نے دوہرائی۔ اگر ۱۹۱۲ء میں سر آدم جی اور مرزا اصفہانی جیسے دو چار سرمایہ دار فاضل بریلوی کی ہدایت پر عمل کر لیتے اور اسلامی اصولوں پر مبنی کاروبار کر کے غیر سودی کاروباری بنک قائم کر دیتے۔ تو مسلمانوں کا معاشی مستقبل بہت کچھ سنور جاتا اور اس کے اقتصادی نتائج نہ صرف برصغیر کے مسلمانوں کے لئے بلکہ مسلمانانِ عالم کے لئے بے حد خوشگوار ثابت ہوتے

تیسرا نکتہ:

اب ہم مولانا احمد رضا خاں کے تیسرے نکتے کی طرف آتے ہیں۔ آپ نے فرمایا تھا:

۳ "مسلمان اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدیں"

ذرا اس نکتہ پر غور فرمایئے۔ موجودہ عالمی اقتصادی ماحول کا جائزہ لیجئے اور پھر یہ دیکھیے کہ مسلمانوں نے اس عالمِ دین کے اس زریں اصول کو نہ تو سمجھا اور نہ ہی اس پر عمل کیا۔ لیکن دوسری عالمی جنگ کے بعد مغربی یورپ کے جنگ سے متاثر ہونے والے ممالک نے اس پر پورا پورا عمل کیا۔

اور آج یہ ممالک اقتصادی طور پر دنیا کے مستحکم ترین ممالک سمجھے جاتے ہیں۔ لکھنؤ میں میں نے اپنے بچپن میں جب کہ دوسری جنگ عظیم زور و شور سے جاری تھی اکثر مسلمانوں کی دوکانوں پر یہ شعر چسپاں دیکھا تھا۔

زندگی عزت کی مسلم ہند میں چاہے اگر
تو یہ لازم ہے کہ سودا جب بھی لے مسلم سے لے

یہ غالباً فاضل بریلوی کے اس نکتے کی صدائے بازگشت تھی۔ اس شعر نے مجھے بیحد متاثر کیا تھا۔ لیکن صاحب حیثیت مسلمانوں کو میں نے ہندوؤں کی دکانوں سے خرید و فروخت کرتے دیکھا مسلمانوں میں اس وقت بھی ماہرین اقتصادیات موجود تھے۔ لیکن بدقسمتی سے ان کی نگاہیں مغربی مفکرین کی جانب لگی ہوئی تھیں وہ اس بات سے قطعاً بے خبر تھے کہ خود ان کا ایک عالم اقتصادیات کے بارے میں کیسے کیسے موتی ان کے سامنے بکھیر گیا ہے۔ وہ اپنے خزانے سے بے خبر ہے۔ لیکن مغربی خزانوں کی طرف حسرت و یاس سے دیکھتے رہے اور کسی نے بھی مولانا کے اس نکتہ پر غور نہیں کیا اور نہ ہی اسے سمجھا اور نہ ہی وضاحت کی ضرورت محسوس کی۔ اگر اس وقت کوئی بھی مسلم ماہر اقتصادیات اس نکتے کے دور رس اثرات کی وضاحت کر دیتا اور مسلمان صرف مسلمانوں ہی سے خرید و فروخت کرتے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ مسلمان ہندوستان میں معاشی اعتبار سے دوسری قوموں کے مقابلے میں پست ہوتے۔

معاشیات میں اس بات پر گرما گرم بحث ہوتی رہی ہے اور جس کا سلسلہ اب تک جاری ہے کہ بین الاقوامی تجارت آزاد ہونی چاہیئے یا اس پر پابندیاں ضروری ہیں اور اس پابندی کو تامین کہتے ہیں۔

آزاد عالمی تجارت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مملکتوں کے مابین اشیاء کی آمدورفت پر پابندیاں نہیں ہیں یا اگر ہیں بھی تو برائے نام۔ اس کے برخلاف تامین وہ تحفظ ہے جو حکومت ملکی صنعتوں کو غیر ملکی مقابلے سے بچانے کے لئے دیتی ہیں۔

سب سے پُر زور دلیل جو تامین کے حق میں دی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ ملک کی نوزائیدہ صنعتیں بیرونی مقابلے سے اس وجہ سے تحفظ کی مستحق ہیں کہ وہ مضبوط بیرونی صنعتوں کا

اپنی زندگی کے ابتدائی دور میں قطعاً مقابلہ نہیں کرسکتیں۔ ان کی حفاظت حکومت کا فرض ہے ایسا نہ ہو کہ وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہونے سے قبل ہی بیرونی مقابلے کے سامنے دم توڑ دیں۔

ایک دلیل یہ بھی ہے کہ تامین اس لیے ضروری ہے کہ ملک کی دولت ملک ہی میں رہتی ہے اور روزگار میں اضافہ ہوتا ہے نیز یہ جذبہ حب الوطنی کے فروغ کا باعث ہے۔

اور بھی بہت سے دلائل ہیں۔ جو تامین کے حق میں دیئے گئے ہیں مگر میں صرف مندرجہ بالا دو دلائل کے متعلق مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے تیسرے نکتے کی روشنی میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ناکامی نے برصغیر میں اسلامی حکومت کا خاتمہ کر دیا تھا اور انگریزوں نے یہاں اپنی حکومت قائم کی تھی۔ ۱۹۱۲ء میں انگریزی حکومت ہندوستان میں مستحکم ہو چکی تھی۔ اس وقت کوئی یہ تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ صرف ۳۵ سال بعد فرنگی اس سرزمین کو چھوڑ کر بھاگ جاتے گا

مسلمانوں کا اب اپنا کوئی ملک نہ تھا لیکن مسلم قوم اب بھی موجود تھی۔ جسے اس بات کا پورا پورا احساس تھا کہ انہوں نے کیا گم کر دیا۔ حکومت ختم ہو چکی تھی مگر قوم اب بھی موجود تھی۔ اس قوم کی سماجی، مذہبی اور معاشی بقار کے لیے مضبوط بنیادوں پر اہل نظر اور اہل علم مسلمانوں کی پالیسیاں وضع کرتی تھیں۔ تعلیمی، سیاسی اور معاشرتی میدان میں مسلم لیڈران سرگرم عمل تھے۔

مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کے لیے جدوجہد تیز تر ہوتی جا رہی تھی لیکن ہم دیکھتے

ہیں کہ اس موقع پر کسی نے بھی مسلمانوں کی اقتصادی بدحالی اور اس سے نمٹنے کے لیے کوئی پالیسی وضع نہ کی۔ اس موقعہ پر مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے اپنے معاشی نکات پیش کیے افسوس ہے کہ ان پر مسلمانوں نے کوئی غور و فکر نہیں کیا۔ تعلیم یافتہ مسلمان اپنی راہبری کے لیے مغربی علماء کا سہارا لیے ہوئے تھے اور اس بات سے قطعاً بے خبر تھے کہ اللہ تعالیٰ نے خود ان کے درمیان ایک ایسے با وصف انسان کو بھیج دیا ہے کہ جس کے ارشادات پر اگر مسلمان عمل کرتے تو کب کی اپنی غربت و افلاس سے چھٹکارا حاصل کر کے باعزت زندگی بسر کرنے لگتے۔

مولانا احمد رضا خاں کا تیسرا نکتہ میرے نزدیک معاشی اعتبار سے نہایت اہم ہے۔ وہ مسلمانوں کو معاشی تحفظ دینا چاہتے تھے۔ روزگار اور تجارت کے میدان میں ہندو مسلمانوں سے بہت آگے تھے بنیوں کی ذہنیت اور فطرت ہی یہ تھی کہ کس طرح زیادہ سے زیادہ روپیہ کمایا جاسکے مسلمانوں کو اس میدان میں کوئی تجربہ نہ تھا اور اگر مسلمان تجارت کرنا بھی چاہتے تو اوّل تو ہندو اپنے مقابلے میں انہیں میدان سے بھگا دیتے تھے اور دوسرے اپنوں کی بے اعتنائی ان کا دل توڑ دیتی تھی۔ فاضل بریلوی پر یہ باتیں روزِ روشن کی طرح عیاں تھیں، اس کا صرف ایک ہی علاج تھا اور وہ یہ کہ مسلمان مسلم تجارت پیشہ افراد کو تحفظ دیں اور خرید و فروخت صرف مسلمانوں ہی سے کریں یعنی فاضل بریلوی نے جدید اقتصادی زبان میں مسلمان دوکانداروں کے لیے مسلمان بھائیوں سے تامین کی اپیل کی مسلمان دوکانداروں کی مثال بالکل اس نوزائیدہ صنعت کی سی تھی جسے سخت ترین بیرونی مقابلے کا سامنا تھا اور ان کی بقا اسی صورت میں تھی کہ مسلمان ان کی سرپرستی کریں۔ یہاں کسی ملکی صنعت کو تحفظ

کرنا تھا لیکن افسوس راستے کا تعین تو در کنار ہم نے اس شمع ہدایت کو بھی نظر انداز کر دیا۔ اسے ہم صرف اپنی بدنصیبی اور کوتاہ بینی سے تعبیر کر سکتے ہیں یا پھر یہ کہ معاشرتی، سیاسی اور تعلیمی اصطلاحات میں راہبرانِ ملت ایسے اُلجھے کہ انہوں نے مسلمانوں کی اقتصادی اصلاح کی طرف توجہ نہ دی جو یقیناً حیرت انگیز اور قابلِ افسوس امر ہے جب کہ ان کی ہدایت کے لئے اتنے واضح نکات مولانا احمد رضا خاں نے ۱۹۱۲ء میں وضع فرما دیئے تھے۔

چوتھا نکتہ

مولانا احمد رضا خاں بریلوی کا چوتھا نکتہ گو کہ اقتصادیات کے متعلق ہے نہیں لیکن اس کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ آپ نے فرمایا کہ:

۴۔ "علم دین کی ترویج و اشاعت کریں"۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ سر سید کی تعلیمی اصلاحات کی کوششیں رنگ لا رہی تھیں مسلمان مغربی تعلیم حاصل کرنے کے لئے آگے بڑھ رہے تھے۔ انگریزی تعلیم کا حصول بذات خود ایک اچھی بات تھی۔ مسلمانوں کو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ہدایت ہے کہ طلب علم ہر مسلمان پر فرض ہے لیکن جو بات تشویش ناک تھی اور جسے مولانا کی ذاتِ گرامی نے اسی وقت محسوس کر لیا تھا وہ یہ تھی کہ انگریزی تعلیم کے ساتھ

ل یہ نقطہ بھی اس لحاظ سے اقتصادیات سے متعلق ہے کہ پہلے تین نکات پر عمل کا جذبہ قومی اور ملی تعصب سے پیدا ہوتا اور قومی تصلب و عصبیت کے لئے دینی تعلیم ضروری ہے تو بالواسطہ یہ آخری نکتہ بھی اقتصادیات اسلامی سے تعلق ہے۔ (ادارہ)

بجا دی گئی تھی۔ جنگ ختم ہونے کے بعد جرمنی کی "بندر بانٹ" ہوئی۔ ایک حصہ روسیوں کے پاس اور دوسرا اتحادیوں کے قبضے میں آیا۔ جرمنی دو حصوں میں تقسیم ہو کر مغربی جرمنی اور مشرقی جرمنی بن گیا۔ جرمنی کی اقتصادی و معاشی حالت بالکل تباہ ہو چکی تھی۔ یہی حالت فرانس اور اٹلی کی تھی۔ لیکن جرمنی نے جلد ہی اپنی حالت کی اصلاح کی طرف توجہ دی۔ وہاں کے دانش مندوں نے یہ بات بخوبی سمجھ لی تھی کہ جرمنی کو اگر زندہ رکھنا ہے تو اقتصادی بحالی فوقیت کے لحاظ سے اول نمبر پر ہے۔ جنگ کی تباہی کے بعد مغربی جرمنی تنہا اپنی معیشت کو بحال نہیں کر سکتا تھا۔ لہذا روم میں ایک کانفرنس ہوئی جس میں ایک معاہدہ پر دستخط ہوئے اور یوروپین مشترکہ منڈی کا قیام عمل میں آیا۔ جو چھ مغربی یورپی ممالک پر مشتمل تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ عالمی سیاست میں امریکہ کا طوطی بول رہا تھا اور عالمی معیشت میں امریکی ڈالر کا مقابلہ کرنے والا کوئی نہ تھا۔

اس منڈی کے قیام کے پس پشت جو نظریہ کارفرما تھا وہ بعینہ وہی تھا جس کی ہدایت مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے اپنے تیسرے نکتے میں فرمائی تھی یعنی مسلمان اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدیں۔ معاہدہ روم جس کے تحت اس منڈی کا قیام عمل میں آیا تھا۔ ان شرائط و ضوابط پر مشتمل تھا کہ منڈی کے اراکین ان اشیاء کو پیدا کریں گے۔ جن کی پیدائش پر انہیں دوسرے ممالک پر فوقیت حاصل ہے منڈی کے اراکین ممالک خود کو ایک وحدت خیال کریں گے۔ آپس میں تجارت آزادانہ ہوگی یعنی تجارت پر کوئی پابندی نہ ہوگی۔ وسائل پیدائش کی منتقلی پر پابندیاں نہ ہوں گی۔ درآمدات پر بھاری ٹیکس لگائے جائیں گے اور برآمدات رعائتوں کی

منتقل ہوں گی۔ جو اشیاء (منڈی کے اراکین پیدا کر سکتے ہیں۔ انہیں باہر سے نہیں منگوایا جائے گا۔ زیادہ سے زیادہ خرید و فروخت آپس ہی میں ہوگی۔

منڈی کے قیام کے وقت غالباً اراکین کو بھی اس کی کامیابی کا یقین نہ تھا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ دنیا نے حیرت سے دیکھا کہ یہ ادارہ انتہائی مستحکم اقتصادی ادارہ بن گیا۔ منڈی کے اراکین کی معیشت انتہائی مضبوط خطوط پر قائم ہوئی۔ مالی اعتبار سے اراکین کی حیثیت بے حد مضبوط ہو گئی اور ہم نے دیکھا کہ عالمی اقتصادیات میں امریکن ڈالر کی حیثیت ثانوی رہ گئی اور جرمن مارک دنیا کی مضبوط ترین کرنسی بن گیا۔)

پاکستان، ایران اور ترکی کے مابین جو معاہدہ ہوا تھا اور جسے ہم آر۔ سی۔ ڈی کے نام سے جانتے ہیں۔ وُہ بھی انہیں خطوط پر تھا۔ لیکن اس ادارہ کو وہ کامیابی نصیب نہ ہو سکی۔ جس کی توقع کی جا سکتی ہے۔ آر۔ سی۔ ڈی کو کامیاب بنانے کے لئے تینوں ممالک کے سربراہوں کی ایک کانفرنس ۲۶ ر اپریل ۱۹۷۶ء کو ازمیر (ترکی) میں منعقد ہوئی تھی لیکن ابھی تک کوئی مثبت نتائج برآمد نہیں ہوتے ہیں، لیکن کوئی وجہ نہیں کہ اگر تینوں ممالک صدق دل اور نیک نیتی سے اس ادارے کی کامیابی کے لئے کوشش کریں۔ تو کامیابی نصیب نہ ہو۔

بہرحال اس تمام بحث سے غرض یہ تھی کہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے جو نکتہ بیان فرمایا تھا اگر مسلمان صدقِ دل سے اس پر عمل کرتے تو انہیں بھی یقیناً کامیابی ملتی جو یورپین مشترکہ منڈی کے حصے میں آئی۔ ہمارے ایک عظیم عالم دین نے ہمارے لئے چراغ جلا کر رکھ دیا تھا جس کی روشنی میں ہمیں صحیح راستے کا تعین

نہیں دینا تھا بلکہ اپنی قوم کی اس جماعت کی حفاظت مقصود تھی جو معاشی میدان میں آگے بڑھنے کے لیے کوشاں تھی۔

اب اگر مسلمانانِ ہند فاضل بریلوی کے ارشاد پر عمل کرتے تو اس کے اقتصادی نتائج کیا ہوتے؟ مسلمانوں کا پیسہ مسلمان دوکانداروں کے پاس جاتا۔ اپنے طور پر یہ مسلمان تاجر مسلمان تھوک فروشوں سے زیادہ سامان حاصل کرتے۔ مسلم تھوک فروش مسلم صنعت کاروں سے زائد اشیاء خریدتے اور جب موثر طلب میں اس طرح اضافہ ہوتا تو مسلمان صنعت کار زیادہ اشیاء پیدا کرتے کیونکہ ان کی اشیاء کی طلب میں اضافہ ہوتا۔ اشیاء کو پیدا کرنے کے لئے وسائل پیدائش کی ضرورت ہوتی ہے یعنی زمین محنت اور سرمائے کی۔ مسلمان صنعت کار جب اشیاء کی پیداوار میں اضافہ کرتے تو یقیناً وہ بے روزگار مسلمان جو تلاش روزگار میں سرگرداں تھے ملازمتیں حاصل کر لیتے اور جب ان افراد کی آمدنیوں میں اضافہ ہوتا تو ان کی موثر طلب بڑھ جاتی اور معاشیات کا وہ چکر شروع ہو جاتا جو کسی بھی معیشت کو خوش حال کر دیتا ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسلمان صنعت کار سرمایہ کہاں سے لاتے تو اس کا جواب مولانا احمد رضا خاں کے پہلے دو نکات میں پوشیدہ ہے کہ مسلمان بچت کریں اور صاحب حیثیت مسلمان بلا سود کاروبار پر مبنی بینک قائم کریں۔ بینک جن کا دلین مقصد پیداواری کاموں کے لئے سرمایہ فراہم کرنا ہوتا ہے۔

اب ذرا یہ بھی دیکھ لیا جائے کہ فاضل بریلوی کے اس نکتے پر مغربی دُنیا نے دوسری جنگ عظیم کے بعد کتنا عمل کیا ہے۔ مغربی یورپ کے ممالک مثلاً جرمنی، فرانس اور اٹلی وغیرہ اس جنگ میں تباہ و برباد ہو گئے تھے۔ خصوصاً جرمنی اور اٹلی کی اینٹ سے اینٹ

ساتھ نوجوان نسل مغربی تہذیب کی بھی دلدادہ ہوتی جا رہی تھی یعنی کوا ہنس کی چال اختیار کر رہا تھا جو کہ ایک غیر فطری بات تھی۔ فاضل بریلوی نے سمجھ لیا تھا کہ اگر مسلمان علم دین سے بے بہرہ ہو گئے تو وہ اپنی حیثیت و انفرادیت کو گم کر بیٹھیں گے۔ نئی تہذیب ان کی وحدت کو ختم کر دے گی اور ان کا وہی حال ہو گا کہ ؎

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم
نہ ادھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

اکبر الٰہ آبادی نے بھی یہ بات بخوبی محسوس کر لی تھی اپنی شاعری کے تیز و تند نشتروں سے انہوں نے مسلمانوں کو اس خطرے کا احساس دلایا۔ انہیں سمجھایا کہ اپنی اصلیت مت بھولو تمہارا سب سے بڑا عنصر تمہارا مذہب اور تمہاری تہذیب ہے لیکن "زمانہ" کا چکر اتنا تیز تھا کہ مسلمان اس طرف متوجہ نہ ہوئے۔ اور اکبر الٰہ آبادی نے فرمایا کہ ؎

سید اٹھے جو گزٹ لے کے تو لاکھوں لائے
شیخ قرآن دکھاتے رہے پیسہ نہ ملا

اور یہ کہ ؎

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

مغربی تہذیب نے ایسا رنگ جمایا اور نوجوانوں کو اپنی رنگینیوں کا ایسا متوالا بنایا کہ وہ اپنے معاشرے، تہذیب اور مذہب سے دور ہوتے چلے گئے۔ اور فرنگی اپنے مقاصد میں کامیاب ہوتے گئے۔

مذہب سے بیگانگی نے برصغیر کے مسلمانوں کی جداگانہ حیثیت کو بے حد نقصان پہنچایا۔ لیکن جب قائدِ اعظم محمد علی جناح نے اسلام کے نام پر مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنا چاہا تو مسلمان پروانہ وار ان کے گرد جمع ہو گئے۔ اسلامی غیرت و حمیت اس وقت بھی مسلمانانِ ہند میں موجود تھی جس کا نتیجہ تقسیمِ ہند کی صورت میں ظاہر ہوا۔

مسلمانوں کو ایک نیا ملک نصیب ہوا جو اس بنیاد پر وجود میں آیا تھا کہ مسلمان ایک علیٰحدہ قوم ہیں۔ ان کی ثقافت و تہذیب ہندوؤں اور انگریزوں سے مختلف ہے مگر بدنصیبی تو ملاحظہ فرمائیں کہ اسلام کے نام پر علیٰحدہ مملکت تو وجود میں آ گئی مگر ترویج دین کی طرف اہلِ اقتدار نے کوئی توجہ نہ دی۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ مملکت اسلامیہ پاکستان کو صحیح طور پر ایک اسلامی ملک بنایا جاتا۔ اسلامی تعلیمات کی اشاعت ہوتی۔ نوجوانوں کو مذہبی تعلیم سے روشناس کرایا جاتا۔ انہیں بتایا جاتا کہ پاکستان کے لیے برصغیر کے مسلمانوں نے کس لئے جدوجہد کی تھی اور بے شمار قربانیاں کیوں دی گئیں تھیں۔ لیکن افسوس کہ اس طرف سے توجہ ہٹا لی گئی۔ اقتدار کے لئے رسّہ کشی شروع ہو گئی۔ ابھی ملک کی جڑیں مضبوط بھی نہ ہوئی تھیں کہ طوفان حوادث نے اسے آگھیرا۔ مذہب سے بیگانگی نے اور بھی غضب ڈھایا۔ ہم نے خود کو صوبوں سے خصوصیت دے لی اور یہ بھول گئے کہ ہم اوّل و آخر صرف مسلمان ہیں۔

ہمارے ملک پر جو آفات نازل ہوئیں، ان کا بنیادی سبب ہماری مذہب سے بیگانگی تھا۔ اگر ابتدا ہی سے علمِ دین کی ترویج و اشاعت پر زور دیا جاتا تو ہمیں یہ

بُرے دن ہرگز نہ دیکھنا پڑتے۔

آج ہمیں اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ہماری نئی نسل کو جو مغرب کی تقلید میں دیوانی ہوتی جارہی ہے۔ اسلامی تعلیم، اسلامی تہذیب اور اسلامی تاریخ سے روشناس کرایا جائے۔ اگر اس سلسلہ میں نیک نیتی سے کوششیں شروع کردی جائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہماری نسل اپنی منزل کو نہ پالے۔ بقولِ شاعرِ مشرق علامہ اقبالؒ ؎

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

اتمامِ حجت

تہذیبِ مغرب کے دلدادہ اور اسلامی تہذیب سے نابلد اپنی کوتاہ نظری پر رونے اور آنسو بہانے کی بجائے اسلام کو مطعون کرتے ہیں کہ اس کا اپنا کوئی معاشی و اقتصادی نظام نہیں ہے ان سے گذارش ہے کہ وہ تہذیبِ مغرب کی بجائے اسلام کی تہذیب و تمدن کا مطالعہ کریں عربی زبان سیکھیں، اسلام کی تہذیب و تمدن اور اس کے اقتصادی و معاشی نظام کی دولتِ لازوال اور عظیم سرمایہ عربی زبان میں ہے جسے بتدریج مختلف زبانوں میں ڈھالا جارہا ہے۔ قرآن کریم۔ تفاسیر، احادیث نبویہ صحاح ستّہ وغیرہ، ان کی شروح، کتب فقہ اور اسلامی آئین کے مجموعہ ہائے عظمیٰ، درمختار، شامی، فتح القدیر عالمگیری وغیرہا اسلام کے پاس ایسے عظیم الشان ذخائر جواہر ہیں کہ ان کے مقابلے میں پوری دنیا کی تہذیب تہی دامن نظر آتی ہے۔ راقم نے ان بے بہا ذخائر سے اسلام کے اقتصادی و معاشی نظام کے جواہر چُن چُن کر اس کتاب میں یکجا جمع کردیے ہیں۔ اس کے مطالعے سے ان لوگوں کی ذہنی اور قلبی اصلاح متوقع ہے جو عربی زبان

سے ناواقف ہونے کی بنا پر اسلام کے نظام معیشت کے مطالعہ سے بہرہ یاب نہیں ہو سکے اور ان حضرات کے معلومات میں اضافہ کی اُمید بھی ہے جو عربی زبان سے واقف ہونے کے باوجود گوناگوں اور طرح طرح کی مصروفیات کی وجہ سے اسلام کے اقتصادی نظام کا کما حقہ، مطالعہ کرنے کا موقع نہیں پا سکے۔ انشاء اللہ العزیز عام مطالعہ کے شائقین سے لے کر مدارس، سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طالب علم اور اساتذہ تک کے لئے راقم کی یہ کوشش مفید ثابت ہوگی ؎

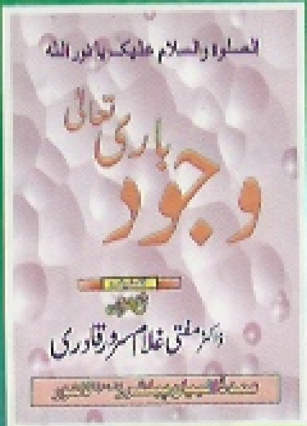
نہ از ساقی نہ از پیمانہ گفتم — حدیثِ عشق بے باکانہ گفتم
شنیدم آنچہ از پاکانِ اُمت — ترا با شوخئ رندانہ گفتم

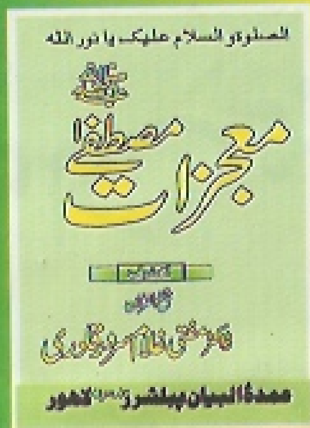
انداز بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے
شاید کہ اُتر جائے تیرے دل میں میری بات

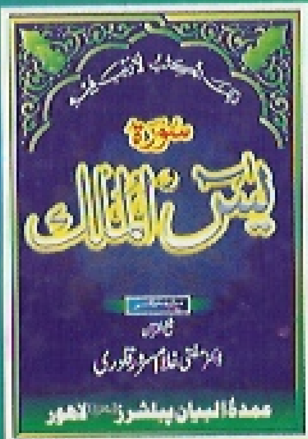
والسلام ——— محتاجِ دعا

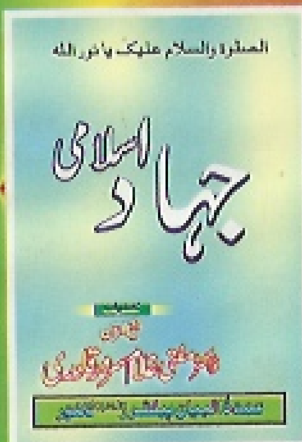
——— مفتی محمد ابو سعید غلام سرور قادری

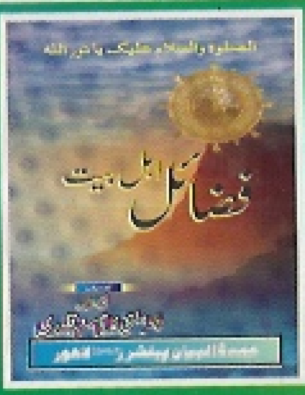
شیخ القرآن ڈاکٹر مفتی غلام سرور قادری کی دیگر تصانیف

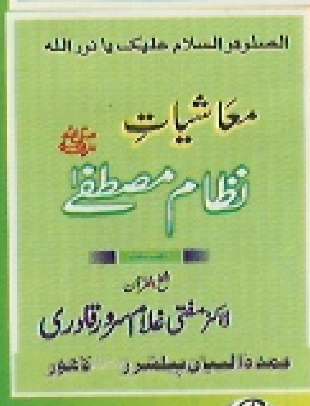












Distribute by SAW Publisher 0300-4826678 0321-4059491